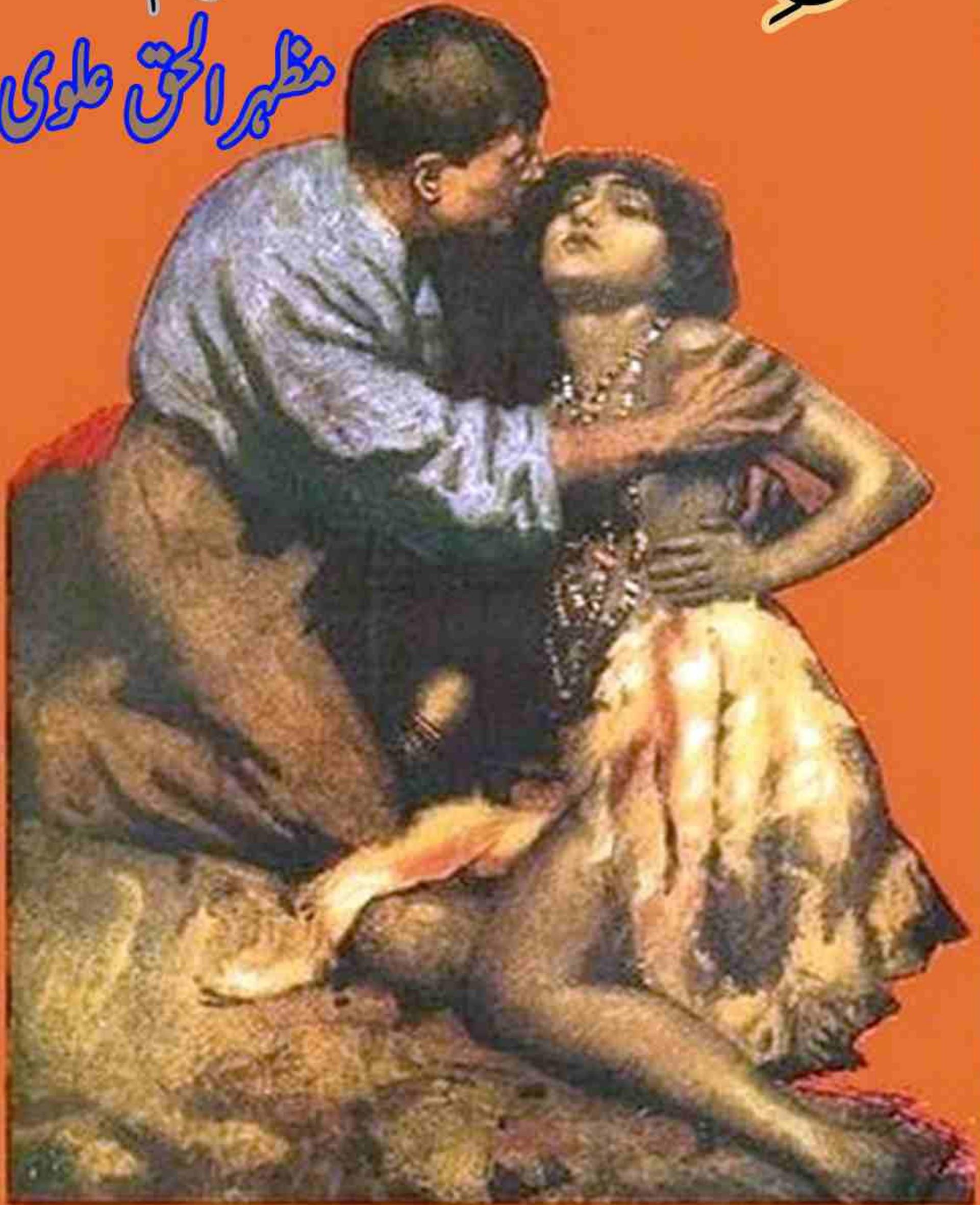


گنج سلیمان

رائڈر ہیگرڈ

مترجم:

منظہر الحق علوی



جمہ حق ترجمہ دہائی طور پر۔۔۔۔۔ بحق نسیم بک ڈپو لکھنؤ محفوظ میں

گنج سلیان

دنیا کا سب سے مشہور اور سب سے زیادہ پڑھا جانے والا
ہماتی ناول

مترجم

منظہر الحق علوی

کا پہلا لازوال ترجمہ

مصنف

رائڈر ہیکرڈ

کا پہلا لازوال ناول

انتساب

اپنے عزیز سہجائی زین العابدین علوی کے نام
جسوں نے اس کتاب کے ترجمہ میں مجھے کافی مدد دی۔

منظہر الحق علوی

ناشر

نسیم بک ڈپو۔ ۲۵ لاٹوش روڈ لکھنؤ

فون (۲۵۳۳۳)۔ آفس۔ ۴۴۵۵۹
فون (۲۵۳۳۳)۔ رہائش۔ ۴۵۳۳۳

قیمت بیس روپے

باہتمام۔۔۔ نسیم انہونی (بارششم ۶۱۹۸۶) پرنٹر۔ نظای پریس بکھتہ

ایک حقیقت

”کنج سلیمان“ انگریزی کے شہرہ آفاق ناول نگار سائمنس مائن کا ترجمہ ہے جسے رائیڈر بیگرڈ نے لکھا تھا، اس مصنف نے معلوم نہیں کتنی عمر افریقہ کے ان مقامات کی سیر و تفریح میں گزاری ہے جو اپنے عجائبات سے لوگوں کو انگشت بندھا کر دیتے ہیں۔ افریقہ دنیا کا سب سے بڑا اور عجیب و غریب جزیرہ عظیم ہے جو انسانی تہذیب تمدن نے اسی کے ایک حصہ میں سب سے پہلے جنم لیا اور فراغ نہ سر کے مختلف بادشاہوں نے اپنے کارناموں سے تاریخ میں ایک نمایاں جگہ بنائی ہے۔ اس کے باوجود اس عظیم جزیرہ عظیم کے ہزار ہا خطے تمدن انسانوں کی نظر سے چھپے رہے اور جب انھیں تلاش کیا جانے لگا تو ہزار ہا عجائبات عالم کھوج لگانے والوں کے سامنے آگئے۔ بیگرڈ نے افریقہ پر پچاسوں ناول لکھے ہیں اور وہ سب کے سب عجیب و غریب ہیں۔ مذکورہ ناول کبھی انھیں خصوصیات کا حامل ہے جو بیگرڈ کا طرز امتیاز ہے۔

اس ناول کا پہلا ڈیشن ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا، اس وقت منظر الحق علوی کو اردو ناول پڑھنے والے نکلے نہ جاتے تھے۔ میں بھی ان کی زہانت اور فنی صلاحیت سے واقف نہ تھا لیکن اس ترجمہ کو دیکھنے کے بعد ہی میں نے سمجھا لیا تھا کہ منظر الحق علوی ایک ایسا ہیرو ہیں جو نظروں سے پوشیدہ نہیں کسی تاریخ گزارنے میں پڑھو میں نے اسے زیر سے گونگا لگا اور اُسے بازار میں پیش کر دیا۔ اس کی آب و تاب نے مقبولیت حاصل کی اور آج یہ عالم ہے کہ اس ۲۲ سال کے عرصہ میں منظر الحق علوی ہندوستان کے بہترین مترجم تصور کیے جاتے ہیں اور آج کے ۶۵ ناول شائع ہو کر مقبولیت عام حاصل کر چکے ہیں ان کتابچوں کا ادب ان کے علاوہ ہے۔ ۸ سال بعد اس ناول کا چھٹا ڈیشن پیش کیا جا رہا ہے اور امید ہے کہ جلد ہی ساتواں ڈیشن بھی شائع ہوگا کیونکہ علوی صاحب کی مقبولیت اب دن بہ دن زیادہ ہوتی جا رہی ہے اور اسی لئے ان کی کتابوں کی مانگ بھی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

تسم انہونی دسمبر ۱۹۵۷ء

دو باتیں

ایک مدت سے میری خواہش تھی کہ انگریزی ادب کے اس شہ پارے کو اردو داں طبقہ کی خدمت میں پیش کر دوں لیکن اسے میری کاہلی سے قنبر کیجئے یا عدیم الفرستی سے کہ پچھلے ایک سال سے بار بار کوشش کرنے کے باوجود اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا تھا لیکن ایک روز بیٹھے بیٹھے کچھ دنوں سا سوار ہوا اور قلم دوات لے کر بیٹھ گیا۔

اس عرصہ میں قبلہ نسیم صاحبہ سے فضا و کتابت کرتا رہا جن کے پُرطواری اور تہمت افزا خطوط نے میری ہمت افزائی کی اور مجھے ناول نکل کرنے کا ایک پیمانہ ہاتھ آ گیا۔ اور اس کے لئے میں قبلہ نسیم صاحبہ کا شکر گزار ہوں۔

خیال تھا کہ قارئین کی سہولت کے پیش نظر اردو داروں کے تمام بادل دوں گا لیکن پتہ چلا کہ ایسا کرنے سے ناول میں کافی تبدیلی کرنی ہوگی اور اس کے کئی ایک دلچسپ حصے بھی حذف کرنا ہوں گے اور اس وجہ سے کہ ناول کا اصل لطف جاتا رہے میں نے کراڈوں کے نام انگریزی ہی کے رہنے دیئے ہیں۔

ترجمہ کے بارے میں میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ جیسا بھی ہے اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی اچھائیوں کا اندازہ آپ بہتر لگا سکتے ہیں۔

آخر میں اثناء عرض کر دوں کہ اس کتاب کو آپ تک پہنچانے کا سہرا بھی قبلہ نسیم صاحبہ ہی کے سر ہے جنہوں نے اسے اپنے ادارے سے شائع کر کے مجھے مترجم بنا دیا۔ اگر آپ نے اس ناول کو پسند کیا تو میں سمجھوں گا محنت رائیگاں نہیں گئی۔

منظر الحق علوی

احمد آباد۔ ۲۹ جنوری

شہر

تیرہ بات میری طرح شاید آپ کو بھی عجیب معلوم ہو۔ اس وقت جبکہ میری عمر پچیس سال سے تجاوز کر چکی ہے میں اپنی زندگی کے چند واقعات لکھنے کے لئے قلم اٹھا رہا ہوں اور میں یقینی طور پر کہہ نہیں سکتا کہ جب میں ان واقعات کو قلم بند کروں گا تو آپ ان سے کیا کیا نتائج اخذ کریں گے میں اپنی اس زندگی میں چند عجیب و غریب اور لرزہ بہ اندام کر دینے والے حادثات سے دوچار ہوا ہوں میری ساٹھ سالہ زندگی جو مجھے از حد طویل معلوم ہوتی ہے بڑی پرخطر اور بے قرار گزری ہے اور مجھے کبھی ایک حکم اطمینان اور سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا قسمت مجھے صحراؤں اور جنگلوں میں پھرتی رہی اور کئی بار میں موت کے پنجہ سے اپنا دامن چھڑا کر بھاگا ہوں اور اب میں اپنی کہانی شروع کرتا ہوں۔

اس عمر میں جبکہ عام طور پر دوسرے لڑکے اسکولوں میں تعلیم حاصل کر کے اپنا مستقبل روشن بنانے کی کوشش کرتے ہیں میں اپنی روزی حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کر رہا تھا اور اس کم عمری سے میری زندگی بڑی تلخ گزری ہے۔

تجارت میری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ کم عمری ہی میں تجارت کرنے لگا تھا اور اگر تجارت کا بازار بند ہوتا تو میں کدال لے کالوں میں مزدوری کرتا یا پھر کاندھے سے صندوق لٹکائے ٹھکانے تلاش میں افریقہ کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا۔

میں یونہی گرتا پڑتا زندگی کی راہ طے کر رہا تھا کہ تقریباً آٹھ ماہ پیشتر ہی میری صحت
 قحط جاگی اور میری تمام مشکلات اور پریشانیوں کا تکلیف خاتمہ ہو گیا۔ میرے ہاتھ
 اس قدر دولت آئی کہ اگر میں چار مرتبہ مرنے کی ہمتا اور کنجش کی حد تک کفایت
 شعار بنا کر لے ہوئے پانچ پانی جوڑ کر رکھتا تب بھی اتنا میر نہ بنتا۔

اس دولت کو میں نے کیسے حاصل کیا؟ اس کی داستان انتہائی دلچسپ ہونے کے
 ساتھ ساتھ ہیبتناک بھی ہے۔ سخت بان ہوں جو پچ گیا ورنہ کبھی کا محرابے افریقہ
 کے درندوں اور طیور کے پوٹوں میں محنم ہو چکا ہوتا۔

اس خوفناک داستان کو بیان کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں اسے
 لکھنے کی چند وجوہات بیان کر دوں اس کہانی کو میں شاید اس لئے قلم بند کر رہا
 ہوں کہ.....

۱۔ پاکستان گڈ اور مہتر کی کرش کا تقاضا ہے۔

۲۔ اس وقت میں یہاں ڈرین ہیں پیر کے درد کی وجہ سے پڑا ہوا ہوں اور
 وقت کسی طرح کاٹے نہیں کھتا مگر یہ قدر پیر کے درد کا قصہ بھی سن لیجئے۔ ایک مرتبہ
 شکار میں ایک خوفناک شیر سے میرے پیڑوں اپنے تیز تیز دانت کھپو دئے تھے۔
 مالانکہ اس کی سن اس شیر کو اسی وقت مل گئی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس شیر کے
 دانتوں میں کسی قسم کا زہر تھا جس کی وجہ سے میرے پیر کا زخم آج تک ٹھیک ہونے کو
 نہیں آیا۔ یہ زخم سال میں ایک مرتبہ انہیں تارخیوں میں درد کرتا ہے جبکہ اس
 نالائق شیر نے میری ٹانگ کو گاجر کی طرح چبا لیا تھا۔ شیر تو میری گولی کا نشانہ ہو کر
 کفر کردار کو پہنچا لیکن مجھے زندگی بھر کے لئے تکلیف میں مبتلا کر گیا۔

۳۔ اس کہانی کے لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ میرا لڑکا جو لندن کے ایک
 ہسپتال میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ رات دن مردہ کی چڑ بھاڑ سے

تنگ آجاتا ہوگا اور شاید وہ میری اس کہانی کی وجہ سے مردوں کی دنیا اور دواؤں کی
لو سے بسی ہوئی فضا سے گھڑی بھر کے لئے چھٹکارا پاسکے۔

۴۴) اور آخری وجہ یہ ہے کہ میں ایک عجیب و غریب اور بھیا نک کہانی لکھنے والا
ہوں اور ان لوگوں کو جو مارے حسد کے میری برائیاں کرتے رہتے ہیں یہ بتانا
مقتدر ہے کہ میں نے یہ دولت جان کو خطرے میں ڈال کر حاصل کی ہے اور اس لئے
قطعی حرام کی گمانی نہیں ہے۔

آپ میری اس بے وجہ بک بک سے تنگ آگئے ہوں گے چنانچہ اب میں اپنی
کہانی شروع کرتا ہوں۔

حالانکہ میں ایک غریب تاجر پیشہ آدمی ہوں لیکن میری رگوں میں شریفی خون
گردشی کر رہا ہے۔ میرے والد اور والدہ شریف اور باعزت خاندان کے فرد
تھے اور مجھے شرافت ورثہ میں ملی ہے۔

میری تجارت کا دار و مدار شکار پر تھا اس لئے کئی ایک جانور اور ساتھ ہی
انسان بھی میری بندوق کی گولی کا نشانہ بنے ہیں۔ لیکن آج تک میں نے کبھی کسی کا
خون بلا وجہ نہیں بہایا اور میں اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ میرے ہاتھ آج تک کسی
بے گناہ کے خون سے آلودہ نہیں ہوئے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مجھے اپنی حفاظت
کے لئے گولی چلانی پڑی ہے اور میری جگہ اگر آپ ہوتے تو یقیناً آپ بھی یہی کرتے۔
خدا نے ہمیں زندگی عطا کی ہے اور اس کی عطا کردہ زندگی کی حفاظت کرنا
ہمارا فرض ہے۔ اور میں نے بھی یہ فرض ادا کیا ہے۔

خیر تو کوئی اٹھارہ مہینے کا عرصہ ہوا میری ملاقات سرمنبری کرٹس اور کپتان
گڈ سے ہوئی اور وہ اس طرح کہ میں دامنگ واٹونامی جگہ پر شکار کے لئے گیا تھا
لیکن پتہ نہیں کون سی ٹھوس ساعت میں نکلا تھا کہ ہر بات الٹی ہو گئی اگر بائیں کے

شکار کے ارادے سے دن بھر بھٹکتا تو شام کو مرغابی کا ندھ سے لٹکانے تکھا ہارا ٹوٹتا اس پر متم یہ ہوا کہ اچانک تیز بخار نے مجھ پر حملہ کر دیا اور میری ہڈی پسی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اب تو میں بہت اکتایا اور جیسے ہی مجھ میں چلنے پھرنے کی طاقت آئی میں نے اپنا تمام تجارتی سامان مع چھکڑے اور سیلوں کے اونٹوں کے پونے داموں فروخت کر دیا اپنے ملازموں کو رخصت کیا اور ڈاک گاڑی پر سوار ہو کر کیپ ٹاؤن کا ٹکٹ کٹایا۔

کیپ ٹاؤن میں ایک ہفتہ تک ہوٹل کے مالک نے مجھے بدھو سمجھ کر مجھ سے ڈکنا کر اور وصول کر لیا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ اگر میں کچھ روز اور یہاں ٹھہرا تو اپنے بدن کے کپڑے کا بیچ کر بھی چھٹکارا نہیں ہو گا اور جیسے بھی کیپ ٹاؤن میں میرے لئے کوئی دلچسپی کے سامان مہیا نہ تھے۔ یہاں کے فرحت بخش باغات اور اونچی اونچی عمارتیں کسی اور کا دل بھالیں مگر مجھے تو جو لطف بندوق کا ندھے سے لٹکانے جنگلوں جنگلوں بھٹکنے میں آتا تھا۔ وہ یہاں کہاں؟

چنانچہ میں نے "ڈرکل" نامی ایک جہاز میں ناٹمال جانے کے لئے ایک جگہ گھنسی کرا لی یہ جہاز کیپ ٹاؤن کے بندرگاہ میں انگلستان سے آنے والے جہاز کے مسافروں کے انتظار میں رکھا ہوا تھا ایک شام انگلستان کا جہاز آگیا اور ناٹمال جانے والے مسافر "ڈرکل" میں آگے اور ہم نے کیپ ٹاؤن کو خیرباد کہا۔

انگلستان سے آنے والے مسافروں میں سے دو شخص خاص طور سے میری توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے ان میں سے ایک جس کی عمر قریباً تیس سال ہوگی معمولی ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ خاصا طویل قد، کثرتی بدن اور سر پر لائے لائے پھورے رنگ کے بال اور اسی رنگ کی گھنی ڈاڑھی، قبول صورت اور بھری ہوئی پیشانی جس کی وجہ سے اس کی آنکھیں حلقوں میں گھسی ہوئی معلوم ہوتی ہیں پہلی نظر میں

یہ شخص مجھے بلند حوصلہ اور بلند نظر معلوم ہوا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس شخص کو دیکھتے ہی ڈینمارک کے ان وحشی قبائل کا خیال آیا جو کہ صدیاں گزریں مٹ چکے۔ یاد نہیں پڑتا کہ کہاں میں نے ان وحشی قبائل کے ایک شخص کی تصویر دیکھی تھی جس میں ایک عظیم الجثہ شخص جس کے بال کمر تک پہنچتے تھے، وہ ایک سینک منٹ سے لگائے کچھ پی رہا تھا۔ اگر اس شخص کے بال چھوڑ دیئے جائیں اور اس کے جسم پر بجائے کپڑوں کے کسی جانور کی کھال لپیٹ دی جائے تو اس شخص میں اور اس تصویر والے شخص میں کوئی خاص فرق نہیں رہ جائے گا۔

اور یہ سن کر آپ کو تعجب ہو گا کہ سر ہنری کرٹس (کیونکہ یہی اس شخص کا نام تھا) کا وطن ڈینمارک تھا۔ ہنری کو دیکھ کر ایک اور شخص کی بھی صورت میری آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ لیکن اس وقت مجھے یاد نہ آیا کہ ہنری کی شکل و صورت کے ایک اور شخص کو میں نے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

دوسرا شخص جو ہنری سے مصروف گفتگو تھا۔ پستہ قد اور گھٹھے ہوئے بدن کا تھا۔ اس کی صورت بڑی ضخیم چیز تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص ضرور کسی زمانہ میں جہاز کا کپتان رہا ہو گا اور اس بار بھی میرا قیاس صحیح ثابت ہوا وہ پستہ قد شخص کپتان ہی تھا اور اس کی عمر اکتیس سال کے قریب تھی۔ مسلسل پندرہ سال تک وہ حکومت کی خدمت بجا لاتا رہا تھا۔ لیکن اب حکومت کو اس کی ضرورت نہیں تھی اس لئے وہ ایک ناکارہ عضو کی طرح کاٹ کر پھینک دیا گیا تھا۔

”میں نے مسافروں کی فہرست سے معلوم کیا کہ اس پستہ قد آدمی کا نام تھا۔ کپتان جان گڈ۔ لفاست پسندی گڈ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بے داغ کپڑے اور بڑی احتیاط سے منڈی ہوئی ڈاڑھی اس کی فاست پسندی کی دلیل تھی۔ اس کی دائیں آنکھ پر ایک چشمی عینک لگی

ہوئی تھی اور بغیر کسی سہارے کے وہ آنکھ پر یوں چپکی ہوئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اس کے چہرے کے ساتھ ہی ساتھ پیدا ہوئی تھی اور قیامت تک وہیں چپکی رہے گی لیکن یہ میرا خیال ہی خیال تھا۔ سوتے وقت گڈ اپنی ایک چشمی آنکھ کو کوٹ کی جیب میں رکھ دیتا تھا اور ہاں اس کے تمام دانت بھی مصنوعی تھے وہ دن بھر تو اس کے منہ میں لگے رہتے اور رات کو ایک خوشی عینک کے ساتھ کوٹ کی جیب میں رکھ دیے جاتے۔

سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی ہوا تیزی سے چلنے لگی جتنے بھی مسافر عرشہ پر کھڑے سمندر کا نظارہ کر رہے تھے۔ گھبرا گھبرا کر اب اپنے کیسوں کی طرف بھاگے۔ جہاز کوہ پیکر سوجوں کے پھیپڑے کھا کھا کر تنکے کی طرح ڈول رہا تھا اور ہر گھڑی یوں معلوم ہوتا کہ اب الطاب الطاب! ایسے میں چلنا پھرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ میں ایک کھمبے کا سہارا لے کر انجن کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہاں کسی قدر گرمی تھی اور ہوا یہاں تک پہنچ نہیں سکتی تھی بس غور سے اس آلے کو دیکھ رہا تھا جو طوفان کی آمد کی خبر دیتا ہے۔

”یہ آلہ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا ہے۔“ کسی نے میرے پیچھے سے کہا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میرے پیچھے کپتان گڈ کھڑا ہوا تھا۔

”اچھا وہ کیسے؟“ میں نے بے توجہی سے پوچھا۔

”وہ ایسے کہ پینڈولم میں وزن کافی نہیں ہے۔ دیکھئے نہ ابھی ہوا کا زور

کس قدر تیز ہے لیکن یہ آلہ بتاتا ہے کہ ہوا موافق ہے اگر یہی حال رہا تو

یقین مانئے جب ہمارا جہاز ڈوبنے کے قریب ہوگا تب بھی ہمیں پتہ نہیں چلے گا

اسی وقت رات کے کھانے کی گھنٹی بجی اور مجھے ایک گونہ سرت ہوئی۔

کیونکہ کپتان کی باتوں نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا اور میں فرار کی راہ تلاش

کر ہی رہا تھا۔ میں اور گڈ ایک ساتھ کھانے کے کمرے میں پہنچے۔ سر ہنری پہلے
 اسی سے کھانے کی میز پر جا ہوا تھا۔ گڈ ہنری کے قریب جا بیٹھا اور میں ان کے
 مقابلے کی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں اور گڈ ٹشکار کے بارے میں باتیں
 کرنے لگے اور پھر ہاتھیوں کے ٹشکار کا ذکر چلی نکلا۔

”واہ میں آپ کے انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ کسی نے گڈ کو میرے مجھے
 سے مخاطب کیا۔ بھلا مسٹر کو اٹرمین کے علاوہ کوئی اور شخص بھی ہاتھیوں کے
 بارے میں اتنا سب جان سکتا ہے۔“

ہنری کرسی جو ڈا مویشی سے ہماری باتیں سن رہا تھا میرا نام سن کر چونکا۔
 ”سوائف کرنا جناب“ ہنری نے میز پر ٹھیکے اترے کہا۔ ”آپ کا نام ڈیٹس
 کو اٹرمین میں تو نہیں ہے؟“

”جی ہاں۔ مجھے ہی ایلن کو اٹرمین کہتے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”خوش قسمتی! ہنری اپنی گھسی ڈاڑھی کے نیچے بڑبڑا کر ڈا مویشی ہو گیا۔
 کھانا ڈا مویشی میں ختم ہوا اور جب میں کھا کر اٹھا تو ہنری نے مجھے اپنے
 کیبن میں چل کر پائپ پیسے کی دعوت دی جسے میں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا۔
 ہنری کرسی کا کیبن تمام جہاز میں شاید سب سے وسیع اور فراخ تھا۔ کیبن
 میں ایک طرف دبیز صوفہ رکھا ہوا تھا۔ بیچ میں ایک خوبصورت سی میز تھی اور
 اس کے ارد گرد کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر نیا نیا روغن کیا ہوا تھا۔ ہنری
 نے اپنے ملازم کو بیکلی لانے کے لئے روانہ کیا اور ہم نے اپنے پائپ جلا لئے۔

”مسٹر کو اٹرمین!“ ہنری نے کہا۔ ”گذشتہ سال انھیں تار سکنوں میں آپ
 کے سوال کے قریب وامننگ والٹو نامی جگہ پر مقیم تھے کیوں ٹھیک ہے نا؟“
 ”جی ہاں آپ بجا فرماتے ہیں۔“ میں نے حیرانی سے کہا اور ہنری مجھے ایک

گنج سلیمان

پراسرار شخص معلوم پڑا۔ جسے میری نقل و حرکت کا پورا علم تھا۔
 ”اور آپ وہاں تجارت کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے کیوں؟“ گڈ نے کہا
 ”جی ہاں۔ میں اسی وقت تک وہاں مقیم رہا جب تک کہ میرا تجارتی مال معہ
 چھپکڑے کے فروخت نہیں ہو گیا۔“

سرمنبری میرے سامنے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور کرسی کے دائیں بائیں
 اسی کے باقہ تناور درخت کے ٹہنوں کی طرح لٹک رہے تھے اس نے غور سے
 مجھے دیکھا اسی کی پریشانی اور تیز نظریں مجھے اپنے جسم پر چھتی محسوس ہوئیں
 اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ وہ میرے باطن کا جائزہ لے رہا ہے۔

”بڑا کوارٹسین“ سرمنبری نے بیقراری کا اظہار کرتے ہوئے اپنی کہنیاں میز پر ٹیک
 دیں ”دانشگ دانش میں آپ کی ملاقات نیول نامی کسی شخص سے ہوئی تھی۔
 ”ٹھہر بیٹے۔ جہاں۔ یہ شخص کچھ دنوں میرا مہمان رہا تھا اور پھر کہیں آگے
 بٹھا گیا تھا۔ اس کی رخصت کے چند مہینوں بعد مجھے ایک وکیل کا خط ملا تھا
 جس میں اس نے نیول کے بارے میں چند سوالات کئے تھے اور میں نے خسی الاکان
 ان کے ٹھیک ٹھیک جواب دیئے تھے۔“

”آپ کا وہ خط مجھے مل گیا تھا۔“ سرمنبری نے گھیر آواز میں کہا ”جہاں تک
 میرا حافظہ کام کرتا ہے آپ نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا کہ نیول سی کی ابتدائی
 تاریخوں میں دانشگ دانش سے رخصت ہوا تھا اور اس کے ساتھ اس وقت ایک
 گاڑی بان اور ”جم“ نامی ایک کافر شکاری بھی گئے تھے۔ آپ نے یہ بھی تحریر کیا
 تھا کہ نیول کا ایک ارادہ انسانی تک جو مٹیالی کا آخری تجارتی مرکز ہے جلنے کا تھا

اور اس مقام سے آگے وہ پیدل سفر کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے ارادے کے برخلاف وہ ایک برتگالی شخص کے ہاتھ اپنا چھکڑا فروخت کر کے شمالی افریقہ کے گھنے جنگلوں کی طرف نکل گیا ہے۔ شاید یہی تھا آپ کے خط کا مضمون۔

”بالکل درست“

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

”سٹر کو اٹر مین“ ہنری نے کچھ دیر بعد کہا: ”آپ کچھ اور جیسا کہ ہے۔ میرا مطلب ہے نیول کے بارے میں جانتے ہیں؟ آپ کو شاید پتہ ہو گا کہ نیول نے اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کیوں شمالی افریقہ کے گھنے جنگلوں کا رخ کیا ہے۔“

”جی ہاں نیول کے بارے میں یوں ہی کچھ اڑتی اڑتی سی باتیں اور سچی سچی باتیں“

میں نے بیزاری سے کہا۔ ان غیر ضروری باتوں سے مجھے اکتاہٹ میں ہورہا تھا۔

”سٹر کو اٹر مین“ ہنری نے پھر کہا: ”میں آپ کو ایک بات یا یوں کہے گا ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں اور اس کے بارے میں آپ کا مشورہ اور اگر ضرورت ہوگی تو امداد کا خواستگار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے مایوس نہ کریں گے جس شخص نے مجھے آپ کا خط پہنچایا تھا اس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ شریف ارباندار مشہور شخص ہیں اور میں آپ کی ہر بات کا اعتبار کروں“ میں نے شکر یہ کے طور پر گردن کو ذرا سا خم کیا۔ اور ہنری کے الفاظ کی وجہ سے اپنے دل میں غور اور تکبر کا سایہ محسوس کے بغیر نہ رہ سکا۔

”کو اٹر مین۔ نیول میرا بھائی ہے“ ہنری نے ایک دم سے کہا۔

”اوہ“ میں چونکا اور اب مجھے پتہ چلا کہ ہنری کی صورت دیکھ کر جس شخص کی مجھے یاد آئی تھی وہ نیول تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہنری کے مقابلے میں پستہ قد تھا اور اس کی ڈاڑھی بھی سیاہ تھی لیکن اس کی آنکھیں اور چہرے

گنج سلیمان

سے گفتگو بالکل ہنری ایسے تھے: "نیول میرا چھوٹا بھائی ہے اور سوائے اس کے میرا اور کوئی بھائی نہیں پانچ سال ہوئے کہ ہم دونوں آپس میں جھگڑا پڑے اور ایسے جھگڑاے تو بہر خاندان میں ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن شاید میں سٹھاپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ بہت ہی سخت اور زاروا سلوک کیا ہے اور اس کیلئے میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کروں گا۔ غصے میں میرے منہ سے ایسے الفاظ نکل گئے جن کو وجہ سے اس کے دل کو زور کا دھکا پہنچا ہوگا۔"

ہنری سانس لینے کیلئے رکا گڈ نے اپنا سر بلایا۔ شاید ان تمام باتوں کا اسے پہلے ہی علم تھا۔ اسی وقت جہاز نے اس زور کا جھکول لایا کہ ہم تینوں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے میں سیدھے بھرے ہوئے ہونے کی طرح دائیں بائیں ہل کر سیدھے ہوئے۔ آپ تو جانتے ہوں گے: "ہنری نے پھر کہا کہ "ہیکے خاندان میں کوئی شخص اپنی جائداد کا نصف کئے بغیر مر جاتا ہے تو اس کا بڑا لڑکا تمام جائداد پر قابض ہو جاتا ہے۔ میرے والد بھی اپنی جائداد کے بارے میں کوئی وصیت کئے بغیر انتقال فرما گئے چنانچہ جائداد پر میں نے قبضہ جمالیا اور میرا بھائی مفلس تلاش رہ گیا۔ مجھے چاہیے تھا کہ اس کی دست گیری کرتا لیکن اس وقت ہم دونوں کے دل ایک دوسرے سے صاف نہیں تھے۔ چنانچہ میں نے اس کے کوئی خبر نہ لی۔ میں اس بات کا منتظر تھا کہ وہ ہمارے سامنے دست سوال دراز کرے اور تب میں اسکی حاجت روائی کروں۔ یہ انتہائی سفلانہ اور شرمناک تھا (یہاں ہنری نے ٹھنڈی سانس بھری) لیکن نیول اس قدر خود دار ہے کہ اس نے میرے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ صاف کرنا کراٹر میں میری باتوں سے آپ کی سمجھ بھراشی ہوتی ہوگی لیکن جب تک میں شروع سے آخر تک تمام واقعات آپ کو سناؤں تو تب تک مقصد براری نہیں ہو سکے گی کیوں گڈ؟"

”یقیناً“ گڈ نے اپنا سر ہلا دیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ مسٹر کواٹر مین یہ بات اپنے ہی تک رکھیں گے۔“

”آپ مطمئن رہیں مرتے دم تک آپ کا راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔ میں نے کہا خیر تو اس وقت میرے بھائی کے نام بینک میں چند پاؤنڈ جمع تھے۔ مجھے خبر کے بغیر اس نے یہ رقم بینک سے نکال لی جیسا کہ مجھے بعد میں پتہ چلا وہ ایک فرضی نام نول اختیار کر کے شمالی افریقہ کی طرف نکل گیا۔ میں نے ہر جگہ اسے خط لکھا لیکن کسی ایک کا جواب بھی موصول نہیں ہوا۔ شاید میرے خط اسے ملے نہیں۔ ذرا کثیر صرف کر کے میں نے لوگوں کو اس کی تلاش میں روانہ کیا لیکن وہ سب ناکام واپس لوٹے۔“ پچھلے تین سال سے مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں اس کی طرف سے بے حد فکر مند ہوں اور اب مجھے پتہ چلا ہے کہ لاکھی مارے پانی جدا نہیں ہوتا۔“

”بالکل درست فرمایا آپ نے“ میں نے اپنے لڑکے ہیری جاکے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔

”اگر کوئی شخص مجھے اپنے بھائی جارج سے ملا دے یا اس کا پتہ ہی بتا دے تو خدا کی قسم میں اپنی نصف جائیداد اس کے نام کرنے کیلئے تیار ہوں۔“

”لیکن اب کون بتا سکتا ہے کہ تمہارا بھائی کہاں ہے کہاں نہیں؟“ گڈ نے کہا۔

”مسٹر کواٹر مین، آپ کے خط سے ابھی کم از کم اتنا تو پتہ چلا ہے کہ جارج ابھی زندہ ہے اور کہیں گیا ہوا ہے۔ چنانچہ اب میں بذرات خود اس کی تلاش میں نکلا ہوں اور کپتان گڈ کے اس احسان کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کروں گا۔

کہ وہ اس میں میرا ساتھ دے رہے ہیں۔“

”خیر تمہارا ساتھ میں بے مقصد بھی نہیں دے رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ملازمت تم کو دینے کے بعد میں بھوکوں تو مر نہیں سکتا تھا۔ تم نے مجھے روزمرہ دینے کا وعدہ کیا

گنج سلیمان

اور میں نے تمہارا ساتھ دینے کا " گڈ نے کہا۔ " ہاں تو مڑ کر اوٹریں
آپ نے نیول کے بارے میں اور کیا سنا ہے۔ "

"خدا کے لئے جلد بتائیے آپ نے جارج کے بارے میں اور کیا سنا ہے؟"
ہنرمی نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میں نے جو کچھ سنا ہے وہ آج تک کسی کو نہیں بتایا۔ صرف آپ کو بتاتا
ہوں۔ آپ کا بھائی، حضرت سلیمان کے خزانہ کی تلاش میں گیا ہے۔"
"حضرت سلیمان کا خزانہ...؟ وہ کہاں ہے؟... دونوں
نے ایک ساتھ کہا۔

"کہاں ہے؟ یہ تو میں بھی نہیں جانتا... لیکن یہ ضرور جانتا ہوں
کہ کہاں بتایا جاتا ہے... ایک مرتبہ میں نے ان پہاڑوں کی
چوٹیوں کو دیکھا تھا۔ جن کی پرلی طرف یہ خزانہ ہے لیکن میرے
اور ان پہاڑوں کے درمیان ایک سو تیس میل کا بے آب و گیاہ
صحرا پھیلا ہوا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص بھی اس صحرا
کو عبور کر کے ان پہاڑوں تک پہنچ سکے... بہتر
ہے کہ میں نے گنج سلیمان کے بارے میں جتنا سن رکھا ہے
وہ تمام کا تمام من دامن آپ کو بھی سنا دوں..."

... لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آپ ان باتوں کا ذکر کسی اور سے نہیں کریں گے۔
 "اس کام آپ کو یقین دلاتے ہیں۔" ہنری نے کہا اور گٹھ نے بھی اپنا سر ہلادیا۔
 "آپ کو پتہ ہوگا" میں نے کہنا شروع کیا کہ ہم تاجر اپنے کام سے کام لے رہے
 ہیں اور کسی اور طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ لیکن کئی لوگ افریقہ میں اس غرض سے
 بھی آتے ہیں کہ اس سرزمین کے پوشیدہ ذہنیوں کا سراغ لگائیں۔۔۔۔۔ رہ یہاں
 کی غیر مہذب اقوام میں مہینوں رہ کر ان سے کچھ معلوم کرتے ہیں اور انہیں معلومات
 کے سہارے ذہنیوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور دھن کے ایسے
 پکے ہوتے ہیں کہ اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے۔۔۔۔۔ خیر تو ایسے ہی ایک شخص
 سے میری ملاقات آج سے تقریباً تین سال پہلے ہوئی تھی۔ اور سب سے پہلے
 اس شخص نے مجھے گنج سلیمان کے بارے میں بتایا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے
 جب میں نوجوان تھا اور نیا نیا شکار کھیلنا سیکھا تھا۔

اس شخص کا نام ایوانس تھا۔۔۔۔۔ بعد میں بیچارے کو ایک جنگلی بھینسے نے زخمی
 کر دیا اور انہیں زخموں کی وجہ سے اس کی جان گئی۔ ایک روز ہم دونوں سمجھے ہوئے
 باتیں کر رہے تھے اور میں اسے بتا رہا تھا کہ افریقہ کے جنگلوں میں میں نے ایسے
 آثار دیکھے ہیں جہاں کسی زمانے میں کافی دولت رہی ہوگی۔ میں نے کہا "یہاں سوال
 کے شمال میں شکار کی تلاش میں ایسے کھنڈرات تک پہنچ گیا تھا جو کسی زمانے میں
 مندر ہوگا اور وہاں ایسے آثار تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں ہونے چاندی
 کی بیشمار سورتیاں اور سونے کے ٹکڑوں کے ڈھیر ہوں گے اور میں نے یہ بھی کہا کہ یہ
 چیزیں موجودہ زمانے میں موجود تھیں کوئی خوش نصیب سیاح اس جگہ جا چڑھا ہوگا
 اور وہ تمام دولت اس کے ہاتھ لگی ہوگی۔ ایوانس بڑی توجہ سے میری باتیں سن رہا
 تھا ایک دم سے چونک کر بولا: "آپ نے کبھی گنج سلیمان کے بارے میں سنا ہے؟"

گنج سلیمان

میں نے نفی میں سر ہلایا تو اس نے کہا: ”مجھے معتبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ اس خزانے کے اردگرد جن لوگوں کی بستی ہے وہ قبیلہ زولو کی ہی ایک شاخ ہے اور ان لوگوں میں کئی ایک شخص ایسے ہیں جو کالے جادو سے واقف ہیں اور یہ علم ان میں سینہ بہ سینہ صدیوں سے چلا آیا ہے۔ اسکو کولبو کے شمال مغرب میں یہ بستی ہے اور میاں یقین مانو کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت سلیمان کا بیشتر خزانہ آج تک محفوظ ہے۔“

”میں ایوانس کی باتوں کو محض خیالی سمجھ کر ہنس دیا۔ کچھ ہی دنوں بعد اسے ایک جنگلی بھینسے نے زخمی کر دیا اور وہ مر گیا اور خزانے کی بات آئی گئی ہو گئی۔“

”ایوانس کی موت کے کوئی بیس سال بعد اور دوستو! ان لوگوں کے لئے جو ہاتھیوں کا شکار کرتے ہیں یہ عرصہ طویل ہے کیونکہ ان کی زندگی ابھی ہے اور ابھی نہیں... ہاں تو ایوانس کی موت کے بیس سال بعد مجھے پھر گنج سلیمان کے بارے میں معلوم ہوا... اس وقت میں اسٹانڈاز کراہ میں مقیم تھا وہاں پانی کی قلت تھی اور آب و ہوا بھی میری طبیعت کے ناموافق تھی۔ چنانچہ میں شدید بخار میں مبتلا ہو گیا اور ناچار کئی روز تک مجھے رکنا پڑا۔“

”اسی جگہ میری ملاقات جوز سلو اسٹانامی ایک پرتگالی شخص سے ہوئی۔ جس کے ساتھ اس کا کافر ملازم بھی تھا... جوز سلو اسٹا بھرے بھرے جسم کا خوبصورت شخص تھا... ہم دونوں سونے سے پہلے کچھ دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے اور مجھے پتہ چلا کہ ہر شریف آدمی کی طرح وہ بھی کچھ زیادہ امیر نہیں تھا۔“

دوسرے روز رخصت ہوتے وقت اس نے مجھے سمجھا: ”عزیز دوست اگر قسمت نے ہمیں پھر ملا دیا تو اس وقت آپ مجھے دنیا کا امیر ترین آدمی پائیں گے اور اس وقت میں آپ کی مہمان نوازی اور خلوص کا معاوضہ چکاؤں گا۔“

”میں ہنس پڑا اور حیرانی سے اسے صبح میں داخل ہوتے دیکھتا رہا... میں واقعی

جیران تھا کہ وہ اس صحرا میں کیا لینے جا رہا ہے۔ آخر میں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ سلو اسٹا کے دماغ میں ضرور کچھ فتور ہو گا۔

ایک ہفتہ بعد جبکہ میرا بخار اتار چکا تھا لیکن کمزوری بدستور محسوس کر رہا تھا شام کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھا سامنے پھیلا ہوا صحرا کے انتہائی سرے پر غروب ہوتے سورج کو دیکھ رہا تھا سورج کسی دیوتا کی خوفناک آنکھ کی طرح ظلم ہو رہا تھا اور دن بھر پھنکتی ہوئی ہو اس وقت بڑی خوشگوار ہو گئی تھی اور میں اپنے دل میں فرحت محسوس کر رہا تھا۔

الفاظ میری نظر سامنے کے ٹیلے پر جا پڑی۔ ٹیلے پر مجھے ایک انسانی سایہ نظر آیا جو ہاتھ اور پاؤں پر چوپایوں کی طرح رہینگ رہا تھا۔ کچھ دور اسی طرح چلنے کے بعد وہ بدقت تمام کھڑا ہوا اور فوراً ہی اوندھے منہ گرا میں نے اپنے ایک ملازم کو اس کی مدد کے لئے روانہ کیا ملازم اسے میرے پاس لے آیا.... آپ کا کیا خیال ہے سرنہری کون ہو گا وہ شخص؟

”یقیناً جوز سلو اسٹا“ سرنہری نے کہا۔

”جی ہاں۔ جوز سلو اسٹا.... یا یوں کہیے کہ اس کا پتھر.... چہرہ بالکل زرد

ہو رہا تھا۔ تندرست و توانا جسم چند ہڈیوں اور ان پر تنی ہوئی کھال کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا۔ آنکھیں مارے تکلیف کے پھیل گئی تھیں۔ بال سفید ہو گئے تھے اور اٹھاروں کی ہڈیاں ناقابل حد تک ابھرائی تھیں۔

”پانی۔ خدا کے لئے.... ایک گھونٹ پانی“ وہ کہہ رہا اور میں نے دیکھا کہ اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے اور زبان سوکھ کر سیاہ ہو گئی تھی.... میں نے پانی میں تھوڑا سا دودھ ملا کر دیا.... جسے وہ دیوانوں کی طرح غٹا غٹا بی گیا پھر اسے تیز بخار نے آلیا اور وہ غشی کی حالت میں.... صحرا.... گنج سلیمان....

گنج سلیمان

۲۰

میرے... جو اہرات... کے بارے میں کچھ بہل باتیں کہنے لگا... میں اسے اٹھا کر اپنے خیمہ میں لے آیا... گیارہ بجے اسے کچھ سکون ہوا اور میں بھی اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

صبح اٹھ کر دیکھا کہ سلوا سٹاہرت سے ان پہاڑوں کو تک رہا تھا جن کے پہلی طرف خزانہ ہے۔ سورج کی نرم گرم کرنیں ریگزار کے ذرے ذرے کو چمکارتی تھیں اور انکی ہلکی ہوا کی وجہ سے صبح میں مدوجز بسا پیدا ہو گیا تھا۔

”وہا ہے۔ وہی ہے۔“ جو زسلوا سٹانے ان پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”لیکن افسوس میں وہاں تک نہ پہنچ سکا اور شاید میرے بعد بھی کوئی شخص وہاں تک نہ پہنچ سکے گا... اس سحرانے میرے عملازم کی جان لی اور اب میں بھی مر رہا ہوں۔“ پھر وہ میری طرف گھوم گیا: ”عزیزہ درست تم یہیں ہونا؟ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے اور میں کچھ دیکھ نہیں سکتا۔“

”میں تمہارے قریب ہوں“ میں نے جواب دیا: ”تم گھڑی بھریٹ جاؤ...“

”آرام... آرام... اب میں قیامت تک آرام ہی کرتا رہوں گا۔ اب زندگی کی امید نہیں تم نے میری بہت خدمت کی ہے... اور اس کے صلے میں تمہیں ایک تحریر دیتا ہوں جس کے سہارے تم گنج سلیمان تک پہنچ سکو گے... میں اسی خزانہ کی تلاش میں چلا تھا لیکن دل کی دل ہی میں رہی... تم ان پہاڑوں تک جانے کی ضرورت کو شش کرنا۔ اگر صحیح سلامت اس صبح کو عبور کر گئے تو تم دنیا کے امیر ترین شخص بن جاؤ گے۔“

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر چمڑے کا ایک ٹوٹکا لایا۔ میں سمجھا کہ اس میں پائپ کی تبا کو ہوگی۔ بٹومے کا منہ باریک تانت سے بندھا ہوا تھا۔

سلوا سٹانے اسے کھولنے کی ناکام کوشش کی۔“

”اسے کھولو“ اس نے بڑھتی ہوئی طرف بڑھا دیا... میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا جس پر کوئی تحریر لکھی ہوئی تھی۔“

سلوا سٹانے مردہ آواز میں کہنا شروع کیا۔ ”میرے دوست... کپڑے پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنے میں کچھ کیسی مشکل تھی۔ یہاں تک کہ میں اس کا مطلب سمجھا ہوں جس شخص کی یہ تحریر ہے اسے مرے ہوئے تین سو سال گزر چکے ہیں اور اس کا نام بھی جوڑی سلوا سٹا تھا۔ تین صدیوں پہلے یہ شخص اس صحرا میں داخل ہوا تھا اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔ اس کا ملازم آقا کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو اس کی تلاش میں نکلا اور اپنے آقا کو مردہ پایا۔ ملازم یہ تحریر لے کر واپس لوٹا اور تب سے یہ کپڑے کا ٹکڑا ہمارے حانڈان میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ کسی نے اسے پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے کی اور اسی کی وجہ سے اپنی جان دے رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ اس تحریر اور اس نقشہ کی مدد سے کوئی اور شخص خزانے کی تلاش میں جائے گا اور کامیاب ہو گا۔ تمہارے احسانات مجھ پر بہت ہیں۔ اس لئے یہ تحریر اور نقشہ میں تمہیں دیتا ہوں تم اسے کسی اور کو نہ دینا تم بذات خود خزانہ کی تلاش میں جانا اور اگر تمہیں خزانہ مل جائے تو میرے حق میں دعا کرنا... اچھا دوست... اوداع۔“

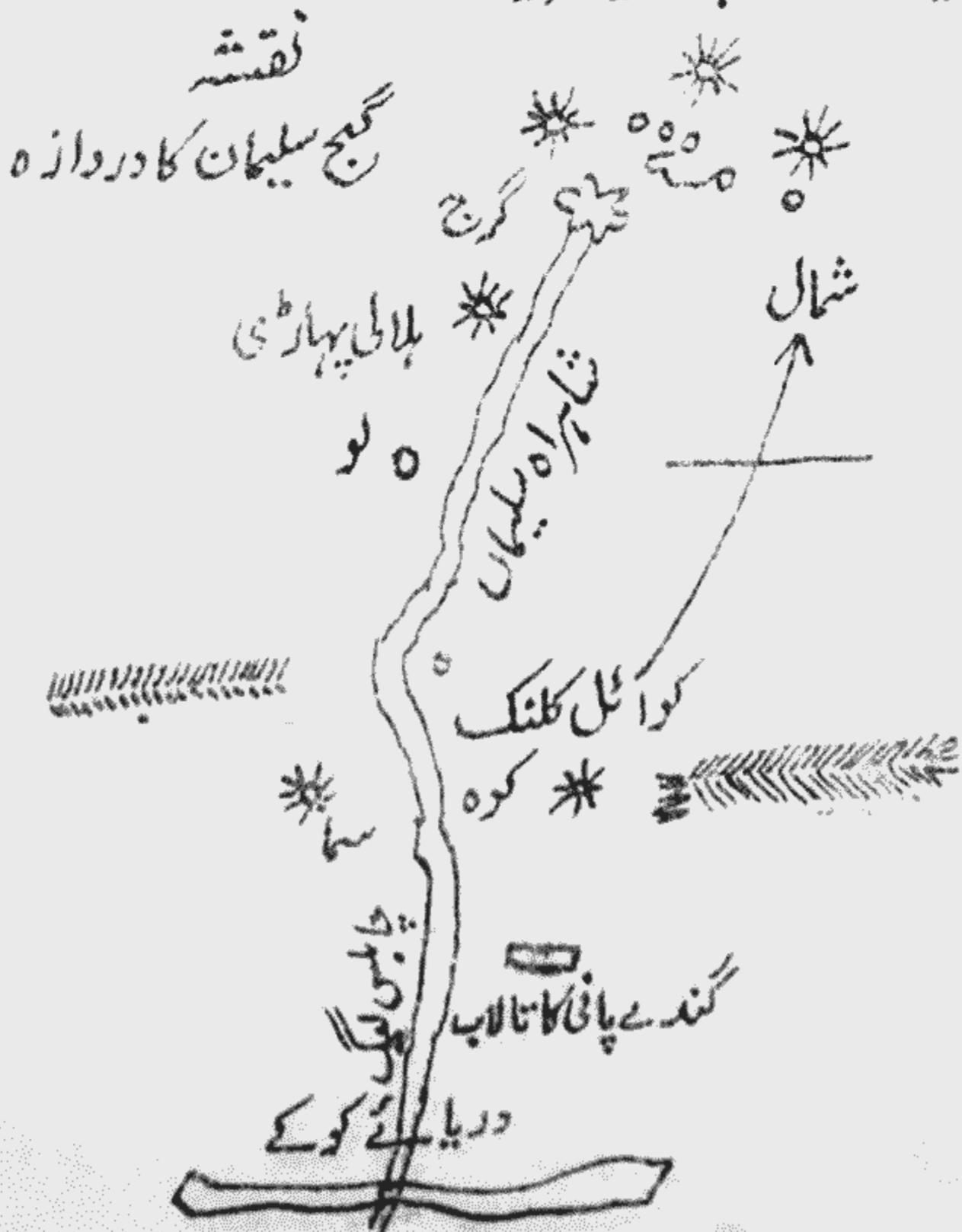
سلوا سٹا کی حالت غیر ہونے لگی اور ایک گھنٹہ میں وہ دنیاوی بکھڑوں سے آزاد ہو گیا۔ خدا اس کی روح پر رحم کرے۔ میں نے ایک گہرا گڈھا کھود کر سلوا سٹا کی لاش کو اس میں لٹا دیا اور اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیئے تاکہ لوٹریاں اس کی لاش نکال کر ادھر ادھر گھسیٹتی نہ پھریں۔

”لیکن اس تحریر کا کیا ہوا؟“ ہنری نے پہلو بدلتے ہوئے دریافت کیا۔

گنج سلیمان

”کیا لکھا ہوا تھا اس میں...“ گڈ نے کہا۔

”میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں.... وہ تحریر میں نے آج تک کسی کو نہیں بتائی سوائے ایک پر تگالی شخص کے جس نے اس تحریر کا انگریزی ترجمہ کر دیا تھا اس وقت وہ شراب کے نشہ میں مدہوش تھا۔ اور دوسرے روز صبح جب اس کا نشہ اترتا تو وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ اصل تحریر تو مرحوم سلو اسٹا کے ترجمہ کے ساتھ میرے مکان پر رکھی ہوئی ہے لیکن اس کا انگریزی ترجمہ اور نقشہ کی ایک کاپی ڈاگڑ سے لفظ لفظ کہا جائے تو اس وقت میرے پاس ہے اور وہ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ دیکھئے نقشہ یہ ہے اور یہ تحریر۔“



تخریر

”میں جڑی سلوا سنا اس وقت ایک غار میں بھوکا اور پیاسا مرد ہا ہوں۔ یہ غار ان پہاڑوں میں ہے جسے میں نے کوہ سبا کا نام دیا ہے۔ یہ تخریر میں سوکھی ہڈی کے ایک ٹکڑے پر اپنے نون سے لکھ رہا ہوں۔ موائے اس کے یہاں نکلنے کا اور کوئی سامان مہیا نہیں۔“

اگر میرا ملازم مجھے تلاش کرتا ہوا یہاں تک آپہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ اس تخریر کو حفاظت سے میرے خاندان کے کسی فرد تک پہنچادے۔
میرا ایک دوست (جس کا نام ایلمبیل ہے) اس تخریر کو لے کر بادشاہ وقت کے حضور میں جائے اور اسے مشورہ دے کہ وہ ایک لشکر جرار لے کر ان پہاڑوں کی طرف کوچ کرے۔ اگر وہ اور اس کا لشکر خیر و خوبی اس قاتل ہمارا کو عبور کر گیا اور کوہ سبا کی پر لٹی طرف جا کر اس نے وہاں بسنے والے لوگوں اور کالا جادو جاننے والے شخصوں کو زیر کر لیا تو وہ حضرت سلیمان کے بعد دنیا کا امیر ترین بادشاہ ہوگا۔

میں نے اپنی آنکھوں سے حقیقہ مکرے میں بے شمار ہیرے جو اہرات دیکھے ہیں لیکن گگول نامی ایک عورت کی وجہ سے جو صحیح معنوں میں چرٹیل اور کالے جادو کی ماہر ہے، میں ایک ہیرا بھی اپنے ساتھ نہ لاسکا اور اس گگول کی کارستانیوں نے مجھے موت سے ہلکا کر دیا۔

جو شخص بھی میرے نقشہ کی مدد سے کوہ سبا تک پہنچ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ بائیں طرف کے پہاڑوں پر چرٹھنا شروع کرے یہاں تک کہ وہ اس کی بلند چوٹی پر پہنچ جائے۔

چوٹی کے شمال میں اسے ایک راستہ نظر آئے گا جو شاہراہ سلیمان کہلاتا ہے۔
 وہ اسی راستہ پر ہو لے۔ یہ راستہ یقیناً دن بعد اسے کو لوآنہ کے دارالسلطنت
 میں پہنچا دے گا۔ یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے وہ گگول کا خاکہ کر دے ورنہ
 اسے بھی میری طرح جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ میرے لئے دعا کرنا۔ الوداع۔
 جوز ڈی سلوا اسٹا۔“

جب یہ تحریر میں پڑھ چکا اور نقشہ کی کاپی بھی دکھا چکا تو کمرے میں گہری خاموشی
 چھا گئی۔ ”میں نے قریب قریب تمام دنیا کا سفر کیا ہے۔“ گڈ نے کچھ دیر بعد کہا۔
 ”لیکن ایسی عجیب و غریب کہانی آج تک میرے سننے میں نہیں آئی۔“
 ”واقعی مسٹر کواٹر مین یہ عجیب کہانی ہے۔“ ہنری نے کہا۔ ”کہیں آپ ہمیں بنا
 تو نہیں رہے ہیں؟“

”اگر آپ ایسا سمجھتے ہی میں تو یہاں آ کر بات ختم ہو جاتی ہے۔“ میں نے کاغذ
 لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔۔۔۔۔ ہنری کی بات حقیقت میں مجھے بری معلوم
 ہوتی تھی۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو جھوٹ بول کر یا خواہ مخواہ
 بڑائی پالتک کر دوسروں پر اپنا رعب جھاتے ہیں۔ میں جانے لے اٹھا تو
 ہنری نے اپنا بھاری بھر کم ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔

”بیٹھ جا یہ مسٹر کواٹر مین۔۔۔ میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔۔۔
 لیکن پھر بھی مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ایسی کہانی پر یقین مشکل ہی سے آتا ہے۔“
 ”خیر جب ہم ڈربن پہنچ جائیں گے اس وقت میں آپ کو اصل تحریر اور
 نقشہ بتاؤں گا۔۔۔ شاید اس وقت آپ کو میری باتوں پر یقین آئے۔“ میں نے
 غصہ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”اور اب آپ اپنے بھائی کے بارے میں بھی سن لیں
 آپ کے بھائی کے ساتھ اجم نامی جو کافر ملازم تھا اسے میں جانتا تھا۔ اس روز

جب مٹا ہوا رخصت ہو رہے تھے۔ اکیلا میرے چھکڑے کے قریب کھڑا ہوا تھا۔
 ”جم“ میں نے دریافت کیا ”کہاں جا رہے ہو تم لوگ... ہاتھیوں کے نکار پر؟“
 ”نہیں صاحب“ اس نے مسکرا کر جواب دیا ”ہم تو اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز
 کی تلاش میں جا رہے ہیں۔“

”اور وہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ سونا؟“
 ”نہیں صاحب۔ سونے سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے وہ۔“
 ”میں نے اس سے کچھ اور پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ میں یہ جاننے کیلئے کمزور
 بے چین تھا کہ وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن اگر میں جم کے پیچھے پڑ جاتا تو وہ
 شاید مجھے کچھ نہ بتاتا۔“

”صاحب“ کچھ دیر بعد جم نے کہا۔
 میں خاموش رہا۔

”صاحب“ اس نے پھر کہا۔
 ”کیا ہے؟“ میں نے بڑھی بے توجہی سے جواب دیا۔
 ”ہم لوگ ہیروں کی تلاش میں جا رہے ہیں۔“
 ”تب تو تم نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔ ہیروں کی کاہنیاں اس طرف کہاں؟“
 ”آپ نے کبھی گنج سلیمان کے بارے میں کچھ سنا ہے۔“
 ”ہیں؟“ میں بھونچکا ہو گیا۔

”جی آپ نے کبھی حضرت سلیمان کے خزانے کے بارے میں سنا ہے۔“

”ہاں بہت سی اڑائی باتیں سنی ہیں۔“

”ہوائی نہیں صاحب یہ ایک حقیقت ہے۔ مدت ہوئی کہ ایک عورت اپنے
 بچے کو لیکر اس جگہ سے جہاں یہ خزانہ ہے۔ ناطال آئی تھی میں نے گنج سلیمان کے بارے

سے تمام باتیں معلوم کر لیں۔ وہ مرگئی بچاری۔“
 تم دونوں کی وجہ سے صحرانی درندوں کا خوب پیٹ بھرے گا۔“ میں نے طنز
 سے کہا۔ وہاں تکا کوئی نہیں پہنچ سکا ہے میرے دوست۔“
 صاحب موت تو ہر ایک کو آتی ہے اور ہر جگہ.... چاہے یہاں آجائے
 ہاں۔“

وہ گھنٹہ بعد نیول کو میں نے رخصت ہوتے دیکھا۔ تم دوڑتا ہوا مجھے
 کہنے آیا۔

صاحب۔ آپ بالکل ٹھیک فرماتے ہیں۔ اس نے کہا۔ مجھے کچھ یوں محسوس
 ہوتا ہے کہ ہم واپس نہ آسکیں گے۔“

کیا تم واقعی خزاہ کی تلاش میں جا رہے ہو یا یہ صرف مذاق ہے۔“

”نہیں صاحب ہم خزاہ کی تلاش میں جا رہے ہیں۔“

”اچھا ایک منٹ ٹھہر جاؤ۔ میں ایک چھٹی تمہارے آؤ کے لئے لکھ دیتا ہوں
 لیکن وعدہ کرو کہ انیائی پہنچنے سے پہلے یہ چھٹی تم مسٹر نیول کو نہیں دو گے۔“
 ”میں وعدہ کرتا ہوں۔“

”چنانچہ میں نے ایک کاغذ پر یہ چند الفاظ لکھ دیے۔ اگر تم صبح کو غبور کر لو تو

کوہ سبکی بائیں جانب جا پڑو۔ اسی جگہ تمہیں ایک راستہ ملے گا بس اسی پر
 پہلو تین روز بعد تم منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔“

یہ کاغذ میں نے جم کو دے کر کہا۔ ”تمہارے آقا کو چاہیے کہ اس پر عمل کرے

لیکن خبردار یہ چھٹی ابھی نیول کو نہ دینا میں نہیں چاہتا کہ وہ پلٹ کر مجھ سے

ایسے سوالات کرے جس کے جواب میں دینا نہیں چاہتا۔ کاغذ لیکر تم مجھ سے

رخصت ہو لو۔ تو سر سہری مار یا اس بس اتنا جانتا ہوں کہ آپ کے بھائی کے بارے

میں.... مجھے خوف ہے سر ہنری آپ کا بھائی.....“

”مرط کو اٹر میں“ ہنری نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا ”میں اپنے بھائی کی تلاش میں گنج سلیمان تک جاؤں گا اور اس وقت تک اسے تلاش کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ مجھے مل نہ جائے یا اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ وہ مر چکا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس سفر میں آپ بھی میرا ساتھ دیں“

”ہیں... میں؟“ میں خوفزدہ ہو گیا میں جانتا تھا کہ گنج سلیمان کی تلاش میں جانا موت کے منہ میں جانا ہے اور میں ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا اور وہ بھی ایسی تکلیف دہ موت... خدا بچائے۔

”جی نہیں معاف کیجئے سر ہنری میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا اور آپ کو بھی یہی مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اپنے ارادے سے باز آجائیں اور پھر میرے ساتھ لڑکے ہنری کو بھی ابھی میری ضرورت ہے“

یہ بے اس فیصلہ سے کپتان گڈ اور سر ہنری بہت مایوس ہو گئے۔
 ”مرط کو اٹر میں“ میں سخت ارادہ کر چکا ہوں کہ گنج سلیمان تک جاؤں گا۔ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس سے باز نہیں رکھ سکتی“ ہنری نے دھڑام سے میز پر گھونسا رسید کیا۔ ”آپ کا معاملہ تو آپ کا ہمارے ساتھ آنا ضروری ہے اور اس کے لئے آپ جتنا معاوضہ چاہیں آپ جانے سے پہلے ہی مجھ سے لیں اگر خدا نخواستہ ہم کہیں مر چکے گئے تو میں آپ کے لڑکے کے لئے یہیں سے انتظام کئے دیتا ہوں اسے سال بہ سال پابندی سے ایک معقول رقم ملتی رہے گی اور اگر خدا نے چاہا اور ہم خزانے تک پہنچ گئے تو اس میں آپ کا اور گڈ کا حصہ ہو گا۔ مجھے دولت کی خواہش نہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے.... آپ شاید میرے ان وعدوں پر یقین نہ کریں اس لئے بہتر ہے کہ آپ اپنی طرف سے

شرائط پیش کریں۔“

”سر مہزی آپ نے واقعی بہت بڑا لالچ دیا ہے... مجھ ایسے شریف تاجر کے منہ میں اتنا بڑا خزانہ حاصل کرنے کے خیال سے ہی پانی بھرا آنا یقینی ہے۔ لیکن یہ ایک بہت ہی خطرناک مہم ہے اور اس لئے مجھے آپ غور کرنے کے لئے منظور اس وقت دیں... ڈربن پہنچنے سے پہلے میں آپ کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کریں گا۔“

”بہت اچھا“ سر مہزی نے کہا۔

میں انہیں شب بخیر کہہ کے اپنے کیمپ پر آ گیا اور تمام رات بھیانک اور مزید ارجحاب دیکھتا رہا۔

اگر ہوا موافق ہو تو کیپ ٹاؤن سے ڈربن صرف تین روز میں جہاز پہنچ جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ راستہ کی کئی ایک بندرگاہوں پر تجارتی مال انتظار میں جہاز کو چوبیس گھنٹہ رکنا پڑتا ہے لیکن اس مرتبہ بندرگاہ پر چھپ چھوٹی غلیظ کشتیاں تجارتی مال سے لدی پھندی تیار کھڑی تھیں جیسے ہمارا جہاز سنگرا انداز ہو اور وہ ہمارے جہاز کی طرف چل پڑیں۔

ناہال پہنچنے تک میں برابر اس بات پر غور کرتا رہا تھا کہ سر مہزی ساتھ جاؤں یا نہیں؟ ہر گھڑی گنج سلیمان حاصل کرنے کا خیال میرے دل میں بلبل مچا دیتا اور میں سوچتا کہ چلا ہی جاؤں... لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے یوں آہٹا کہ میں بھی ڈی سلوا سٹا کی طرح ایک غار میں ترپ ترپ کر جان دے رہا

دکوئی میرا پرسان حال نہیں... پیروں کی چمک دمک ماند پڑ جاتی اور میں سوچتا کہ کھلی آنکھوں اندھے کنوئیں میں گرناسر اسر حماقت ہے۔ بہر حال میں اب تک کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا تھا اور یونہی "جاؤں یا نہ جاؤں" کے درمیان میں لٹک رہا تھا۔

دوسری طرف کپتان گڑ اور سر مہزی دل ہی دل میں گنج سلیمان تک جانے تمام اسکیمیں مکمل کر چکے تھے۔

جنور سہا کی ایک سین شام کو ہمارا اجہاز ناٹال سے روانہ ہوا... ناٹال چھوڑنے کے بعد ہی افریقہ کا سر سبز ساحل شروع ہو جاتا ہے... ناٹال سے جہاز ڈربن تک کنارے کے قریب ہی قریب بڑی سبک رفتاری سے چلتا رہتا ہے۔ آپ عرشے پر کھڑے ہو جائیے تو حدنگاہ تک آپ کو سین پر نیلی نیلی گھاس کا فرش بچھا نظر آئے گا... اور جب یہ قلعہ ختم ہوتا ہے تو سرخ پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے... پہاڑیوں کے کنارے ہری ہری تھارٹیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ ان پہاڑوں کے بیچ میں کانٹوں کی کھیت دور سے نیلی جھیل کے مانند معلوم ہوتے ہیں۔ تیز بارشوں اور ہواؤں پہاڑ پر جگہ جگہ غار بنا دیتے ہیں اور ان کے کناروں پر سمندر کا جھاگ لگتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مہیب دیو کے منہ میں مارے سے کف بھر آیا ہو... پہاڑوں پر سے پانی چھوٹے چھوٹے آبشاروں کی شکل میں مسلسل گرتا رہتا ہے اور نیچے آکر چشمہ یا ندی کی صورت اختیار لیتا ہے... اس نظارے کو دیکھ کر آپ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے انے اپنے نیک بندوں سے جس فردوس کا وعدہ کیا ہے وہ شاید یہاں ہے۔ دن بھر کا تھکا ہارا سورج تجلہ مغرب میں داخل ہوا اور ہمارا جہاز ڈربن کی

بندگاہ کے پلیٹ فارم سے آگے جہاز سے بندوق داغی گئی جس کی وجہ سے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ لندن کی ڈاک آگئی... ہم تینوں یعنی میں گڈ اور ہنری کھانا کھا کر شہ پر آگئے... چاند نے طلوع ہو کر اپنی ٹھنڈی چاندنی سے سمندر اور خشکی کو منور کر رکھا تھا... چاروں طرف رات کا خدائی سکوت طاری تھا اور اس خاموشی کو چیرتی ہوئی فرحت بخش ہوا کے دوش پر سوار ہو کر کسی علاج کے گانے کی آواز ہمیں دور سے آرہی تھی وہ اپنی مادری زبان میں کوئی عشقیہ گیت گارہا تھا... شاید اس کی کشتی میں اس وقت دوہستیاں ہوں گی جن کے دل ایک دوسرے کی محبت سے پر ہوں گے اور وہ چاندنی کی میر کے لئے نکلی ہوں گی۔

”ہاں تو دوسرے گواٹر میں“ آخر کار ہنری نے کہا ”کیا فیصلہ کیا آپ نے؟“
 ”مجھے یقین ہے کہ آپ ہمارا ساتھ دیں گے“ گڈ نے کہا۔

”میں جنگلے کے پاس جا کھڑا ہوا... اب تک میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا تھا۔ میں نے پائپ جلا کر دیا سلائی کی تیلی سمندر میں پھینکی اور اس سے پہلے کہ وہ پانی تک پہنچے میں فیصلہ کر چکا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ جس گتھی کو سلجھانے میں آپ کا دماغ الجھ جاتا ہے وہ وقت آنے پر گھڑی کی ایک ”ٹک“ کے ساتھ سلجھ جاتی ہے۔“

”میں آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا“ میں نے کہا۔ ”اور اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی طرف سے چند شرائط پیش کروں۔“

”ضرور ضرور“ مسرت ہنری کے چہرے سے چھلکی پڑتی تھی۔

”اچھا تو سنئے۔ یہ ہیں میری شرائط.....“

۱۔ آپ کو میرا تمام خرچ برداشت کرنا ہوگا۔

۲۔ راستے میں اگر کوئی قیمتی چیز اتفاقاً مل گئی... مثلاً ہاتھی دانت وغیرہ تو اس میں میں اور گڈ برابر کے شریک ہوں گے۔

۳۔ روانہ ہونے سے پہلے آپ مجھے پانچ سو ڈالر دیں گے اور اس کے صلے میں میں آپ کی ہر طرح مدد کروں گا اور اس وقت تک آپ کا ساتھ دوں گا جب تک کہ آپ اپنی مرضی سے رخصت نہ کر دیں یا پھر موت نہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر دے۔

۴۔ اور اگر اس سفر میں میری جان گئی تو آپ میرے لڑکے کے پیری کو جو لندن کے ایک اسپتال میں ڈاکٹری تعلیم حاصل کر رہا ہے سالانہ دو سو پونڈ مسلسل پانچ سال تک دیتے رہیں گے۔

”بس یہی میری شرائط ہیں“

اور مجھے آپ کی تمام شرائط منظور تھیں۔ ہنری نے کہا: ”لیکن میں آپ کو اس سے بھی زیادہ دوں گا... مسٹر کواٹر مین آپ نے اپنی تمام معلومات کا معاوضہ طلب ہی نہیں کیا۔ جو آپ کو گنج سلیمان کے بارے میں حاصل ہیں“

”اس کے لئے آپ جتنا بھی مناسب سمجھیں دے دیں“ میں نے کہا: ”آپ کے تھے وفوں کے ساتھ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ دونوں حضرات نے مخلصانہ ارادے کیے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے بہترین دوست ثابت ہوں گے“

”اور اب اس سفر کے بارے میں عرض کروں یقین تو نہیں آتا کہ ہم صحیح لامت لوٹیں گے لیکن ہم کسی طرح سے اس خطرناک صحرا کو عبور کر کے گنج سلیمان تک پہنچ بھی گئے تو اس سے اپنے ساتھ یہاں تک لا بھی سکیں گے یا نہیں ایک بہت بڑھا سوال ہے... تین صدیوں پہلے غریب ڈی سلوا سٹاپر کیا

گوری اس سے آپ بخوبی واقف ہیں... اس کے بعد اس کے ہمنام نے اپنی جگہ سے ہاتھ دھوئے اور دو رکعتوں کے بعد سر پہری آپ کے بھائی کا تازہ پتہ پتہ نہیں اس پر اسرار سر زمین میں اس کی حالت کیا ہوئی؟“

... اس نے دونوں کے چہروں سے جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی پہری پر تو میری اس لمبی چوڑی تقریر کا کچھ اثر نہیں ہوا لیکن گڈ کے چہرے کا رنگ فوق ہو گیا۔

کچھ بھی ہو ہمیں قسمت آزمائی کرنی چاہیے... یہاں بیٹھے بیٹھے یہ سوچنا کہ انجام برا ہو گا۔ سراسر حماقت ہے... اس طرح سے تو ہم انجام کے خوف سے ہی قبل از وقت گھل گھل کر مر جائیں گے... آخر تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ سفر کا انجام بڑا شاندار بھی ہو سکتا ہے...“ پہری نے کہا۔ اور گڈ کے چہرے کا ارٹا ہوا رنگ پھر واپس آ گیا۔

سر پہری یہ جان کر کہ شاید آپ کو تعجب ہو گا کہ ایک شکاری ہوتے ہوئے بھی میں حقوڑا سا بزدل ہوں۔ یا پھر کم از کم اس سفر پر جانے کے خیال سے ہی میرا دل لرزتا ہے... تو پھر میں اس سفر میں کیوں آمادہ ہوا ہوں؟... مجھے یقین ہے کہ قسمت کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا اور یہ میرا یقین ہے کہ میری موت کا ایک دن معین ہو چکا ہے۔ اور اسی دن موت آ کے رہے گی اگر میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ میں صحرا میں بھوک اور پیاس سے نظرب نظرب کر مر دوں یا غیر مہذب کافروں کے تیروں سے مارا جاؤں تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اگر میری زندگی کے کچھ دن باقی ہیں تو میں پھر اس پر اسرار سر زمین سے زندہ لوٹ آؤں گا۔“

آپ کے ساتھ آنے کی دوسری وجہ تو یہ ہے کہ میں ایک غریب تاجر ہوں اب تک میں بڑی تنگی ترشی سے گزر کر تار ہا ہوں اور پہری کے لئے کچھ زیادہ دولت نہیں

چھوڑ جاؤں گا اور آپ کے ساتھ جانے میں بے شمار خزانہ حاصل کرنے کی امید تو ہے مگر ہم ہی سہی لیکن پھر بھی امید تو بڑی چیز ہے اور سنہری ہم ہاتھی کے شکار یوں کی عمر اوسطاً چار پانچ ہی سال ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں کوئی حادثہ ہماری زندگیوں کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اس حساب سے دیکھئے تو گویا میں اپنی چارہ پختوں تک جیا ہوں اور اب زندگی کی زیادہ امید بھی نہیں کوئی دن جاتا ہے کہ کوئی مست ہاتھی مجھے اپنے پیروں تلے روند ڈالے گا اور میں اپنے لڑکے کو مفلس و قلاش چھوڑ جاؤں گا... چنانچہ یوں سمجھ لیجئے کہ میں اس خطرناک سفر پر اپنے لئے نہیں اپنے لڑکے سہری کے لئے جا رہا ہوں۔“

”سٹر کو اٹر میں۔ آپ کی اس صاف گوئی سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ سنہری نے کہا: ”اور میری نظروں میں آپ کا رتبہ کافی بلند ہو گیا ہے۔ گنج سلیمان سے کامیاب لوٹیں گے یا نہیں...؟ اس سوال کا جواب ہم میں سے کسی کے پاس نہیں اور اس کے بارے میں سوچنا خواہ مخواہ اپنے آپ کو بیکار اٹھنوں میں مبتلا کرنا ہے... اس وقت تو یہی خیال کیجئے کہ آپ اور کچھ نہیں تو راہ میں شکار وغیرہ سے ہی لطف اٹھائیں گے۔“

”اور سچ تو یہ ہے سٹر کو اٹر میں،“ گڈ نے کہا کہ آپ کی اور میری زندگی تو خطروں کا مقابلہ ہی کرتے گزری ہے... اور اب قدم پیچھے ہٹا کر ہمیں اپنی بزدلی کا ثبوت نہیں دینا چاہیے۔“

سنہری اور گڈ کی باتوں نے میری ڈھارس بندھائی لیکن پھر کھی میں جوڑی سلوا سٹا اور اسی کے ہمنام کے انجام کو نہ بھنسا سکا۔

دوسرے روز ہم نے خشکی پر قدم رکھا اور میں، گڈ اور سر سنہری کو اپنے ذاتی

مکان پر لے آیا... مکان چھوٹا سا تھا اس میں تین کمرے اور ایک مختصر سا باورچی خانہ تھا اور یہ باورچی خانہ اس قدر مختصر تھا کہ ایک شخص اس میں بمشکل سما سکتا۔ مکان کی دیواریں کچی اینٹوں اور چونے کی تختیوں اور پخت میں کی جو گرمیوں میں کافی تکلیف دہ ثابت ہوتی تھی۔“

مکان کے چاروں طرف میں نے ایک چھوٹا سا باغ لگایا تھا اور اس کی دیکھ بھال جیک نامی میرا ایک پرانا شکاری ساتھی کرتا تھا ایک مرتبہ شکار کھیتے ہوئے اس کی ران پر گولی لگی تھی اور تب سے وہ شکار کے قابل نہیں رہا تھا۔ چنانچہ مجبوراً مالی کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ ورنہ آپ جانئے افریقہ کے یہ جنگجو لوگ پتھیلی پر سر لے پھرتے ہیں اور انھیں سکون سے بیٹھنا ذرا بھی پسند نہیں ایک تو مکان میں زیادہ گنجائش نہ تھی دوسرے گرمی کا موسم اس لئے ہیزی اور گدا باغ میں خیمہ لگا کر مقیم ہوئے میری شرائط کے مطابق ہیزی نے میرے لڑکے کے لئے سالانہ رقم کا بندوبست کر دیا اور مجھے بھی پانچ سو ڈالر کا چیک مل گیا تو ہم نے سفر کی تیاری کی۔

سب سے پہلے میں نے ایک سو چھپیس پونڈ ادا کر کے ایک چھکڑا اور دو ہیلی خریدے (یہ رقم بھی ہیزی ہی نے ادا کی) اس چھکڑے کو افریقہ میں ”نیم خیمہ“ کہتے ہیں اور وہ اس لئے کہ چھکڑے کے پچھلے نصف حصے میں خیمے کی طرح کپڑا اتنا ہوا ہوتا ہے دو آدمیوں کے سونے کی جگہ اور بندوبست رکھنے کے خانے ہوتے ہیں... اگلا نصف حصہ سامان بھرنے کے کام آتا ہے یہ بیس بیس فٹ لمبے چھکڑے افریقہ کے جنگلوں کے ناموں اور راستوں پر بڑی سبک رفتاری سے چلائے جاسکتے ہیں۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر میں نے خاص ”زولو“ بلیوں کی دس جوڑیاں خریدیں۔“

یہ بیل عام بیلوں سے قد میں چھوٹے غضب کے پھر تیلے اور مضبوط ہوتے ہیں یہ تمام کے تمام بیل ایسے تھے جنہیں افریقہ میں نمک پلائے ہوئے کہتے ہیں۔۔۔ یہاں ایک بیماری ہوتی ہے جس کا اثر بیلوں کے پھیپھڑوں پر ہوتا ہے اور دو چار روز میں یہ بیمار بیل مر جاتا ہے۔ بیلوں کو اس بیماری سے بچانے کے لئے ترکیب یہ کی جاتی ہے کہ تندہ مت بیلوں کی (جب وہ چھوٹے ہوتے ہیں) ڈم میں کاٹ دی جاتیں ہیں اور اس کی جگہ ایک رسی میں بیماری سے مرے ہوئے بیل کا پھیپھاڑا کاٹ کر لٹکا دیا جاتا ہے۔۔۔ یہ علاج افریقہ کے کافروں کا ایجاد کردہ ہے۔۔۔ اور یقیناً ماننے اس علاج سے بیلوں پر بیماری کا اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے جتنے بیل خریدے سب کے سب لندھورے۔ یعنی "نمک پلائے ہوئے تھے" یہ لندھورے بیل عجیب بے ڈھنگے معلوم ہوتے لیکن دم کو مع بیل کے کھو دینے سے بہتر ہے کہ صرف اس کی دم ہی جاتی رہے اور بیل باقی رہے۔"

اب ایک ضروری سوال آپڑا۔۔۔ یعنی دوائیں لینے کا۔۔۔ میں اور ہنری تو اس بارے میں بالکل ہی کورے تھے۔ لیکن گڈ کو ڈاکٹری کی کچھ شد بدھ تھی۔۔۔ نیم حکیم تو وہ ضرور تھا لیکن خطرہ جان نہیں۔ زمانہ جنگ میں اس نے کئی لوگوں کا کامیاب علاج کیا تھا۔۔۔ اور ہاں اس کے پاس ایک چرمی بیگ بھی تھا جس میں جرّاحی کے اوزار بھرے ہوئے تھے۔ گڈ نے دواؤں کی ایک لمبی چوڑی فہرست بنائی لیکن ہمارے مجبور کہنے پر اس نے اس فہرست کو مختصر کر دیا۔۔۔ اسی فہرست کے مطابق دوائیں خریدی گئیں۔ گڈ کی ڈاکٹری کا کارنامہ ہم نے ڈربن میں دیکھا تھا قارئین کی دلچسپی کے لئے میں یہاں اسے نقل کرتا ہوں۔ ہوائیوں کہ ایک حبشی کا

انگوٹھا سڑ گیا... تکلیف سے چلتا ہوا وہ گڈ کے پاس آیا۔ گڈ نے اس کے تمام جسم کا معائنہ کیا اور انگوٹھے کے بارے میں تشویش ظاہر کی... ہماری طرف داد طلب نظروں سے دیکھا اور بڑی مہارت سے انگوٹھا کاٹ دیا... حبشی نے اپنی زبان میں گڈ کی مہارت کی داد دی... لیکن خدا جانے پھر اس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ جاتے جاتے پلٹا اور گڈ سے کہا کہ اگر وہ انگوٹھا کاٹ سکتا ہے تو نیا بھی لگا سکتا ہے چنانچہ گڈ اب نیا انگوٹھا لگا دے۔ گڈ بہت گھبرایا۔ حبشی کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ بندہ شس سے مس نہ ہوا۔ آخر بڑی مشکلوں سے میں نے اور ہنری نے مل کر جان چھڑائی... تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں گڈ کی معلومات پر بھروسہ کرنا پڑا۔

پتھیاروں میں چند ایک پیرس بندوقوں (جو ہاتھ مارنے کے لئے ہوتی ہیں) تین رائفلز اور ریوالور خریدے... یہ تمام انتظامات مکمل ہو چکے تو اب ملازموں کی باری آئی فیصلہ اس بات پر ہوا کہ ملازم کم از کم پانچ لینے چاہئیں ایک گاڑی بان، ایک راہبر اور تین اور ملازم سامان اٹھانے کے لئے یعنی "بیریر" راہبر اور گاڑی بان تو آسانی سے مل گئے (ان کے نام گوز آہ رٹوم تھے) لیکن تین بیریروں کو تلاش کرنے میں کافی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ظاہر تھا کہ تینوں ملازموں کو ہمارے ساتھ گنج سلیمان تک جانا تھا۔ چنانچہ ان تینوں کو بہادر، نڈرا اور جسم ہونا چاہئے۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد دو ملازم مل گئے۔ ان میں سے ایک کا نام وینٹا ٹنگل اور دوسرے کا کھیوا تھا۔ کھیوا بڑی سلیس انگریزی میں بات چیت کر سکتا تھا اور یہ ہمارے لئے بڑے کام کا شخص تھا۔ ورا نیزہ۔ پینکے میں ماہر مگر شرابی تھا لیکن چونکہ سفر میں

شراب ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اس لئے ہم اس کی عادت کی طرف سے مطمئن تھے... تیسرے ملازم کے لئے ہماری تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ چنانچہ رائے یہ ٹھہری کہ اگر ممکن ہو تو راستہ میں سے تیسرا ملازم لے لیں گے۔ ورنہ دوہی سے کام چل جائے گا۔

جب یہ تمام مراحل طے ہو چکے تو ہم نے روانہ ہونے کا تاریخ مقرر کی۔ بڑی تیز رفتاری سے وقت گزر گیا۔ روانہ ہونے سے ایک روز پہلے کا ذکر ہے کہ ہم تینوں رات کا کھانا کھانے کے بعد باغ میں بیٹھے غپ شب لڑا رہے تھے کہ کھیوانے آکر اطلاع دی کہ ایک کافر ہم سے ملنا چاہتا ہے... ہم نے اسے بلا لیا۔

دوسرے ہی لمحے ہمارے سامنے زولو قوم کا ایک طویل صورت طویل اقامت اور مضبوط جسم والا شخص کھڑا تھا... افریقہ کے اور حبشیوں کے مقابلے میں اس کا رنگ کھلتا ہوا تھا۔ ہونٹ بھی بہت موٹے نہیں تھے اور ناک بھی اس قدر چمپی نہیں تھی کہ نظر ہی نہ آئے... وہ ہمیں سلام کے بغیر بڑی بے پروائی سے ایک طرف جا کے بیٹھ گیا۔

”میں نے کن آنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا... بارعب چہرے سے غور اور تکبر کے آثار ہویدا تھے اور وہ یوں بیٹھا ہوا تھا گویا اس کے سامنے ہماری تو کوئی حیثیت ہی نہیں... مجھے اس کا چہرہ جانا پہچانا سا معلوم ہوا۔“

”کیا نام ہے تمہارا؟“ میں نے دریافت کیا۔
 ”اھو پاپا“ اس کی آواز ایسی تھی جیسے وہ منگے میں منھ ڈالے بول رہا ہے۔

”ابو پاپا“ میرا خیال ہے کہ ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں۔“
 ”آپ کا خیال درست ہے... ہم امانہ لوانہ کے میدان جنگ میں ملے تھے۔“
 یہ ہیناک جنگ زولو قبیلہ اور انگریزوں کے درمیان ہوئی تھی اور میں
 انگریزی فوج کے ساتھ بطور امیر کے تھا... مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ
 ایک روز یہ شخص ابو پاپا میرے پاس آیا تھا اور اس نے مجھے خبردار کیا تھا کہ
 آج رات زولو ہمارے کیمپ پر شب خون مارنے والے ہیں۔ میں نے اسکی
 باتوں کو دھوکا سمجھا اور یہ خیال کر کے کہ اس میں اس کی کوئی چال ہے اسکی
 باتوں پر دھیان نہیں دیا لیکن اسی رات زولوؤں نے ہمارے کیمپ کو
 تباہ و برباد کر دیا۔

”ہاں اب مجھے یاد آیا“ میں نے کہا: ”اچھا ابو پاپا اب یہ بتاؤ کہ تم
 ہمارے پاس کیوں آئے ہو؟“

”میں نے سنا ہے کہ آپ صحرانے کے اس طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“
 ”تم نے ٹھیک ہی سنا ہے۔“

”اور میں نے یہ سنا ہے کہ آپ پہاڑوں کے پرانی طرف بھی جانے
 والے ہیں... میرا مطلب ان پہاڑوں سے جن کے پیچھے جانے کو لوگ
 آباد ہیں اور وہاں کہتے ہیں کہ کچھ دولت دفن ہے۔“

”ہم کہیں بھی جا رہے ہوں اس سے تمہیں کیا واسطہ... کوئی خفیہ
 پولیس کے آدمی ہو تم جو ہم سے پوچھ گچھ کر رہے ہو“ میں نے پریشان
 ہو کر کہا میں حیران تھا کہ اس شخص کو ہمارے ارادوں کا پتہ کیسے چلا حالانکہ
 ہمارے اس سفر کا حال کسی کو معلوم نہ تھا۔

”خفامت ہوئے صاحب میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔“

اس کا حکمانہ لہجہ مجھے بری طرح کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ میں نے غصہ سے کہا: "امبو پاپہلے بات کرنے کی تمیز سیکھو۔ تم گویا ہم پر حکم چلا رہے ہو۔ یہ ہمارا مرضی کی بات ہے تمہیں چاہیے اپنے ساتھ لے جائیں چاہے نہ لے جائیں۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون؟ تمہارا نام کیا ہے؟ کس قبیلہ سے ہو؟ تاکہ ہمیں پتہ تو چلے کہ تم ایسا بد تمیز... آدمی ہمارے ساتھ آنے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟"

"آپ بڑے صحت الفاظ استعمال کر رہے ہیں... خیر سنئے۔ اپنا نام تو میں بتا چکا ہوں... اب یہ سوال کہ میں کون ہوں؟ سو یہ بتانے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ بس یوں سمجھئے کہ ایک غیر مہذب حبشی ہوں... اکیلا ہوں میرا کوئی قبیلہ نہیں... ممکن ہے میرا وطن وہی ہو جہاں آپ جا رہے ہوں... بہادر ہوں میں نے جنگیں لڑی ہیں۔ افریقہ کے گھنے جنگلوں میں آوارہ گردی کی ہے... بچپن سے یہاں ناٹال میں ہوں اس لئے آپ لوگوں کی تہذیب سے بھی کچھ تھوڑا بہت واقف ہوں۔ آپ لوگ شاید دولت کی تلاش میں جا رہے ہیں... لیکن مجھے اس کی کوئی خواہش نہیں... نہ ہی آپ کی طرف سے کوئی کینہ بھرا ہوا ہے... اور کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں آپ؟"

امبو پاپ نے جس طرح سے نڈر ہو کر باتیں کیں اس سے مجھے یہ تو یقین ہو گیا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے... لیکن اس کے لہجے نے مجھے عجیب شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا اور اس کا رعب میرے دل پر طاری ہو گیا تھا... اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میں نے اپنی گفتگو کا انگریزی ترجمہ کر کے ہنری اور گڈ سے مشورہ طلب کیا۔

گنج سلیمان

۴۰

ہنری نے امبوپا کو کھڑے ہونے کے لئے کہا... وہ بڑی بے اعتنائی سے اٹھا اور اپنا کوٹ اتار دیا (میں یہ بتانا بھول گیا کہ وہ ایک پرانا فوجی کوٹ پہنے ہوئے تھا) اس کے جسم پر جا بجا زخموں کے نشان اس کی بہادری کی دلیل تھے۔“

”واہ۔ ہنری اور امبوپا کی جوڑی خوب رہے گی۔ گڈ نے امبوپا کے چھ فٹ تین انچ کے قد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”مسٹر کو اڑھ مین۔ امبوپا سے کہہ دو کہ ہم اسے اپنے ساتھ لے چلیں گے۔“ ہنری نے کہا۔

میں امبوپا کو ساتھ لے جانے میں ہچکچا رہا تھا... لیکن ہنری کے فیصلے کے سامنے سر جھکانا ہی پڑا۔

”بہت بہت شکر یہ صاحب!“ امبوپا نے کہا۔ ”اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس سفر میں آپ کے ملازم کی حیثیت سے چلوں گا اور آپ میرے آقا کی حیثیت سے۔ لیکن اتنا یاد رکھئے کہ اس اوپنچ کے باوجود ہم دونوں انسان ہی ہیں آپ کا رنگ سفید اور میرا سیاہ ہے تو کیا ہوا۔“

امبوپا کی باتوں سے میں چونکا... میں حیران تھا کہ یہ کون ہے جو کسی کی عزت کرنا نہیں جانتا... اس کے بارے میں اُلٹے سیدھے خیالات میرے دماغ میں چکر کاٹنے لگے اور اس کی پراسرار شخصیت ایک ناقابل حل معمہ بن کر رہ گئی۔

جنوری کے آخری ہفتہ میں ہم نے ڈربن کو تیرا باد کہا۔ اور مئی کی آخری تاریخوں میں اسٹانڈازڈ کرا ل پہنچ گئے۔۔۔ ڈربن سے یہاں تک کا سفر ہم کو زیادہ تر پیدل طے کرنا پڑا۔۔۔ راستہ بہت ہی خراب اور خستہ تھا اور جنگل میں ٹیسٹی نامی مکھیوں کے جھنڈ منڈ لار ہے تھے۔ یہ مکھی زہریلی ہوتی ہے اور جس جانور کو ڈنک مارتی ہے فوراً ہی مر جاتا ہے۔“

اسٹانڈازڈ کرا ل سے روانہ ہو کر مڈیا بلی میں قیام کیا۔ یہاں تک آنے میں ہمارے بیس بلیوں میں سے صرف بارہ بچے تھے۔ راستہ میں ایک بیل کو سانپ نے ڈس لیا۔ تین پانی کی قلت کی وجہ سے مر گئے تین اور زہریلی گھاس کھانے کی وجہ سے ڈھیر ہو گئے۔ پانچ اور بیل بھی بیمار ہو گئے تھے۔ لیکن ہم نے بڑی کوششوں سے انھیں بچا لیا۔

مڈیا بلی سے ہمارے خطرناک سفر کی ابتدا ہوتی ہے۔۔۔ آگے گھنے جنگل شروع ہو گئے تھے اور چھکڑے کو ہم آگے نہیں لے جاسکتے تھے۔ چنانچہ گوز اور ٹوم کو ہم نے معہ چھکڑے اور بلیوں کے وہیں چھوڑا اور چھ اور بیریر لے لے کھینچا اور اسٹینگل اور امبو پا ہمارے ساتھ ہی تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت ہمارا یہ چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوا ہے ہر شخص خاموش تھا۔ دلوں پر ہر نامعلوم خوف سا طاری تھا۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہر شخص دل ہی دل میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر رہا تھا۔ میرا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ پیر من من بھر کے ہو گئے تھے اور میں

پلٹ پلٹ کر بڑی حسرت سے ٹیپا بلی کی بستی کو دیکھ رہا تھا کہ شاید اب دوبارہ اس طرف آنا نصیب نہ ہو...

موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے امبو پانے اپنی پاٹ دار آواز میں ایک گیت گانا شروع کیا... اس کی آواز نے خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا... ہم لوگ اپنے اپنے خیالات سے چونکے اور بڑی توجہ سے اس کا گیت سننے لگے... آہستہ آہستہ ہمارے دلوں پر سے خوف و ہراس کے بادل پھٹنے لگے اور جب امبو پانے اپنا گیت ختم کر چکا تو ہماری گنگ زبانیں پھر کھل گئیں اور امبو پانے کے ساتھ کوہم نے نیک شکون سمجھا۔

راستہ میں ایک اور بستی انیا ٹی آتی ہے اور اس کے بعد ہی گھنے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے... پہلے تو چھوٹے چھوٹے درخت اور چھاڑیاں ملتی ہیں لیکن جب جیسے آگے بڑھتے ہیں جنگل گہرا اور تاریک ہوتا جاتا ہے۔ کسی راستے یا پھر کپڑے ڈھکی کا پتہ نہیں چلتا تھا چنانچہ سورج کے طلوع اور غروب سے ہم سورجوں کا پتہ لگاتے چلتے ہیں... لیکن جب ہم آگے بڑھے تو جنگل اور بھی گھنا اور تاریک ہو گیا... درختوں کی ٹہنیاں آپس میں اس قدر ملی ہوئی تھیں... قدم قدم پر سانپ ہمارے پیروں سے ٹکراتے پانی کے ریلے کی طرح ٹکل جاتے... یہاں سموتوں کا پتہ لگانا ناممکن تھا۔ لیکن چونکہ میں اور مجھ سے زیادہ کھیوا، ونڈیا نیگل اور امبو پانے جنگل کی راہوں سے واقف تھے اس لئے ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ناک کی سیر میں بڑھے چلے جا رہے تھے۔ پندرہ روز بعد ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں گھنے درختوں کا سلسلہ تو ختم ہو گیا تھا... بیچ میں ایک سبزہ زار میدان چھٹا ہوا تھا۔ اور اس کے چاروں طرف آپس میں ملی ہوئی ایسی چھاڑیوں کا

سلسلہ تھا کہ اگر لشکر کے لشکر اس کے پیچھے چھپ جائیں تو پتہ نہ چلے۔ ہم بہت تھک گئے تھے اور آگے بڑھنا دو بھر ہو رہا تھا۔ لیکن اس جگہ کھڑا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ایک تو گھنی جھاڑیوں کی وجہ سے درندوں کا خطرہ تھا دوسرے روز بھی ہوئی جھاڑیاں اور اکھڑے ہوئے درخت بہت دیتے تھے کہ پکھلیوں کا غول کہیں آس پاس ہی ہو گا۔ جان بھی کو عزیز ہوتی ہے پتہ نہ تھکن کے باوجود ہم آگے بڑھ گئے۔

شام کے قریب ہم ایک اور سبزہ زار میں پہنچے یہ جگہ قیام کے لئے مناسب تھی۔۔۔۔۔ تمام میدان میں ہری ہری گھاس لہلہا رہی تھی۔۔۔ ایک طرف ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا اور اس ٹیلے کے بائیں طرف شفاف پانی کی ندی بہ رہی تھی اور ندی کے دوسرے کنارے سے حدنگاہ تک کھلا ہوا میدان چلا گیا تھا۔

ٹیلہ کے سامنے ذرا سی دیرستانے کے بعد ہم لوگ ندی میں ہاتھ منہ دھونے کے لئے اترے۔۔۔۔۔ ٹھنڈے اور شفاف پانی کی وجہ سے یوں معلوم ہوا کہ ہماری تھکن جیسے گھل گھل کر پیروں کے ذریعہ ندی کے پانی میں جذب ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ ابھی ہم ہاتھ منہ دھو رہے تھے کہ ایک دم سے جیسے بھونچال آگیا۔۔۔ زمین لرزنے لگی اور میدان میں اگلے پونے غبار نے آنکھوں کے سامنے پردہ ساتان دیا۔ "یہ۔۔۔۔۔ یہ کیا ہوا۔۔۔۔۔ یقیناً یہ غبار ہوا سے نہیں اٹھا ہے" میں نے کہا۔

تمام لوگوں کی نگاہیں غبار پر لگی ہوئی تھیں جو دم بدم قریب آتا جا رہا تھا۔۔۔ اور اس کے پیچھے سے آوازیں آرہی تھیں جیسے بہت سے گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔۔۔ ہم لوگ سکتے کے عالم میں کھڑے غبار کی طرف

دیکھ رہے تھے.... وہ قریب آنے لگا.... قریب اور قریب... ہمارے ہمارے
دامن چاک ہوا.... اور ہمارے حواس باختہ ہو گئے۔

زرافوں کا ایک قافلہ سا کسی چیز سے خوفزدہ ہو کر بے تحاشہ ہماری طرف

بھاگا چلا آ رہا تھا۔
”مر گئے یار... کچھ ہی دیر بعد ہماری کچلی ہوئی لاشیں یہاں پڑی ہونگی
میں بڑے بڑے ایسا۔“

گڈ آگے کھڑا ہوا تھا... اس نے کچھ دیر سوچا۔ اور پھر بندوق
اٹھائی اور دھائیں سے داغ دی سب سے آگے آتا ہوا زرافے تھورا
گر گرا.... دھائیں دھائیں... گڈ نے دو فیر اور کئے... اور زرافوں
کا قافلہ گھبرا کر بائیں طرف مڑ گیا۔

”خدا قسم۔ ایک کو میں نے مارا گرایا۔“ گڈ خوشی سے چلایا۔
”ار... باگوں... باگوں“ کافر چلائے۔ وہ گڈ کو باگوں کہتے تھے
جس کا مطلب ہوتا ہے کارج کی آنکھ والا اور یہ خطاب اس کو ایک حشمتی عینک
کی وجہ سے ملا تھا۔

ٹیلہ کے قدموں میں ہم نے اپنا خیمہ نصب کیا... سورج غروب ہو چکا
تھا اور ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی... ندی کا پانی اس تاریکی میں
ہلکے سے شور کے ساتھ بہ رہا تھا اور موٹی جھاڑیوں میں گھس کر سیٹیاں
بجا رہا تھا... کچھ ہی دیر بعد چاند طلوع ہوا... لیکن چاندنی نے
اس جنگل کی فضا کو اور بھی بھیا نک بنا دیا... دور سے ہوا سے ہلتی ہوئی
جھاڑیاں یوں معلوم ہوتیں جیسے چڑھیلیں اپنے بال بکھرائے رقص کر رہی
ہیں۔ کبھی کبھار کسی درندے کی آواز خاموشی کی چادر میں شکاف ڈالتی

ہم لوگ آگ کے گرد بیٹھے پائپ پی رہے تھے... آگ کی سرخ روشنی
 ری کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ اس روشنی میں یوں معلوم ہو رہا تھا
 بے کوئی الف ایلا کے صفات سے نکل آیا ہے... اس کے قریب بیٹھا
 اگڈ بالکل ہی بونا معلوم ہو رہا تھا... ہم سے کچھ دور ہمارے ملازم بیٹھے
 کو پی رہے تھے اور ان کے سیاہ جسم آگ کی روشنی میں چمک رہے تھے اور
 ب سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا ابو پاپسی خیال میں غرق تھا۔

ایک دم سے بائیں طرف کی چھارے یوں کے پیچھے سے دل ہلا دینے والی
 راج سنائی دی... کافر ملازم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور گڈ کا ہاتھ اپنی
 روق پر جا پڑا۔

”یہ شیر ہے“ میں نے کہا۔ ”لیکن گھبراؤ نہیں۔ وہ ہماری طرف نہیں
 لے گا۔ شاید وہ اپنے کچھارے کو واپس جا رہا ہے۔“
 ابھی ہم شیر کے بارے میں باتیں ہی کر رہے تھے کہ ہاتھیوں کے جنگھاڑ
 جنگل گونج اٹھا... سامنے ندی کے کنارے ہاتھیوں کا غول نظر آیا
 میں چاندنی میں سرکتی ہوئی چٹانوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے... ہاتھی
 منے درختوں کی طرف جا رہے تھے۔
 ”ہاتھی ہاتھی“ ہمارے ملازم چلائے۔

گڈ نے اپنی بندوق بنھالی اور بڑی بہادری سے اٹھا۔ اس کا خیال
 کہ ہاتھی کو مار لینا بھی اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ زراف کو مارنا... میں
 گھبرا کر گڈ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”خدا کے لئے گڈ انہیں ذرا بھی نہ چھیڑنا... وہ جس طرف بھی جاتے
 جانے دو... تمہاری حماقت ہے۔ اگر وہ پلٹ پڑے تو ہماری خیر نہیں۔“

گنج سلیمان

ہاتھی مار لینا بچوں کا کھیل نہیں۔“ اور میں نے جبراً گڈ کو بٹھا دیا۔
 ”معلوم ہوتا ہے یہ تو شکار یوں کے لئے جنت ہے۔“ ہنری نے کہا۔ ”میرا
 خیال ہے کہ ایک دو روز یہاں ٹھہر جائیں۔“

ہنری کی اس بات سے مجھے تعجب ہوا۔۔۔ انہی میں جب اسے پتہ چلا تھا
 کہ انہوں نے نامی ایک انگریز وہاں اپنا چھڈا بیچ کر کہیں آگے چلا گیا ہے تب
 سے وہ ہمیں دم نہیں لینے دیتا تھا۔ ہماری ٹھکنوں کا خیال کئے بغیر بس چلتا ہی رہتا ہے۔
 گڈ خوشی سے اچھل پڑا اسے ہاتھیوں کے شکار کا بہت شوق تھا اور ہنری
 بھی یہی خواہش تھی کہ یہاں ہاتھیوں کا شکار کیا جائے۔۔۔ ہاتھیوں کا ایک
 غزل میرے سامنے سے نکل جائے اور میں ان کا شکار نہ کروں یہ میری عادت کے
 خلاف تھا۔

”اچھا بھئی۔ میرا خیال ہے اب آرام کریں۔“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔
 ”یاد رہے ہمیں علی الصبح اٹھنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صبح تک ہاتھی کہیں دور
 نہیں گئے ہوں گے۔“

ہم خیمہ میں آگے۔ گڈ نے بڑی احتیاط سے اپنی ایک چشمی عینک اور آٹھ
 مصنوعی دافت کوٹ کی جیب میں رکھے بڑی مہارت سے کوٹ لپیٹ کر
 تکیہ کے نیچے دبا دیا۔ بوٹ کو دیر تک صاف کرتا رہا۔۔۔ ایک مرتبہ پھر اپنی
 تمام چیزوں کا جائزہ لیا اور اطمینان سے اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ لیکن پھر
 فوراً بڑبڑا کر اٹھا۔

”یہ۔ یہ کیسی آواز ہے۔“ اس نے کہا۔

ہم غور سے سننے لگے۔۔۔ ندی کی طرف سے چرچر کی آواز آرہی تھی۔
 دوسرے ہی لمحے خوفناک گرج نے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے۔۔۔ یہ

شیر کی آواز تھی اور اس قدر قریب معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہاڑے خیمہ کے دروازے پر کھڑا ہے... گھبرا کر ہم نے اپنی اپنی بندوقیں اٹھائیں اور خیمہ سے باہر آگے۔ ہم سے کچھ ہی فاصلے پر... ندی کے کنارے پر... دو سائے آپس میں گتھم گتھا ہورہے تھے... دفعتاً دونوں سائے زمین پر آ رہے اور ہماری طرف لڑھکتے ہوئے آتے گئے... ہم نے بندوقیں بلند کیں... سائے پھر اٹھے... ایک خوفناک گرج سے جنگل گونج اٹھا۔ پرندے بچھڑا کر اپنے آشیانوں سے اڑے اور غنایں ٹامک ٹوٹے مارنے لگے... سائے پھر آپس میں گتھم گتھم گئے... پھر سایوں نے ٹھوکرسی کھانا اور زمین پر بے حس و حرکت پڑے رہے...

ہم بندوقیں اٹھائے سایوں کو اپنی طرف آنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن جب کافی وقت گزر جانے کے بعد بھی وہ نہ اٹھے تو ہم ڈرتے ڈرتے لرزتے قدموں سے ان کی طرف بڑھے... اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ سگڑا جنگلی بھینسا اور اس کے نوک دار سینگوں کے قریب ایک شیر بڑا ہوا تھا... دونوں مرچکے تھے...

فوراً ہی معاملہ میری سمجھ میں آ گیا... بھینسا ندی پر پانی پی رہا تھا کہ شیر نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا... پھلانگ لگانے میں شیر کچھ آگے بڑھ گیا اور بھینسے کے سینگوں میں الجھ گیا... رہائی کی کوشش میں شیر نے بھینسے کی پیٹھ کے پتھرے اڑا دیئے تھے اور تکلیف سے بے چین ہو کر بھینسے نے شیر کو اپنے سینگوں سے رگید دیا تھا۔

ہم نے اپنے کافر ملازموں کو بھینسے اور شیر کی کھال اتارنے پر مامور کیا اور خیمہ میں آ کر اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو گئے اور صبح تک گہری نیند ہوئے

پو پھٹتے ہی جنگلی پرندوں اور درندوں کی ملی جلی آوازوں سے جنگل گونج اٹھا۔ پٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ بہری اور گڈاب تک غرہٹے لے رہے تھے۔ میں نے خیمہ کے دروازے سے جھانک کر دیکھا... سورج طلوع نہیں ہوا تھا لیکن ہلکا ہلکا اجالا پگھلی ہوئی چاندنی کی طرح چاروں طرف پھیلا ہوا تھا... ندی پر چند غزال کھڑے بڑے اطمینان سے پانی پی رہے تھے اور بچوں ملہم ہوتا تھا جیسے وہیں جم کر رہ گئے ہیں... پرندوں کا ایک جھنڈ کسی طرف سے آ کر ندی پر گول گول چکر کاٹتا ہوا پرواز کرنے لگا... غزالوں نے ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے چونک کر چاروں طرف دیکھا اور پھر ایک طرف چو کرٹیاں بھرتے چل دیئے۔

بہری اور گڈابھی اٹھ گئے۔ منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا۔ تین ایکسپریس بندوبست اور کارٹوس لے کر ایک تھمس میں ٹھنڈی چائے بھری جو شکار کے وقت بجائے پانی کے بڑا کام دیتی ہے... جب یہ تیاریاں مکمل ہو چکیں تو اٹیو پاء، کھیوا اور وینٹا ایگل کو ساتھ لیا اور باقی ملازموں کو ضروری ہدایت دے کر وہیں چھوڑا اور ہاتھیوں کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ ہاتھیوں کو تلاش کرنے میں کچھ زیادہ وقتوں کا سامنا کرنا نہیں پڑتا جس طرف سے بھی یہ جانور جاتا ہے جھاڑیوں کو روندتا اور درختوں کو اکھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اور ہم انہیں نشانات کے سہارے ایک طرف جا رہے تھے۔ وینٹا ایگل نے اندازہ لگایا کہ ہاتھیوں کے اس غول میں (جس کی تلاش میں ہم چلے تھے) بیس سے تیس ہاتھی ہوں گے اور اس میں بعض تو کافی جگادری ہاتھی ہیں۔ اس وقت صبح کے نونج چکے تھے اور افریقہ کی مشہور روایتی گرمی شروع ہو گئی تھی۔

جیسے جیسے ہم لوگ بڑھ رہے ہیں روندی ہوئی جھاڑیوں اور ٹوٹے ہوئے درختوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ہم قد آدم جھاڑیوں کے قریب پہنچ گئے اور جیسے ہی ان جھاڑیوں کو ہٹایا تو ہمیں سامنے ہی ہاتھیوں کا غول کھڑا نظر آیا۔ ونڈیا ٹیگل کے انداز کے مطابق اس غول میں واقعی تیس کے قریب ہاتھی تھے۔۔۔ وہ صبح کے ناشتے سے فارغ ہو کر مزے سے کھڑے اپنے نیکھوں ایسے کان ہلا رہے تھے۔

ہوا کارخ دیکھنے کے لئے میں نے تھوڑی سی سوکھی گھاس لے کر ہوا میں اچھال دی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہوا کارخ ہماری طرف تھا۔ ورنہ اگر ہوا کارخ ہاتھیوں کی طرف ہوتا تو وہ ہماری بو پا لیتے اور دنیا کے آخری سرے تک ہمارا پیچھا نہ چھوڑتے۔۔۔ چنانچہ ہمیں اس طرف سے تو اطمینان ہو گیا کہ ہاتھی ہماری آمد سے بے خبر ہیں۔۔۔

ہم سے تھوڑے ہی فاصلے پر تین جنگادری ہاتھی آپس میں ملے ہوئے یوں۔۔۔ کھڑے تھے گویا ایک دوسرے سے کوئی راز کی بات کہہ رہے ہوں۔
 ”دیکھو یاد۔ یہ بیچ میں جو موٹا سا ہاتھی کھڑا ہے یہ میرا شکار ہے۔“
 میں نے ہنسی کے کان میں کہا۔۔۔ ہنسی نے بائیں طرف کا ہاتھی پسند کیا اور گڈ کے حصہ میں دائیں طرف کا ہاتھی آیا۔

”ہوشیار“ میں نے کہا۔ اور ہم تینوں کی بندوق کی نالیاں اپنے اپنے ہاتھی کی طرف تھیں۔۔۔ ”ہاں۔۔۔ نشانہ ذرا ٹھیک لگانا۔۔۔ اگر ہم میں سے کسی ایک کا بھی نشانہ چوک گیا تو پھر کسی جگہ پناہ نہیں ملے گی۔ اتنا یاد رکھو۔“
 ”تم اطمینان رکھو یاد میرا نشانہ کبھی غلط نہیں کرتا۔“ گڈ نے کہا۔
 ”اچھا تو پھر تیار۔۔۔ ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔“

گنج سلیمان

۵.

ایک ساتھ تین بندرتیں گر جیں... بسر ہنری کا ہاتھی نو فناک چنگھاڑ کے ساتھ بڑی ہی چٹان کی طرح زمین پر لڑھک گیا... میرا ہاتھی اپنے اگلے پیروں پر بیٹھ گیا۔ میں سمجھا کہ وہ مر رہا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اٹھا... اور اب ایک جھرجھری لے کر سوٹا اٹھائے میری طرف لپکا... اس پہاڑ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے... میں حیران تھا کہ آج میرا نشانہ خطا کیوں کر گیا... ہاتھی چنگھاڑتا بالکل میرے قریب آ گیا... اور اگر میں اچھل کر ایک طرف نہ ہو گیا ہوتا تو میری ہڈیاں سر نہ ہو کر رہ جاتیں... ہاتھی اپنی رو میں آگے بڑھ گیا اور میں نے دھائیں سے اپنی بندوق داغ دی گولی اس کی پسلیوں میں پیوست ہو گئی۔ وہ تورا کر گرا اور... لائیں چلانے لگا میں نے ایک بار پھر بندوق چلائی ایک اور گولی اس کی کھوپڑی میں پیوست ہو گئی اور یہ گولی اس کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی... اب تجھے اس بات کی فکر نہ ہوئی کہ گڈ کے ہاتھی کا کیا بنا... جسے میں نے چنگھاڑتے ہوئے تو ضرور سنا تھا... میں وہاں پہنچا تو گڈ کو انتہائی پریشانی کے عالم میں پایا۔ اس سے پتہ چلا کہ ہاتھی زخمی ہو کر اندھا دھند ہمارے کیمپ کی طرف بھاگا چلا گیا ہے۔

اس عرصے میں باقی ہاتھی خطرے کو محسوس کرتے ہوئے مخالف سمت بھاگے جا رہے تھے... اس وقت ہم عجیب چہ کنم کی حالت کھڑے ہوئے تھے اور کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زخمی ہاتھی کا تعاقب کیا جائے یا اس غول کا پیچھا کیا جائے... گڈ کا خیال تھا کہ زخمی ہاتھی کا تعاقب کیا جائے لیکن میں نے کہا کہ اتنے بہت سے ہاتھیوں کو چھوڑ کر ایک ہاتھی کی تلاش میں جانا حماقت ہے۔ کافی رزوکد کے بعد تمام لوگ میری رائے سے متفق ہوئے اور ہم غول کی تلاش میں چل پڑے...

ایک تو زخمی ہاتھی کی فکر تھی دوسرے سخت گرمی نے پریشان کر رکھا تھا۔
 پسینے میں شرابور ہو رہے تھے... اور ہمارے کپڑے پسینہ کی وجہ سے جسم سے
 چپک گئے تھے چہرے گرد میں اٹے ہوئے تھے اور مارے پیاس کے بار بار حلق
 میں کانٹے پڑے جا رہے تھے... تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ مفور ہاتھیوں
 کا غول نظر آیا اور وہ تمام کے تمام اپنی سونڈیں بلند کئے ہماری بوسونگھ رے
 تھے ہم سے کوئی پچاس گز کے فاصلہ پر ایک اور موٹا ہاتھی اپنا سونڈ بلند کئے
 کھڑا تھا ہم جہاں تھے وہیں کھڑے ہو گئے۔

”ہنری! اس مرتبہ ہم تینوں اسی ایک ہاتھی کو نشانہ بنائیں...“ میں نے
 کہا: ”اگر ہم آگے بڑھے اور اس نے ہمیں دیکھ لیا یا ہماری بوسونگھ لی تو پورا
 غول ہمارے پیچھے ہو لے گا... معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہاتھی اس غول کا سردار
 ہے۔“ چنانچہ تین بندوقوں کی نالیاں اسی ایک ہاتھی کی طرف تھیں ہم تھنوں
 نے بڑی ہوشیاری سے شست لی اور... اور... تین گولیاں سنسناتی ہوئی
 اس ایک ہاتھی پر چلیں... اور چشم زون میں وہ ہاتھی ڈھیر تھا... ہاتھیوں
 کا پورا غول چوکننا ہو کر پیچھے کی طرف بھاگا تھوڑی ہی دور پر ایک گہرا مگر
 خشک نالہ تھا... پورا غول اس نالے میں جا اترتا ہم دوڑ کر نالے کے
 کنارے پر پہنچے اور اندھا دھند گولیاں چلانے لگے... پانچ اور ہاتھی
 ڈھیر ہو گئے...“

ہاتھیوں کی چنگھاڑ سے تمام فضا گونج اٹھی اور وہ ریلے پیلے نالے کے
 دوسرے کنارے پر جا چڑھے اور بے تماشہ بھاگنے لگے ان کا پیچھا کرنے کا
 اب ہم میں سکت نہیں تھی... اور ویسے بھی ایک ہی دن میں آٹھ ہاتھی مار
 لینا کچھ معمولی بات نہ تھی... وہیں ایک دزمت کی چھاؤں میں ہم سستانے کیلئے

بیٹھ گئے۔

کھیوا، دن بیا سیکل مردہ ہاتھیوں کے دل نکالنے لگے۔ کچھ سستانے کے بعد ہم واپس لوٹے کہ اپنے کافر ملازموں کو ہاتھی دانت نکالنے کے لئے اس طرف بھیج دیں۔ ہم اس جگہ پہنچے جہاں گڈ نے ہاتھی کوزخمی کیا تھا تو انیسٹلوپ کا ایک گروہ دوڑتا ہوا ہمارے قریب سے گزرا اور جھاڑیوں کے جھنڈ میں گھس کر چہرے لگا۔۔۔ گڈ نے انیسٹلوپ کو قریب سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ وہ بندوق مجھے تھما کر اور کھیوا کو اپنے ساتھ لے کر جھاڑیوں کی طرف چل دیا۔۔۔ ہم ایک پتھر پر سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔

سرخ گیند ایسا سورج جھاڑیوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا سنہری دھوپ سمٹ کر درختوں کی پوٹھیوں پر پہنچ گئی تھی اور دن بھر چلتی ہوئی جھلسا دینے والی ہوا اس رقت بڑی خشک ہو گئی تھی اور ہم سب اس نظارے کی تعریف کر رہے تھے کہ دفعتاً ہاتھی کی چنگھاڑ سنائی دی۔۔۔ ہم نے گھبرا کر دیکھا۔۔۔ جھاڑیوں کے پیچھے سے ایک ہاتھی اپنی سوٹڈ اٹھائے ہماری طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔۔۔ دوسرے لمحے ہماری نگاہیں گڈ اور کھیوا پر پڑیں جو اس خوفناک ہاتھی کے آگے پوری قوت سے بھاگ رہے تھے۔ یہ وہی ہاتھی تھا جو گڈ کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔

۱۔ ہاتھی کا دل افریقہ کے غیر مہذب لوگوں کا من بھاتا کھانا ہوتا ہے۔
 ۲۔ جنگلی بکرا۔۔۔ یہ عام بکروں کے قدر سے بڑا اور خوبصورت ہوتا ہے۔۔۔۔۔
 اس کے سینک بڑے نوکدار اور لمبے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اپنے سینگوں کی مدد سے شیر کو مار ڈالتا ہے۔
 (منظر الحی علوی)

میں اور ہنری ہڑ بڑا کر اٹھے... گولی چلانا بیکار تھا... کیونکہ گولی ہاتھی تک پہنچ نہ سکتی تھی۔ دوسرے اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ کہیں گولی گڈ یا کھیوا کے نہ جا سکے جو ہماری طرف بھاگے آرہے تھے... میں اور ہنری مایوسی سے ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھ کر رہ گئے... گڈ اپنی عادت کے مطابق اس وقت بھی تیلون پیئے ہوئے تھا... اندھا دھند بھاگنے میں گڈ کا تیلون پیر میں الجھا گیا اور وہ اپنے آپ کو سنبھالنے میں اس کا دوسرا پیر سوکھی گھا س پر سے پھسلا اور وہ ہم سے کوئی ساٹھ گز کی دوری پر زخمی ہاتھی کے بالکل سامنے اونڈھے منہ گر گیا... میں اور ہنری خوف سے چلاتے ہوئے گڈ کی طرف لپکے... ہمیں یقین تھا کہ بس دو تین ہی سکند کی بات ہے اور گڈ کی ہڈی پسلی کا چوزا ہو جائے گا۔ کھیوا جو گڈ کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ اپنے آقا کو گرتے دیکھ کر پلٹا اور اپنا نیزہ پوری قوت سے ہاتھی کی طرف پھینکا جو اس کی دونوں آنکھوں کی بیچ میں بیوست ہو گیا۔ ایک چیخ کے ساتھ ہاتھی نے کھیوا کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر بلند کیا اور زمین پر دے پٹھا... اپنا بھاری پیر غریب کھیوا پر رکھا اور سونڈ اس کے پیروں میں لپیٹ کر ایک جھٹکے کے ساتھ کھیوا کو دوڑ کر رکھ دیا۔ ہمارے منہ سے مارے ہمیت کے چیخیں نکل گئیں۔ بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور گڈ جہاں تھا وہیں سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا... اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے میں نے اور ہنری نے کئی گولیاں چلا دیں اور کھیوا کا قاتل مقتول ہر گزروں پر بے جان ہو کر گرا... گڈ اٹھا اور اس نے بڑی شفقت سے اپنی جان بچانے والے بہادر کے بے جان سر پر ہاتھ پھیرا... ایسے حادثات میں تو کئی ایک دیکھ چکا تھا لیکن اس مرتبہ میری بھی آنکھیں ڈبڈبائیں... ہم لوگ ایک سناٹے میں خاموش سر جھکائے کھڑے تھے۔ اور ابو پامردہ ہاتھی

اور کھیوا کے ٹکڑوں کے قریب سر جھکا ئے اور باتھا تھا تمہاری روح کو چین نصیب ہو۔ میرے عزیز نے کہا: "امیر پانے کہا۔" صاحب کھیوا امر گیا لیکن اس نے بہادر شخص کی طرح جان دی۔"

آٹھ ہفتیوں کے ہاتھی دانت جمع کرنے میں ہمیں دو روز لگ گئے... ہاتھی دانت اور چمڑے کو ہم نے کیمپ کے قریب ہی دفن کر دیا تاکہ لوٹتے وقت (اس کی امید کم ہی تھی) یہ ہمارے لئے نشان راہ ثابت ہوں۔ کھیوا کے ٹکڑوں کو بھی وہیں ٹیلہ کے دامن میں اس کے نیرے کے ساتھ دفن کر دیا تاکہ وہ اپنا آخری سفر بھی اس نیرے کے سہارے بہادری سے طے کر سکے۔ تیسرے روز ہم چل پڑے۔ اس امید کے ساتھ کہ لوٹ کر ہمیں اپنا دفن کیا ہوا ہاتھی دانت نکالنا نصیب ہو گا ایک طویل اور اکتا دینے والے سفر کے بعد آخر کار ہم لوگ اسٹاڈ از کرا ل پہنچ گئے... اور یہی وہ مقام تھا جہاں سے ہمارے انتہائی بھیانک سفر کی ابتدا ہوئی... یہ لستی دریا کے لوکانگا کے کنارے آباد تھی۔ بائیں ہاتھ کی طرف یہاں کے باسیوں کی جھونپڑیاں اور کھیت تھی۔ اور ان کے پیچھے قد آدم گھاس کا سمندر سا لہریں لے رہا تھا اور یہ گھاس کئی ایک خونخوار درندوں کا مسکن بنی ہوئی تھی... سامنے وہ ٹیلہ تھا جس پر میں نے بیس سال پہلے سلوا سٹا کو رکھتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے پیچھے حدنگاہ تک ہے آب و گیاہ صحرا پھیلتا چلا گیا تھا اور یہی وہ صحرا تھا جس میں میں داخل ہونا تھا اور کوئی نہیں جانتا کہ ہمارا انجام کیا ہو گا۔"

جب ہم نغمہ لگا چکے تھے تو میں نے گڈ کو ضروری انتظام کے لئے کیمپ میں چھوڑا اور مہتری کو لے کر ٹیلہ پر چڑھ گیا... حدنگاہ تک کف دست رگیزہ اڑھیلتا چلا گیا تھا اور اس کے انتہائی سرے پر غروب ہوتا ہوا سرخ سورج اس ماحول میں غصیلے دیوتا کی آنکھ معلوم ہو رہا تھا۔ ہوا بالکل صاف اور خوشگوار تھی اور ہم سے دور... بہت دور... پہاڑوں کی لکیریں سی نظر آ رہی تھیں۔

”وہ دیکھو مہتری!“ میں نے پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”انہیں پہاڑوں کے پیچھے خزانہ ہے... لیکن خدا جانے ہم وہاں تک پہنچ بھی پائیں گے یا نہیں۔“

”میرا بھائی وہیں ہو گا... او خدا... جیسے بھی ہو گا میں وہاں تک پہنچوں گا۔“

مہتری نے بڑی مستحکم آواز میں کہا۔

”خدا کرے کہ تمہارا بھائی وہیں ہو۔“ میں نے کہا اور کیمپ جانے کے لئے پلٹا اور اس وقت مجھے پتہ چلا کہ ان پہاڑوں کو ہم دو ہی نہیں ایک تیسرا شخص بھی بڑے غور سے دیکھ رہا تھا... یہ امبو پاتا تھا جو خدا جانے کب سے ہمارے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔

”اچھا تو آپ کا ارادہ ان پہاڑوں تک جانے کا ہے۔ کیوں انکو بو۔ امبو پاتا نے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا (انکو بو کے لفظی معنی ہاتھی کے ہیں اور یہ خطاب کا فر ملازموں نے مہتری کو دے رکھا تھا میرا خطاب میگو مینن تھا جس کا مطلب بہادر اور شہکاری ہوتا ہے)

مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ عجیب و غریب شخص اپنی تیز تیز آنکھوں سے ہمارے پہروں کا جائزہ لیتا ہے اور جانے کس طرح ہمارے ارادوں کو بھانپ لیتا ہے اور میں اپنے دل میں بے چینی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا!

”امبو پاتا“ میں نے سختی سے کہا۔ ”تمہیں اپنے آقا کی شان میں ایسے گستاخانہ

اور ناشائستہ الفاظ نہیں کہنے چاہئے۔ تم ہماری غیر موجودگی میں جو چاہو کہہ لو۔
لیکن ہمارے ہی منہ پر۔ یعنی کہ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ تم ایسا کم
حیثیت آدمی... اور وہ بھی ہمارا ملازم... یہیں انکو تلو اور میکومیزن کے
ناموں سے یاد کرے۔“

امبوپا کے ہونٹوں پر وہ طنزیں مسکراہٹ ناپ گئی جس کی وجہ سے میں
سینکڑوں مرتبہ غصہ سے لال پھلا ہوجکا تھا۔

”یہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں اپنے آقا سے کم رتبہ یا سچ ہوں؟“ امبوپا
نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ”انکو با کے بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
شاہی خاندان کے فرد ہیں... اسی طرح سے میں بھی ایک شہزادہ ہوں۔ زمانہ
کی تیرنگیموں کی وجہ سے اس وقت آپ کا ملازم ہوں تو کیا ہوا... میری
رگوں میں بھی شریف خون گردش کر رہا ہے... ہاں ہم دونوں کے رنگت
میں فرق ہے جو محض ظاہری ہے... میکومیزن آپ میری باتوں کا ترجمہ اپنے
ساتھی کو اپنی زبان میں سناتے جائیں میں آپ لوگوں سے کچھ گفتگو کرتا ہوں۔“
امبوپا کی باتوں نے مجھے بالکل ہی چراغ پا کر دیا... لیکن میں یہ جاننا چاہتا
تھا کہ وہ ہم سے کیا کہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں نے غصے کو دباتے ہوئے ہنری
کو تمام بات بتا دی۔

”تمہارا خیال ٹھیک ہے امبوپا۔“ ہنری نے خلاف توقع بڑے سکون سے

جواب دیا۔ ”ہمارا ارادہ انہیں پہاڑوں تک جانے کا ہے...“

اب یوں سمجھئے کہ ہنری اور امبوپا کے درمیان جتنی بھی گفتگو ہوئی میں

اس کا ترجمہ کرتا رہا۔

”یہ صحرا“ امبوپا نے کہا۔ جو آپ کی نظروں کے سامنے پھیلا ہوا ہے کوئی

نہیں جانتا کہاں ختم ہوتا ہے۔ اس صحرا میں کسی جگہ پانی نہیں... اور وہ پہاڑ جنہیں آپ یہاں سے دیکھ رہے ہیں ان کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی ہیں اور ان کے پیچھے جانے کوں سے تو نچوڑا لوگ بستے ہیں... پہلے تو آپ اس صحرا اور پھر پہاڑوں کو عبور کر کے ان لوگوں تک پہنچ ہی نہیں سکتے اور اگر فرض کر لیا کہ پہنچ گئے تو کوئی نہیں جانتا کہ آپ کا سٹر کیا ہوگا کچھ میں نہیں آ رہا کہ کون سے خزانے وہاں دفن ہیں جن کے لئے آپ اپنا جانوں کا سودا کر رہے ہیں۔“

اس سے کہو کو اٹریسٹین“ ہنری نے کہا کہ ”میرا خیال ہے میرا تھوڑا بھادو پہاڑوں کے پیچھے اس انجانی سرزمین میں پہنچ گیا ہے اور اب میں اسے لینے جا رہا ہوں۔“

”آپ کی یہ بات بالکل سچ ہے“ اٹیو پانے سر ہلا کر کہا۔ راستے میں مجھے ایک شخص نے بتایا تھا کہ ایک سفید نام شخص اپنے ملازم کے ساتھ دو سال ہوئے اس صحرا میں گھسٹا تھا اور آج تک لوٹ کر نہیں آیا۔ اور تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ جو شخص اس طرف گیا تھا وہ میرا بھائی تھا؟“ جب میں نے اس شخص سے سفید نام شخص کا حلیہ دریافت کیا تو اس نے آپ ہی کا حلیہ بیان کیا۔ سوائے اس کے کہ اس نے اس شخص کی داڑھی سیاہ بتائی اور آپ کی بھوری ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ سفید نام شخص کے نوکر کا نام جم تھا۔“

”ہنری یہ اسیو پابا لکل سچ کہہ رہا ہے... جم کو میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ میرا بھائی اسی طرف گیا ہے... میں اس کی عادتوں سے

واقف ہوں اگر وہ کسی چیز کو حاصل کر لینے کا ارادہ کر لیتا ہے تو صبح اور سمندر
اسی کے ارادوں کے سامنے حائل نہیں ہو سکتے... اگر آپ کے کہنے کے مطابق
اس نے گنج سلیمان تک پہنچنے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر وہ پہاڑ اس کے سامنے
کچھ عیشیت نہیں رکھتے۔“

لیکن بڑا طولی اور غلط ناک سفر ہے انکو بوجہ امبوپانے کہا
”تم ٹھیک کہتے ہو امبوپانے پھر مانے کہا۔“ لیکن انسان کے مستحکم ارادوں
کے سامنے پتھر بھی سونم ہو جاتے ہیں۔ ایسا کون سا پہاڑ ہے جس پر انسان چڑھ
نہیں سکتا... ایسا کون سا صحرا ہے جسے وہ عبور نہیں کر سکتا اور ایسا کون سا
سمندر ہے جس کی گہرائیوں کی انسان خبر نہیں لایا۔ صرف ہمت اور پختہ ارادے
کی ضرورت ہے۔ پھر قدرت بھی انسان کے بلند ارادوں سے ہار مان لیتی ہے
”اے عظیم ہستی یہ عظیم الفاظ آپ ہی کے منہ سے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔“
امبوپانے کہا۔ ”جو شخص موت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو اسے دنیا کی کوئی
طاقت شکست نہیں دے سکتی... اور زندگی ہے کیا... ہا ایک ہلکا پھلکا
سا پر جسے ہوا ادھر ادھر اڑائے پھرتی ہے اور پھر کسی انجانی جگہ میں لے جا کر
پٹخ آتی ہے... یا پھر زندگی ایک بیج ہے جو روئے زمین پھلتا پھولتا
رہتا ہے کبھی کبھار زمین میں جذب ہو کر منت نئی شکلوں میں جلوہ گر ہوتا اور
کبھی ٹوٹ پھوٹ کر فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ ہر جاندار کے لئے موت یقیناً
ہے اور اسی طرح میرے لئے بھی... اور اس سے خوف کھانا ہی تو فانی ہے جب
موت آئے گی تو اسے کوئی روک نہیں سکے گا... میں بھی آپ کے ساتھ چلوں
جو انگو بوجہ اور پھر خدا جانے اس کے دل میں کیا آئی وہ یوں فلسفہ بگھار
لگا۔ اے میرے مفید قام آقا۔ آپ ستاروں اور دنیا کے راز جانتے ہیں...“

بتائیے تو زندگی کیا ہے... روح کیا ہے...؟ کہاں سے آتی ہے اور کہاں جاتی ہے؟ میں جانتا ہوں میرے ان سوالات کا جواب آپ کے پاس نہیں۔ اچھا سنو میں بتاتا ہوں... ہم اندھیرے سے آئے ہیں اور اندھیرے میں واپس لوٹ جائیں گے... ایک ایسے پرندے کی مانند جو باد و باران کے طوفان سے گھبرا کر اپنے گھونسلے سے اڑتا ہے اور انجانی فضاؤں میں پرواز کرتا ہوا کسی اور تاریک مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

”تم عجیب و غریب آدمی ہو امبوپا!“ ہنری نے کہا۔

”امبوپا ہنسا۔ ہم دونوں کی قسمتیں ایک سی ہیں لیکن ہے مجھے بھی ان پہاڑوں کے پیچھے اپنا ایک بھائی مل جائے۔“

”ہیں... کیا مطلب؟ امبوپا یقیناً تم اس جگہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہو۔“ میں نے حیرانی سے کہا۔

”ہاں۔ یوں ہی کچھ معمولی سی باتیں جانتا ہوں... ان پہاڑوں کے پیچھے

ایک عجیب و غریب اور پراسرار سرزمین ہے... ایسی سرزمین جو تخیلی افسانوں اور ناولوں میں پائی جاتی ہے۔ وہاں ایسے لوگ ہیں جو کالاجاد جانتے ہیں... وہ بہادر ہیں اور اس قدر طاقتور ہیں اگر پہاڑ پر ضرب لگائیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے... وہاں کے چپے چپے پر ہریالی کافر شہ بچھا ہوا ہے۔

ندیاں اور جھیلیں اس سرزمین کو سیراب کرتی ہیں۔ وہاں کے پہاڑوں کی چوٹیاں برف پوش ہوتی ہیں لیکن یہ تمام باتیں ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں ہم میں جو شخص بھی وہاں تک پہنچ جائے گا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔“

میں نے پھر پریشانی سے امبوپا کی طرف دیکھا... یقیناً اسے پراسرار سرزمین کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا لیکن وہ ہم پر اس سرزمین کے راز ہانے مہربان

ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔“

”آپ کو مجھ سے خوف نہیں کرنا چاہئے میکومیزن“ ابو پانے کہا۔ ”میرے آپ لوگوں کے لئے کوئی جال نہیں بچھا رہا ہوں۔۔۔ یا آپ کے قتل کی سازش نہیں کر رہا ہوں۔ اگر قسمت نے یاوری کی اور ہم ان پہاڑوں کو عبور کر گئے تب میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں کیا جانتا ہوں اور میں کون ہوں۔۔۔ لیکر اتنا یاد رکھئے کہ ان پہاڑوں کے پیچھے موت اپنا منہ کھولے ہم لوگوں کا انتظام کر رہی ہے۔۔۔ بہتری اسی میں ہے کہ آپ یہیں سے لوٹ جائیں۔۔۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ آگے آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں“ اور وہ پلٹ کر عید کی طرف چل دیا۔

”یہ ابو پانے بھی بے حد پر امرار ہے۔“ ہنری بڑبڑایا۔

”بے حد“ میں نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے ہنری کہ ابو پانے گنج سلیمان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے لیکن میں بتانا نہیں چاہتا۔۔۔ اس کا وجود ایک پہیلی بن کر رہ گیا ہے۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے اور اس کے دل میں کیا کچھ اچھے یا برے ارادے کر رہی ہیں۔۔۔ ہمیں اس سے چوکنار ہونا چاہئے۔“

دوسرے روز ہم نے سفر کا سامان باندھنا شروع کیا۔۔۔ یہاں تک جس قدر سامان لائے تھے وہ تمام کا تمام لے کر صحرا میں سفر کرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ صلاح یہ ٹھہری کہ چند ضرورت کی چیزیں ساتھ لی جائیں اور یہ بقیہ سامان یہاں کسی کی حفاظت میں دے دیا جائے۔ چنانچہ ایک بوڑھے کافر کو جس کا چھوڑنا قریب ہی تھا ہم نے اپنا سامان سونپ دیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ بوڑھے

اٹی ہوئی نظروں سے بند وقوں کو دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ بند وقوں کو اس کی
ت برد سے بچانے کے لئے میں نے ایک چال چلی۔ تمام بند وقوں میں ایک ایک
رتوس بھر کر گھوڑے چڑھا دیئے اور بوڑھے سے کہا اگر اس نے ہماری کسی
کو چھوا تو بندوق خود بخود چل جائے گی۔ اس نے تجربے کے طور پر ایک بندوق
چھوا اور جیسا کہ مجھے یقین تھا وہ چل گئی۔۔۔ اس واقعہ سے بوڑھا اس قدر
نزدہ ہوا کہ اس نے قسمیں کھا کر۔۔۔ ہمیں یقین دلایا کہ وہ ہماری ایک
کو بھی نہیں چھوئے گا۔

اس طرف سے مطمئن ہو کر ہم نے الگ الگ پانچ تھیلیوں میں ضرورت کا
مان رکھ دیا۔۔۔ ان پانچوں تھیلیوں میں ایک ایک تھیلا ہم میں سے ہر ایک
اورینٹائٹل، امبوپا، گڈ، ہنری اور میرے لئے تھا۔۔۔ ہم نے اشد ضروری
میں می لی تھیں لیکن پھر بھی ہر تھیلے کا وزن چالیس سیر کے قریب ہو گیا تھا
وہ ضروری سامان یہ تھا۔

تین ایکسپریس بندوقیں، دو رائفلیں، امبوپا اور اورینٹائٹل کے لئے
اسٹول اور کارتوس کی چھ پیٹیاں۔ اس کے علاوہ پانچ پانچ پانی کی بوتلیں
اکمبل۔۔۔ چکیس سیر کے قریب سکھایا ہوا گوشت۔ چند روایتیں جس میں
اونس کونین بھی شامل تھی۔ چند جراحی کے اوزار۔ اس کے علاوہ چند
ٹیپیزیں مثلاً شکاری چاقو اور یا سلائی کی ڈبیاں، برانڈی کی ایک بوتلی،
قطب نما، تمباکو اور کچھ چیزیں۔۔۔ کپڑے ہم نے نہ لئے۔۔۔ بس کپڑے
تھے جو ہم پہنے ہوئے تھے۔

ایک ایسے سفر کے لئے جس کی منزل کا پتہ نہ ہو یہ سامان بہت ہی مختصر
لیکن مجبوری تھی۔ اس سے زیادہ سامان لے کر جلتے ہوئے صحرا میں سفر کرنا

ناممکن تھا طرح طرح کی لالچ دے کر بڑی مشکلوں سے میں نے تین حبشیوں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ پہلی منزل تک... جو یہاں سے قریباً بیس میل تھی۔ ہمارے ساتھ پانی کے مشکیزہ لے لے کر چلیں اور یہ اس لئے کہ کم از کم پہلی منزل تک تو پانی کی قلت محسوس نہ ہو... میں نے ان حبشیوں سے کہا کہ ہم لوگ صحرا میں شتر مرغ کے شکار پر جا رہے ہیں تو وہ کندھے جھٹک کر بولے کہ ہم احمق ہیں جو اس صحرا میں بھوک اور پیاس سے مرنے کے لئے جا رہے ہیں... وہ تینوں صحرا میں قدم رکھتے گھبرا رہے تھے۔ لیکن جب میں نے انہیں شکاری چا تو دیئے... جو یہاں ایک بلشیش بہادرت سنبھلی جاتی ہے۔ تو وہ تینوں پہلی منزل تک چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔

یہ تو قارئین جانتے ہوں گے کہ صحرا میں رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم تمام دن آرام کرتے رہے... رات کو ہم نے گوشت بھون کر کھایا اور گڈ نے بڑی حسرت سے کہا کہ شاید یہی پھر ہمیں تازہ گوشت کھانے کو ملے... کھانے کے بعد ہم نے اپنی تمام چیزوں کا جائزہ لیا اور چاند کے انتظار میں گھڑی بھر کے لئے لیٹ گئے... آخر نو بجے چاند اپنی تمام رعنائی کے ساتھ طلوع ہوا اور اس نے صحرا اور جنگل کو گھلی ہوئی انتہائی دل فریب چاندنی میں نہلا دیا..."

ہم نے اٹھ کر اپنا اپنا تھیلا سنبھالا اور چلنے کے لئے تیار ہو گئے... دل بڑی طرح سے دھڑک رہے تھے... پیشانی پر پسینہ کے چھوٹے چھوٹے قطرے جھلک آئے تھے۔ اور دماغ پر کئی اید ایلے سیدھے خیالات دھند کی طرح منڈلا رہے تھے... ہم سے چند قدم آگے امیر پاکندھ سے بندوق لٹکائے اور ہاتھ میں نیزہ لئے حکم کا منتظر کھڑا تھا اور ہمارے پیچھے

و غٹیا میگل اور تینوں حبشی پانی کے مشکیزے لے کر خاموش کھڑے تھے۔
 ”دوستوں“ سرہنری نے گونجدار آواز میں کہا ”ہم لوگ ایک ایسی جگہ
 جا رہے ہیں جس کے بارے میں ہم کچھ بھی نہیں جانتے اور پتہ نہیں ہمارا انجام
 کیا ہو.... اس لئے بہتر ہے کہ چلنے سے پہلے ہم اپنے خالق کے سامنے جس کی
 رحمتوں کا شمار نہیں جھک کر گناہوں سے توبہ کریں۔ وہ غفور الرحیم اور عالم
 الغیب ہے اور ہماری جانوں کا محافظ ہے“

سرہنری گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ ہم نے بھی اس کی تقلید کی..... اور
 شاید یہ پہلا موقع تھا کہ ہم نے خلوص دل سے اپنے گناہوں کی توبہ کی۔
 ”اور اب چلو“ ہنری نے کہا۔

اور ہم چل دیئے.....

سامنے نظر آتے ہوئے پہاڑوں اور مرحوم سلوا سٹاک کے بنائے ہوئے نقشہ
 کے سوائے اور کوئی رہبر ہمارے ساتھ نہیں تھا... سلوا سٹاک کے بنائے ہوئے
 نقشہ کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ وہ کس حد تک صحیح تھا۔ آج سے
 تین صدیوں پہلے اس نقشہ کو ایک ایسے شخص نے بنایا تھا جو مر رہا تھا اور مرتے
 وقت انسان اپنے حواس میں نہیں رہتا... اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ڈی
 سلوا سٹاک کے حواس اس وقت پورے طور پر سجا ہوں گے تو اس کی کیا ضمانت
 کہ ان تین صدیوں میں اس راستہ میں تبدیلیاں نہ ہوتی ہوں گی اور اگر
 اس گندے پانی کے تالاب کا جسے نقشہ میں صحرا کے بیچوں بیچ اور ہمارے روانہ
 ہونے کے مقام سے ساٹھ میل کی دوری بتایا گیا ہے۔ پتہ نہ چلا تو پیاس کی وجہ
 سے ہمارا ہلاک ہونا یقینی امر تھا... اور میرے خیال میں اس ریگزار میں پانی
 کا ملنا غیر ممکن تھا اور اگر ڈی سلوا سٹاک کے زمانے کے بعد اس تالاب کو پر کر دیا گیا۔

گنج سلیمان

۶۴

ہو اور جب ہم وہاں پہنچیں تو اس کا نام و نشان تک بھی نہ ہو... اور اگر ایسا ہوا... تو... تو... اور اس "تو" کے جواب میں تفنیل نے ایسی بھیانک تصویر پیش کی کہ میں اندر ہی اندر لرز گیا... لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا... اسی نقشہ سے ہماری تمام ترامیدیں اور کامیابیاں وابستہ تھیں اور اس خیال سے دل کو ایک گونہ اطمینان حاصل ہوتا تھا کہ ہمارے پاس وہ چیز ہے جو ہم سے آگے جانے والوں کے پاس نہ تھی۔

ہم خاموشی سے چلتے رہے۔

ہمارے پیر ریت میں ٹخنوں ٹخنوں تک دھنس جاتے اور سحرانی چھارٹیوں میں کپڑے الجھ جاتے گویا وہ ہمیں آگے بڑھنے سے منع کر رہی تھیں... میرے اور گڈ کے جوتوں میں ریت اس قدر بھر جاتی کہ ہمیں ہر آدھ میل کے بعد رک کر جوتوں میں سے ریت خالی کرنی پڑتی۔

ہم سب اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ رات سہانی تھی لیکن اس سحر کی پرہول خاموشی ہمیں کاٹنے کو دوڑتی تیز ہوا کانوں کو قریب سسکتی اور ریت کے ذروں کو اپنے دامن میں لے آگے بڑھ جاتی... چاروں طرف سے گہرا سکوت طاری تھا... اس سکوت کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو اس فانی دنیا سے الگ تھلگ پارہے تھے... اور اس خاموشی میں ہم ایک دوسرے کی تیز تیز سانسوں کی آوازیں صاف سنتے رہے اور کچھ قولوں شوس ہوتا تھا کہ یہ خاموشی کچھ یا گل کر دے گی۔

خاموشی سے اکتا کر گڈ سیٹی بجانے لگا لیکن کچھ ہی دیر بعد اس کی سیٹی کن سرخ ہو گئی اور اس نے تھر تھر کر گڈ کے ہونٹوں میں دم توڑ دیا... اور وہی خاموشی طاری ہو گئی جو رفتہ رفتہ میرے اعصاب پر سوار ہونے لگی تھی۔

گنج سلیمان

اور پھر ایک حادثہ ہوا جس نے گھڑی بھر کے لئے ہمیں گھبرا دیا لیکن بعد میں ہم اس پر بے توجہ بنے اور اس طرح ہمارا اضطراب دور ہوا ہوا یوں کہ گڈ سب سے آگے چل رہا تھا یا یوں کہتے ہیں کہ ہماری راہ پری کر رہا تھا... اور ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے چلے جا رہے... دفعتاً گڈ کے منہ سے حیرت اور خوف کی چیخ نکلی... وہ جیسے ہوا میں بلند ہوا اور ہماری نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا... دوسرے ہی لمحے ہمارے چاروں طرف سے عجیب عجیب آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی کراہ رہا ہو یا خراٹے لے رہا ہو اور پھر ایک دم سے بھاگتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی بلکی بلکی چاندنی میں کچھ عجیب الخلفت شکلیں جن کا نصف حصہ سیاہ اور نصف سفید تھا۔ حرکت کرتی نظر آئیں... کافر ملازموں نے شکرے پھینک دیئے اور لڑتے ہوئے ریت پر اوندھے منہ گر کر چلانے لگے۔ یہ ارواح خبیثہ ہیں... ارواح خبیثہ ہیں... میں اور ہنری حیران تھے کہ یہ کیا بلا ہے۔ اور گڈ کہاں گیا...؟ ابھی ہم کسی نتیجے پر پہنچے بھی نہیں تھے کہ سامنے گڈ کا سایہ نظر آیا جو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر سوار ہے اور وہ گھوڑا یا جو کچھ بھی وہ تھا گڈ کو اٹھائے اٹھائے گول گول چکر کاٹ رہا تھا اور گڈ چلانے جا رہا تھا۔ چلانے جلنے کی وجہ سے یا جانے کیا ہوا کہ گڈ ڈگمگا کر ایک طرف جھکا... اور اس کے گرنے کا دھماکا سنائی دیا اور ایک گھوڑا دولتیاں جھاڑتا ہوا ایک طرف چل دیا۔

اور اب معاملہ میری سمجھ میں آیا۔ ہوا یوں کہ ٹھنڈی ریت پر چند زیرے طہیان سے سوئے ہوئے تھے... بے خیالی میں ہم ان پر جا پڑے۔ گڈ چونکہ سب سے آگے تھا اس لئے اس نے ایک زبرہ سے مٹھر کر کھائی اور دوسرے کی پیٹھ پر جا گرا۔ زبرہ اس ناگہانی آفت سے گھبرا کر مع گڈ بھاگ کھڑا ہوا۔

گنج سلیمان

جب گڈ زمین پر گرا تو میں یہ دیکھنے کے لئے بڑھا کہ کہیں اسے چوٹ تو نہیں آئی.... وہ سہما ہوا ریت پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اور اس بھاگ دوڑ کے باوجود یک ششی عینک بدستور اس کی آنکھ سے چپکی ہوئی تھی۔ شکر ہے کہ اسے چوٹ نہیں آئی۔

”یہ کیا ہوا تھا ایسا... خدا معلوم کیا بلا تھی جو مجھے لے بھاگی... تو بہ تو بہ... زندگی تھی جو پتہ نہ گیا۔“ گڈ نے مجھے دیکھ کر کہا۔ اور میں اپنی منسی نہ روک سکا۔ اس حادثہ کی وجہ سے ہمارے دلوں پر چھائے ہوئے نا معلوم خوف کے بادل چھٹ گئے اور ہم آپس میں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے... رات کے ایک بجے ہم دم لینے کے لئے رکے۔ چند گھونٹ پانی پیا... اور آدھ گھنٹہ سنانے کے بعد پھر چل پڑے۔

ہم چلتے رہے... چلتے ہی رہے....

یہاں تک کہ مشرق کی طرف کا آسمان شرمیلی دلہن کے رخساروں کی مانند سرخ ہو گیا اور آہستہ آہستہ رنگیزار پر اجالا پھیلنے لگا... لرزتے ہوئے تارے ماند پڑنے لگے... صحرا کے انتہائی مشرق میں سورج نے اپنا سر اٹھایا اور تارے بالکل ہی بے نور ہو گئے اور چاند کسی یرقان زدہ مریض کی طرح زرد ہو گیا سورج اور ابھرا... اور صحرا میں خوبصورت صبح مکر اٹھی... سورج کی کرنوں نے سامنے نظر آتی ہوئی پہاڑیوں اور رنگیزار ذروں کو چمکا دیا... اور اس طرح صحرا میں ہمارا پہلا دن شروع ہوا۔

ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی ہمیں کسی پناہ گاہ کی تلاش تھی... اگر دو گھنٹے اور گزر گئے تو تیز دھوپ اور تپتا ہوا صحرا ہمیں بھون کر رکھ دے گا۔ مسلسل ڈیرہ گھنٹہ چلنے کے بعد ہمیں دور پر کچھ پٹانیں نظر آئیں... بخلستان کو

گنج سلیمان

۶۷

دیکھ کر جس طرح سے اونٹ تیز تیز دوڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح ہم ان چٹانوں کی طرف بھاگے۔

ایک بڑی سی چٹان گھونگٹ کی طرح ایک غار پر جھکی ہوئی تھی اور اس غار میں ٹھنڈی ٹھنڈی ریت کا فرش بچھا ہوا تھا.... یہ غار شام تک ہمیں سورج کی تیز کرنوں اور بادِ کموم سے بچا سکتا تھا.... یہ تھوٹا سا غار اس وقت ہمارے لئے ایک عالی شان محل اور اس میں کچی ہوئی ریت دبیز قالینوں سے بڑھ کر تھی.... ایک ایک کر کے ہم غار میں رینگ گئے.... اندر پہنچ کر تھوڑا سا گوشت کھایا پانی پیا اور پیر پیر کر گہری نیند سو گئے....

قریباً تین بجے ہماری آنکھ کھلی.... وہ کافر ملازم جو پانی کے مشکیزے لے پہلی منزل تک ہمارے ساتھ آئے تھے واپس لوٹنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اب اگر تمام دنیا کی دولت انہیں دے دی جاتی تب بھی وہ اس جگہ سے اور آگے نہ بڑھتے۔ پناہچیم نے اپنی اپنی بوتلوں سے سیر ہو کر پانی پیا اور بوتلوں کو ان مشکیزوں میں سے پُر کر لیا جو یہاں تک یہ ملازم لائے تھے.... کافر ملازم مشکیزے کا ندھے سے لٹکائے ہم سے رخصت ہوئے اور ہم انہیں رگزار کے بے پناہ سمندر میں غائب ہوتے دیکھتے رہے۔

ساڑھے چار بجے ہم بھی روانہ ہوئے....

سورج ڈھل گیا تھا لیکن پھر بھی اس کی کرنوں میں غضب کی کاٹ تھی۔ دن بھر بھٹی کی طرح تپتے ہوئے صحرا پر آنجرات منڈلا رہے تھے.... دور دور تک کسی سبزہ زار اور جاندار کا پتہ نہیں تھا.... کہیں کہیں کچھ شتر مرغ نظر آجاتے جو دور ہی سے ہمیں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے.... ہاں میں بھولا۔ ایک اور جاندار چیز اس صحرا میں تھی.... میرا مطلب مکھی سے ہے.... جی ہاں

گنج سلیمان

وہی معصومی مکھی جو ہمارے آپ کے گھروں میں پائی جاتی ہے... آپ دنیا کے کسی کرنے میں نکل جائے یہ مکھی آپ کو ملے گی... اور اس صحرائیں بھی ان مکھیوں کے جھنڈ کے جھنڈ منڈ لار ہے تھے... آپ یقین نہیں کریں گے لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ صدیوں پرانے ایک مقبرے میں (جو نہ جانے کب سے زمین میں دفن تھا اور حال ہی میں کھود کر برآمد کیا گیا یہ مکھی پائی گئی ہے۔ پتہ نہیں کس طرح سے یہ زیر زمین مقبرے میں پہنچ گئی اور جب امرافیل صحرایہ پہنچیں گے اور دنیا تھن تھن ہو جائے گی شاید اس وقت بھی یہ مکھی ٹوٹی پھوٹی دنیا پر بھنڈاتی رہے گی۔ صحرائیں رات کی تاریکی پھیلی تو ہم چاند کے انتظار میں رک گئے... اور جب چاند نے آسمان پر سفر طے کرنا شروع کیا تو اس کی روشنی میں ہم سفر پر چل پڑے صحرائی یہ ایک عجیب خاموش اور بیتناک دنیا تھی جس میں ہم اپنے آپ کو پارہے تھے... رات کے دو بجے ایک مرتبہ گھڑی بھر سستانے کے بعد صبح تک مسلسل چلتے رہے... اور جب تارے ڈوبنے لگے تو ہم اس قدر تھک چکے تھے کہ ہم نے اپنے آپ کو بے جان پوٹ کی طرح ریت پر ڈال دیا... اور خراٹے لینے لگے... یہاں ضرورت نہیں تھی کہ کسی کے ہاتھ میں بندوق دے کر رکھوالی کے لئے بٹھائیں۔ ہمارے صرف تین دشمن تھے بھوک، پیاس اور گرمی اور یہ تینوں خطرناک دشمن ہماری بندوقوں سے ڈرنے والے نہیں تھے۔

اس مرتبہ ہمیں کوئی پناہ نہیں ملی تھی چنانچہ ہم کھلے آسمان تلے ریت پر دنیا و ما فیہا سے بے خبر پڑے ہوئے تھے سورج نے شعاعوں کے آتشیں نیزوں سے ہمارے جسموں کو چھیدنا شروع کیا اور اس قدر تھکن کے باوجود ہماری آنکھ لونبے ہی کھل گئی جلتا ہوا سورج معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے

جہم کے خون کا آخری قطرہ تک خشک کر دے گا۔
 ”افوہ“ میں نے دونوں ہاتھ چلا کر اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے مکھیوں کے
 لشکر کو بھگانے کی کوشش کی۔

”اوہ خدا“ مہتری آسمان کی طرف دیکھ کر بڑ بڑایا۔
 ”مرگے یار... کیا گرمی ہے“ گڈ نے کہا۔
 گرمی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ تیز دھوپ نے صحرا کے ذرے ذرے
 کو اس قدر چمکادیا تھا کہ آنکھیں چوندھیانی جاتی تھیں۔ دور دور تک کسی چٹان
 اور نخلستان کا پتہ نہیں تھا... رنگینہ اور آہستہ آہستہ اور تپتا جا رہا تھا اور
 اور اس کے سینے پر ریت کے ذرات ابلتے ہوئے پانی سے اٹھی ہوئی بھاپ
 کی طرح منڈلا رہے تھے اور ہم بیٹھے حسرت سے ایک دوسرے کی صورت تک
 رہے تھے۔

”اب کیا کیا جائے“ مہتری نے کہا: ”اس طرح سے تو ہم زیادہ دیر تک جی
 نہیں سکتے۔“

ہم نے مایوسی سے سر جھکائے۔

”ایک ترکیب ہو سکتی ہے“ گڈ نے کہا۔ ”کچھ دیر بعد ایک بڑا سا گرگھٹھا
 کھود کر ہم اس میں گھس جائیں اور اوپر سے ان جھاڑیوں کو کاٹ کاٹ کر
 ڈال دیں جو ہمارے ارد گرد اگی ہوئی ہیں۔“

کوئی اور وقت ہوتا تو میں گڈ کی اس تجویز کا جی بھر کے مذاق اڑاتا۔
 لیکن اس وقت خدا یا دار ہا تھا... اور کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔
 ظاہر تھا کہ اگر اسی طرح سے چلتے ہوئے سورج اور توڑے کی طرح تپتے ہوئے
 ریت پر پڑے رہے تو شام تک ہڈی گوشت گلی کر ایک ہو جائے گا چنانچہ

ہم نے ہاتھوں اور چاقوؤں کی مدد سے گرہا کھودنا شروع کیا... اور اس
ایک گھنٹہ محنت کے بعد ہم دو فٹ گہرا دس فٹ لمبا اور بارہ فٹ چوڑا گڑھا
کھودنے میں کامیاب ہو گئے اور ارد گرد سے کافی تعداد میں جھاڑیاں کاٹنے کے
بند کر ڈھے میں رینگ گئے... وینٹیا میگل نے جو اس ملک کی گرمی کا عادی تھا
... گڑھے پر جھاڑیاں ڈال دیں اور پھر خود بھی اندر رینگ آیا۔

اس طرح ہمیں سورج کی تازت سے پناہ تو ضرور ملی... لیکن اندر گھٹن
اس قدر تھی کہ کلکتہ کا روایتی بلیک ہول ہماری اس زندگی کی قبر کے سامنے
اچھ تھا... زمین کی سطح سے دو فٹ نیچے ہم بیٹھے گھڑی گھڑی پانی سے
ہونٹ تر کر رہے تھے۔ اگر ہم اپنی پیاس کے مطابق پانی پی لیتے تو وہ کبھی کا
نہم ہو چکا ہوتا۔ حالانکہ اب بھی اس کی مقدار کچھ تسلی بخش نہیں تھی۔

تین بجے کے قریب ہماری قوت برداشت جواب دے گئی... اس
طرح سے گھٹ گھٹ کر بیکسی کی موت مرنے سے بہتر تھا کہ پیاس اور گرمی
ہمارا خاتمہ کر دیتی اور کچھ نہیں تو تازہ ہوا تو ملتی... یہ گھڑا تو خواہ خواہ
ہمارا دم گھوٹے دے رہا ہے چنانچہ ہم نے تھوڑا سا پانی پیاس کی مقدار
بڑی سرعت سے گھٹتی جا رہی تھی اور جو انسانی خون کی طرح گرم تھا اور
باہر نکل آئے۔

ہم اپنے سفر کے پچاس میل طے کر چکے تھے۔ اگر قارئین سلوا سٹاکے بنائے
ہوئے نقشہ کو دیکھیں تو صحرا کا طول اس چالیس لیگ بتایا گیا ہے اور
گندے پانی کا تالاب صحرا کے تقریباً بیچ میں ہے۔ اچھا اب چالیس لیگ کے
ایک سو پچاس میل ہوئے اور ہم پچاس میل طے کر ہی چکے تھے۔ چنانچہ نقشہ کے
مطابق گندے پانی کا تالاب (اگر وہ واقعی ہے) ہم سے دس پندرہ میل کی

دوری پر ہوگا۔

شام تک بڑی مشکلوں سے گھنٹہ بھر میں آدھ میل طے کرتے ہوئے ہم اپنے تھکے ہوئے جسموں کو گھسیٹتے رہے اور جب سورج غروب ہوا تو چاند کے انتظار میں اور کچھ نیند لینے کے خیال سے ریت پر لمبے لمبے لیٹ گئے... سونے سے پہلے امبو پانے میری توجہ ایک طرف مبذول کرائی۔ ہم سے کوئی آٹھ میل دور... ایک ٹیلہ (یا شاید وہ پہاڑی تھی) نظر آ رہی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے کہ وہ کیا چیز ہوگی میں سو گیا۔

چاند کے ساتھ ہم پھر چل پڑے۔

لیکن اب ہماری طاقت جواب دے گئی تھی... پیر ایسے بھاری ہو گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا فیل یا ہو گیا ہے اور مارے پیاس کے زبان کانٹے کی طرح سوکھ کر تالو سے جا چکی تھی... ایک گھونٹ پانی پیتے تو پیاس اور بھڑکتی... چنانچہ پیاس اور گرمی نے ہمیں اس قدر نڈھال کر دیا کہ قدم قدم پر ہمارے پیر گھٹنوں سے مر جاتے اور ہم اونڈھے منہ ریت پر گر جاتے... موت ایسا معلوم ہوتا کہ اپنے دانت کٹکٹاتی ہمارے سینھے پیچھے آ رہی ہے اور پل بھر میں ہمیں اپنے آہنی پنچوں میں دبوچ لے گی۔

گڈ جو تمام راستہ اپنے لطیفوں سے ہمیں ہنساتا آیا تھا اب خاموش تھا اور بار بار اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ تھوڑا سا بھی چلنے میں ہماری سانسیں پھول جاتیں اور ہم مردوں کی طرح ریت پر گر جاتے... اسی طرح گرتے پڑتے رات کے تقریباً دو بجے ہم اس پہاڑی کے قریب پہنچ گئے جس کی طرف امبو پانے میری توجہ دلائی تھی... یہ ایک سو فٹ بلند ریت کا ٹیلہ تھا ہم اس ٹیلہ کے قدموں میں بیٹھ گئے... پانی کا آخری

قطرہ پیا اور ریت پر سوار ہو گئے۔ اب کسی کے پاس پانی کی ایک بوتل تک نہیں تھی۔ جبکہ مجھ پر غنودگی چھا رہی تھی۔ میں نے امبو پا کو کہتے سنا اگر ہمیں پانی نہ ملا تو کل طلوع ہونے والا چاند ہمارا لاشیں دیکھے گا۔

مجھے پھر بری سی آگئی اور میں نے تصور ہی تصور میں دیکھا کہ مارے پیاس کے ہماری زبانیں منہ سے باہر لٹک رہی ہیں اور ہم پاگل کتے کی طرح جلتی ہوئی ریت پر دوڑ رہے ہیں۔۔۔ کہیں پانی نہیں ملتا اور ہم تڑپ تڑپ کر مر رہے ہیں۔۔۔ یہ خیال بڑا ہی بھیانک تھا۔ لیکن میں اس قدر تھکا ہوا تھا کہ یہ خیال مجھے سمونے سے باز نہ رکھ سکا۔

دوہی گھنٹے میں یعنی تقریباً چار بجے میری آنکھ کھل گئی۔ جتنا تھکا ہوا تھا اتنا ہی تھکا ہوا اگر اپنے مکان پر ہوتا تو شاید سلسل دوروز تک سویا پڑا رہتا لیکن یہاں پیاس کی تکلیف نے دوہی گھنٹے میں جگا کر تھکن کا خیال دور کر دیا تھا۔

سو تے میں میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں ٹھنڈے پانی کے چشمہ میں نہا رہا ہوں اور اس کے دونوں کناروں پر ہری ہری گھاس دور تک پھیلی چلی گئی ہے۔ میں چشمہ کا پانی پینا چاہتا ہوں اور پی نہیں سکتا۔۔۔ جلق میں ایک سوراخ ہو گیا ہے جس کے ذریعہ تمام پانی باہر نکل آتا ہے۔

”افوہ کیا خواب تھا میں نے سوچا۔ لیکن پانی۔۔۔“

اور مجھے اپنے مکان کا خیال آیا جہاں اس وقت ٹھنڈے پانی سے کورے کورے ٹکے لہا لب بھرے ہوئے رکھے ہوں گے۔۔۔ اور پھر مجھے یوں معلوم ہوا کہ

خدا نے مجھے دو پر عطا کئے ہیں اور میں اڑ کر اپنے مکان پر پہنچا ہوں اور غٹا غٹا پانی پی رہا ہوں... پھر ایسا معلوم ہوا کہ میں ہوں تو صحرایہ میں۔ لیکن ایک فرشتہ آسمان سے اتر رہا ہے اور مجھے اب کٹورا پیش کرتا ہے جس میں جنت کی نہر کا پانی بھرا ہوا ہے۔

پانی کے خیال نے مجھے پاگل کر دیا اور میں اٹھ کر وحشیوں کی طرح ادھر ادھر دوڑنے لگا... پھر ابوہریرہ کے کہے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ اگر ہمیں پانی نہ ملا تو کل طلوع ہونے والا چاند ہماری لاشیں دیکھے گا... جیسے کسی نے میرے پیر گھٹنوں میں سے کاٹ دیئے اور میں اڑا کھڑا کے دھڑکے ریت پر گر پڑا۔

جب تمام لوگ بیدار ہوئے تو پانی کا اہم مسئلہ درپیش تھا... ہر ایک نے بوتل کو اوندھا اوندھا کر دیکھا لیکن کسی کی بوتل میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں تھا... مارے پیاس کے ہم لوگوں کا برا حال تھا... ہم نے بوتلوں کے منہ جو سنے شروع کئے کہ شاید وہاں کچھ رہ گئی ہو لیکن وہ سوکھی ہڈی کی طرح خشک تھیں... اب تو ہم بہت پریشان ہوئے۔ بے چین ہو کر گڈ نے برانڈی کی بوتل نکالی لیکن ہنری نے چیل کی طرح اس کے ہاتھ سے بوتل جھپٹ لی... خالی پیٹ میں برانڈی زندگی کا خاتمہ گردتی۔

”اگر ہمیں پانی نہ ملا تو آج کا دن ہمارا آخری دن ہوگا“ گڈ نے منہ پورتے ہوئے کہا۔

”اگر سلو اسٹا کا بنایا ہوا نقشہ صحیح ہے تو پانی کہیں قریب ہی ہوگا“ میں نے تنکے کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ ”لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو سلو اسٹا کے نقشہ پر اعتبار نہیں تھا چنانچہ کسی نے میری بات کو اہمیت نہیں دی۔“

سورج طلوع ہو رہا تھا اور ہم بیٹھے ایک دوسرے کی صورت تک رہے تھے۔ ونٹیا سیکل اٹھا اور زمین پر نظریں گاڑ دیں جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ ادھر ادھر گھومنے لگا۔۔۔ کچھ دور جا کر وہ ٹھٹھکا اور اس کے منہ سے حیرت اور خوشی کی چیخ نکل گئی ہم دوڑ کر اس کے قریب پہنچے "کیا ہے پانی" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"یہ دیکھیے" ونٹیا سیکل نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں چند اس رنگ مک بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ جانور پانی سے دور نہیں جاتا" ونٹیا سیکل نے کہا۔
"تم ٹھیک کہتے ہو" میں خوشی سے چلایا۔

اس چھوٹی سی دریافت نے ہمیں جتنی خوشی پہنچائی ہے۔ اتنی تاید ہفت اقلیم کی دوامت مل جانے سے بھی ہمیں نہ ہوتی۔ ایسی حالت میں جبکہ چاروں طرف گھورانہ پھیرا چھایا ہو۔ آسمان پر ٹھٹھاتا ہوا صرف ایک ستارہ بھی امیدوں کا سہارا ہوتا ہے۔

ونٹیا سیکل، اپنی ناک ہوا میں بلند کئے ہوئے زور زور سے فضا سونگھ رہا تھا۔ "پانی کی بو آرہی ہے" اس نے کہا۔

اس کا اتنا کہنا تھا کہ میرا دل مارے خوشی کے ناپ اٹھا۔ ان لوگوں کی قوت شامہ گدھوں ایسی تیز ہوتی ہے۔

سورج طلوع ہوا۔۔۔ اور ہم سے کوئی چالیس میل کی دوری پر کوہ سہا پہ

لہ: ایک افریقی چوپایا جو مینڈھ ایسا مگر مینڈھ سے قدمیں چھوٹا اور خوبصورت ہوتا ہے۔
(منظر الحق علوی)

اجالا پھیل گیا۔ ہمارے بالکل سامنے بلند پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا تھا جن کی چوٹیاں دھند کی چادر میں چھپی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔ دائیں بائیں دو پہاڑا منقدر بلند تھے کہ آسمان کے ستون معلوم ہوتے تھے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے دھند کے بادل چھٹے تو ہمیں وہاں برف نظر آئی۔ سورج کی کرنیں برف پوش چوٹیوں کو قوس قزح کے رنگ میں رنگ رہی تھی۔۔۔ ایک دم جانے کہاں سے بادل آئے پہاڑوں کی چوٹیاں ہماری نظروں سے رو پوش ہوئیں اور ہم اس نظارے کو بھول کر پھر پانی کے لئے بے چین ہو گئے۔

”دنشیا نیگیل تو ایک شگوفہ چھوڑ کر گویا فرصت پا گیا تھا۔۔۔۔۔ ٹیلے کے چاروں

طرف اور دور دور تک ہم نے تمام جگہ چھان ماری لیکن کسی جگہ پانی کا پتہ نہ تھا۔۔۔۔۔ تمام امیدوں کے محل اڑا ڈھم سے گر پڑے۔

”بیوقوف، گدھے“ میں دنشیا نیگیل پر برس پڑا۔ ”کہاں ہے پانی۔۔۔

کہنا ہے پانی کی بو آتی ہے۔۔۔۔۔ ہو نہ۔“

”لیکن پھر وہ اپنی پکوڑا ایسی بے ڈھنگی ناک ہوا میں بلند کر کے

بولی۔ ”ہنیں صاحب پانی کہیں قریب ہی ہے۔۔۔ میں اس کی بو ہوا میں

پاتا ہوں۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ یقیناً ہوا میں پانی ہو گا جو دو مہینے بعد برس کر ہماری سوکھی

ہوئی ہڈیوں کو دھو دے گا۔“ میں نے نشتر زنی کی۔

”ممکن ہے پانی اس ٹیلہ پر ہو۔“ ہنری نے اپنی گھنی دار ٹھی کھجلا تے ہوئے کہا

”گھانس تو نہیں کھا گئے یار۔“ گڈ نے براہ صاف منہ بنایا۔ ”کبھی ریت

کے ٹیلے پر بھی پانی ملا ہے؟“

”بہر حال ہمیں چل کر دیکھنا چاہیے۔“ میں نے مشورہ دیا۔

”ہم لوگ ٹیلے پر چڑھنے لگے... امبو پائیم سے آگے آگے تھا... چوٹی پر پہنچ کر اس نے بے تحاشہ ”پانی پانی“ چلانے لگا۔ ہم بڑی بے چینی سے اس کی طرف لپکے... اور وہاں... ٹیلے کی چوٹی پر... ایک گڑھے میں پانی بھرا ہوا تھا... یہ پانی یہاں کیسے آگیا؟ یہ سوچنے کی کسے فرصت تھی۔ ہم نے پیٹ کے بل لیٹ کر اپنے پیڑھی جے ہونٹ اس گندے سیاہ رنگ اور بد مزہ پانی کی سطح سے چمکادے... ہم نے پانی کی گندگی کا کچھ خیال نہیں کیا۔ بس یہی ہمارے لئے کافی تھا کہ وہ پانی تھا... پانی پی کر ہم نے کپڑے اتارے اور تالاب میں کود پڑے۔ اور اس وقت مجھے جتنی فرحت محسوس ہوئی ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

ہمارے ہم لوگ بالکل تازہ دم ہو گئے... تالاب سے نکل کر کھانا کھایا اور بیٹھ کر پانی پیتے ہوئے کوہ سباز کے بارے میں باتیں کرنے لگے جو وہاں سے صاف نظر آ رہا تھا اور پھر وہیں تالاب کے کنارے دوپہر تک سوتے رہے... بڑے اطمینان اور سکون کی نیند سونے کے بعد اٹھ کر پھر پانی پیا اور سلاوا سٹاک کے لئے دعائے خیر کی جس کے نفع نے ہماری جان بچائی تھی۔ یہ واقعی ایک معجزہ تھا کہ یہ پانی اب تک سوکھا کیوں نہیں ہوا۔ ایک بارے میں اپنا دماغ لڑایا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی... خیر کچھ بھی ہو اگر یہ گندہ پانی (شہر میں جس کی طرف ہم دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے) یہاں نہ ہوتا تو اس رنگستان میں ہماری قبریں بن چکی ہوتیں اور میں یہاں بیٹھا ان واقعات کو قلمبند کرنے کے بجائے درندوں کے پیٹ اور طیور کے پوٹوں میں کبھی کا ہضم ہو چکا ہوتا۔

ہم نے سیر ہو کر پانی پیا۔ بوتلیں بھریں... اور چاند کے ساتھ ساتھ چل

گنج سلیمان

لمحڑے ہوئے... اور اس رات ہم نے بیس میل طے کئے... شاید کہنے کی
زورت نہیں کہ پھر ہمیں کہیں بھی پانی نہیں ملا... لیکن لگتا تھا کہ قسمت یاوری
نہی تھی... دوسرے دن ہمیں ایک چھوٹی سی چٹان مل گئی جس کی چھادوں
سے ہم جا بیٹھے اور ہم سے کوئی بیس میل دور کوہ سبا کی برف پوش چوٹیاں
مل رہی تھیں۔

جب رات نے اپنی زلفیں بکھیر دیں تو ہم چلے۔

اور صبح ہوتے ہوتے ہم کوہ سبا کے دائیں پہاڑ کے قدموں میں
نفرے تھے... یہاں آکر پانی کی بوتلیں پھر خالی تھیں لیکن اب ہمارے
ماننے یا یوں کہئے کہ ہمارے سروں پر برف کی سفید سفید سلسلیں چمک رہی
تھیں اور وہاں سے ہم پانی حاصل کر سکتے تھے لیکن یہ چوٹی کافی بلند تھی۔
رتیز دھوپ میں پہاڑ پر چڑھنا آپ جانے دشوار تھا۔
پہاڑ کے دامن میں کچھ دیر مستانے کے بعد ہم نے اوپر چڑھنا
شروع کیا۔

یہ پہاڑ صدیوں پہلے آتش فشاں رہے ہوں گے۔ چٹانوں اور ارد
دھڑے ہوئے ہوئے بڑے بڑے پتھر جمے ہوئے لاوے کے تھے... گیارہ
بجے تک مسلسل چلنے کی وجہ سے ہماری طاقت جواب دینے لگی... تھکن سے
بے چور چور رہ رہا تھا اور لاوے کی بنی ہوئی کھردری چٹانوں نے پیروں
پر زخمی کر دیا تھا... ہم سے کچھ گز کی دوری پر لاوے نے جم کر اس بلندی
پر ایک میدان سا بنا دیا تھا اور ہم اس میدان کی طرف قیام کرنے کیلئے
بڑھے اور وہاں پہنچ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی... اس پتھر پٹی
طرح پر نہایت ہی نرم اور مہری گھاٹوں کا ہمارا ہی تھی... معلوم ایسا ہوتا ہے کہ

گنج سلیمان

۷۸

جب لاوا اس جگہ جھنے کے بعد ٹھنڈا ہوا ہو گا لیکن... پتھر نہیں بنا ہو گا۔ اس وقت پرندوں نے چند بیج یہاں لاکر پھینک دیئے ہوں گے اور خدا نے اپنی قدرت کا تماشہ دکھانے کے لئے ان پتھروں پر اور زمین کی سطح سے کافی بلندی پر گھاس کا ایک باغ لگا دیا تھا... لیکن یہ گھاس ہماری زیادہ ڈھاریں نہ بڑھا سکی ہم بھوکے اور پیاسے اور قبل از تاریخ کے افسانوں کی طرح گھاس تو کھا نہیں سکتے تھے... اسے ہضم کرنے کیلئے ہاتھی کا منہ اور کمرے کے دانت درکار تھے جو ہمارے پاس نہیں تھے... ہم چٹانوں پر بیٹھ گئے اور اس وقت پہلی مرتبہ میں نے سوچا کہ کاش میں ہنری اور گٹے کے ساتھ نہ آیا ہوتا۔

امبو پانگھا... کچھ دیر تک وہ کہیں خلا میں دیکھتا رہا... پھر اس نے برا سامنہ بنا کر سر کھجایا اور ہم سے چند قدم آگے بڑھ کر پہلے لگا... گھاس کے قطرے کے بیچ میں پہنچ کر وہ ٹھٹھکا... پھر ایک دم سے وہ پاگل ہو گیا اور نئے کھلو نے پانے والے بچوں کی طرح خوشی سے چلنے اور ناچنے لگا... پھر کسی ہری چیز کو اپنے ہاتھ میں لے کر زور زور سے ہماری طرف ہلانے لگا... اس کی ان حرکتوں سے ہم بھونچکا رہ گئے۔

”کیا ہے۔ امبو پانگھا... بیوقوف“ میں چلایا۔

”کھانا اور پانی میگو مین“ اس نے پھر ہری چیز کو ہلایا اور ہم پوری قوت سے اس کی طرف بھاگے۔

اور وہاں پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ گھاس کے نیچے خرپوزے کی بیلوں کا جال سا بچھا ہوا تھا اور بالکل پکے ہوئے جنگلی خرپوزے ہاتھ بڑھا کر توڑے جانے کے منتظر تھے۔

گنج سلیمان

”خربوزے۔ اے۔ اے۔“ میں گڈ کی طرف دیکھ کر چیخا اور دوسرے ہی لمحے گڈ کے مصنوعی دانت ایک خربوزے میں پیوست تھے اور ہم میں سے ہر ایک کم از کم چھ خربوزے ہضم کر گیا... یہ ایک حقیر سا میوہ ہے لیکن اسوقت وہ ہمیں دنیا کی لذیذ ترین چیز معلوم ہوئی۔

خربوزوں کی وجہ سے ہماری بھوک اور پیاس تو ختم ہو گئی لیکن کچھ تسکین نہیں ہوئی... ویسے ہمارے پاس تھوڑا سا سوکھا گوشت بھی تھا لیکن اسے کھاتے کھاتے منہ پھر گیا تھا اور پھر یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ آگے کہیں کھانا ملے گا بھی یا نہیں چنانچہ ہم نے داستا آید بکار کے مصداق اس تھوڑے گوشت کو بڑی احتیاط سے سنبھالے ہوئے تھے۔

اتفاقاً میری نظر صحرا کی طرف اٹھ گئی... پرندوں کی ایک ڈارتیزی سے ہماری طرف اڑی چلی آرہی تھی۔ یہ پہاڑی پرندے کافی موٹے تازے تھے ”نشانہ لگاؤ... آقا“ وغنیا گل چلایا اور پیٹ کے بل زمین پر رینگ گیا... ہم نے بھی ایسا ہی کیا... اور پرندوں کے قریب آنے کے انتظار میں دم سادھے پڑے رہے... وہ قریب آنے لگے اور قریب... قریب... یہاں تک کہ وہ گولی کی زد میں آ گئے۔ یکے بعد دیگرے میں نے دو گولیاں چلائی ہیں اور جتنے میں سے ایک پرند قلاً بازیاں کھاتا زمین پر آ رہا۔

خربوزوں کی سوکھی بلیوں کی مدد سے آگ بجلائی گئی... پرند اس پر بھونا جانے والا تھا اور ہم بے صبری سے اس کے بھن کر تیار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ پرندہ بھن کر تیار ہو گیا تو ہم اس طرح سے اس پر ٹوٹ پڑے کہ گھڑی بھر میں ہمارے سامنے چبائی ہوئی ہڈیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

گنج سلیمان

۸۰

رات کو آگے روانہ ہوتے وقت ہم نے اپنے ساتھ چند خربوزے لے لئے جیسے جیسے ہم اوپر چڑھتے جاتے ہو اور دہوتی جاتی.... مارے سردی کے ہمارے دانت زچ رہے تھے اور تخی بستہ ہوا استرے کی طرح ہمارے جسموں کو کاٹ رہی تھی.... چڑھائی اس قدر مشکل تھی کہ ہم بمشکل ایک گھنٹہ میں نصف میل طے کرتے اور اسی طرح صبح تک چلتے رہے.... اور جب رات نے صبح کے سامنے سپرد ال دی تو ہم برف پوش چوٹیوں سے صرف بارہا میل دور تھے۔ اسی رات ہم نے بچا ہوا سوکھا گوشت اس لئے کھا لیا کہ آگے اور بھی پرندے ملیں گے لیکن محض خیال خام ثابت ہوا.... ارد گرد کسی جاندار کا پتہ نہ تھا نیچے پتھروں پر صبح کی ریت اور سروں پر برف چمک رہی تھی.... پانی بھی ختم ہو چکا تھا اور ہماری مالوسی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا جب کہ اس پہاڑ پر کوئی چشمہ اور کوئی دریا نظر نہیں آیا.... خیال تھا کہ برف گھلنے کی وجہ سے پہاڑ پر کافی تعداد میں ندی یا چشمے ہوں گے.... لیکن جیسا کہ بعد میں بتہ چلا کسی خاص وجہ سے تمام دریا پہاڑ کے پرلی طرف بہتے تھے۔ ہم لوگ بھوک اور پیاس سے بے چین تھے.... اور اب یہ تکلیف ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی.... آئندہ تین دنوں میں جو کچھ ہم پر گزری وہ بتانے کے لئے یہاں میں اپنی ڈائری کے (جو میں اس سفر میں لکھتا رہا تھا) چند اوراق نقل کرتا ہوں۔

۲۱ مئی: صبح گیارہ بجے روانہ ہوئے چند خربوزے ساتھ لئے... ہوا اس قدر سرد تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہماری ہڈیوں کا گودا تک جم گیا ہے۔ خربوزے ختم ہو گئے.... دن بھر ان کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

گنچ سلیمان

۸۱

۲۲ مئی: صبح روانہ ہوئے تھے... پرندوں کی حدود سے گذر چکے تھے۔ اس لئے ان کے ملنے کی بھی کوئی امید نہ تھی... ہم از حد کمزور ہو گئے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ بے ہوشی کے عالم میں چل رہے تھے... چنانچہ دن بھر ہم بمشکل پانچ میل چلے ہوں گے.. راستے میں برف کے چند ٹکڑے ملے جسے ہم چبا گئے... اور کوئی چیز کھانے کو نہیں ملی... رات کو ایک جگہ پر قیام کیا... سردی... ناقابل برداشت تھی... بدن میں گرمی لانے کے لئے ایک ایک گھونٹ برانڈی پی... اپنے اپنے کمبلوں میں کھٹنے پیرٹ میں دے کر رات بھر سونے کی کوشش کرتے رہے۔ بھوک اور تھکن سے حالت خستہ ہو رہی تھی... خیال تھا کہ دنیا کی رات ہی کو اکڑ کر مر گیا ہو گا۔

۲۲ مئی: صبح سورج کی کرنوں نے ہمیں کچھ گرمی پہنچائی تو آگے روانہ ہوئے... حالت بالکل غیر ہو رہی تھی... رفتہ رفتہ زہن زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتے جا رہے تھے... میں اس خوف سے 'زرلم تھا کا آج بھی کچھ کھانے کو نہ ملا تو یہیں سے ہمارا آخری سفر شروع ہو گا... بسوائے تھوڑی سی برانڈی کے ہمارے پاس کچھ نہ تھا... گڈ مہری اور امبو پاکی ثابت قدمی کی داد دینی پڑتی ہے... دنیا کی حالت ہم سے خراب تھی۔ وہ غریب افریقہ کی گرمی کا عادی اس کڑا کڑا اتی سردی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بھوک کی تکلیف اب زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی کیونکہ اب ہمارے پیٹ بالکل سن ہو گئے تھے۔ ہم لوگ اس چٹان کے قریب پہنچ گئے جو ایک دیوار کی طرح کوہ سبا کے دائیں اور بائیں پہاڑوں کو ملاتی ہے اور اس چٹانی دیوار کے اوپر اور چار ہزار فٹ کی بلندی پر برف میں ڈھکی ہوئی پہاڑ کی چوٹی غور سے سر بلند کئے ہوئے تھی اور نیچے... حد نظر تک کف دست صحرا پھیلتا گیا تھا... کوئی چیز کھانے کی نہیں ملی...

گنج سلیمان

خدا رحم کرے شاید ہمارا وقت آخر آچکا ہے۔

اب یہاں سے میں اپنی ذاتی ڈائری کی نقل کو چھوڑتا ہوں۔

اس روز یعنی ۲۲ مئی کو... ہم لوگ اپنے تھکے ہوئے پیروں کا مدد سے اپنے

اپنے مردہ جسموں کو گھسیٹتے رہے۔ اس وقت اگر کوئی ہمیں دیکھتا تو مارے خوف کے

پہنچا ہوتا... ہال اور دارھیاں جھاڑ جھنکار کی طرح بے تماشہ بڑھائی تھیں۔

منہ لٹک گیا تھا، ہونٹ اورے ہو گئے تھے... آواز باریک ہو گئی تھی۔

پھیلی ہوئی آنکھیں بے چینی سے کھانے کی تلاش میں گھومتی اور کچھ نہ پا کر مایوسی

سے جھک جاتیں۔

شام کو ہم کوہ سببا کی بائیں چوٹی کے بالکل نیچے کھڑے ہوئے تھے غروب

ہوئے ہوئے سورج نے برف پوش چوٹی کو خون رنگ دے دیا تھا۔

”میں کہتا ہوں کو اٹریسین“ گڈ نے کہا۔ ”ہم لوگ اس غار کے کہیں قریب

ہیں نہ کھڑے ہوں جس کے بارے میں مرحوم سلوا سٹا نے تحریر کیا ہے۔“

”لیکن کہیں غار ہو تب نا“ میں نے کہا۔

”کو اٹریسین“ گورنر نے سنا ہے کھتا ہے کہا: ایسا مایوس کن باتیں مت کرو...

یہ سلوا سٹا کی تحریر پر پورا بھروسا ہے... یاد ہے وہ گندے پانی کا تالاب؟

اس منٹ تک ہم غار کو تلاش کرتے رہے... امبو پاپا اپنے آپ کو کھلی میں

پہنچے اور بھوک برداشت کرنے کے لئے پیٹ پر کس کر چمڑے کا پٹا باندھ

میرے آگے آگے چلتا ہوا کس طویل القامت عورت جیسا معلوم ہو رہا تھا۔

”وہ دیکھو“ امبو پاپا نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف اشارہ کیا...۔

برف کے تودے میں ایک بڑا سوراخ نظر آ رہا تھا۔

”یہ غار ہے“ امبو پاپا نے کہا۔

گینج سلیمان

۸۳

ہم گرتے پڑتے اس سوراج تک پہنچے۔ جہاں وہ سلوا سٹاک کے بتائے ہوئے غار کا دہانہ تھا۔۔۔ جس وقت ہم غار میں داخل ہوئے رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔۔۔ ہم نے برانڈی کا آخری گھونٹ پیا اور ایک دوسرے سے چمٹ کر سو گئے شاید اس طرح کچھ گرمی ماحولی ہو سکے۔۔۔ لیکن کھڑکھڑاتی سردی نے نیند کو ہمارے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ ہم اٹھے اور ایک دوسرے کی پیٹھ سے پیٹھ لگا کر نیند کے انتظار میں بیٹھ گئے۔۔۔ ایک تو ہم بھوکے تھے دوسرے صبح کی تیز گرمی برداشت کے چلاؤ رہے تھے۔ اس لئے سردی اور بھوکے تکلیف دے رہی تھی۔

وقت بڑھا، ہلستکی سے لنگڑے پتھر کی طرح رینگ رہا تھا۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے قریب بیٹھے اپنے آپ کو گرم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔ لیکن ہمارے نحیف زار جسموں میں اتنی گرمی کہاں رہ گئی تھی کہ آبلہ دوسرے کے کام آسکے۔۔۔ نیند کا کوسوں پر نہیں تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ پیٹے پر تھیل ہو کر خود بخود بند ہو جاتے۔ لیکن نصف گنڈے بعد ہی یہ جھونکا کر جاتا اور آنکھیں تاروں کی سی ہو جاتیں۔۔۔ گینج تک ہم میں سے کوئی نہ سو سکا۔

پونے پچھتر پہلے ونڈیا ٹنگل نے۔۔۔ جس کے دانت رات بھر تپتے رہے تھے۔۔۔ گہری سانس لینی۔ اس کے دانت بچنے بند ہو گئے۔ میں سمجھا کہ وہ سو گیا ہے۔۔۔ اس کی پیٹھ میری پیٹھ سے جڑا ہوتی تھی۔۔۔ وہ سرد ہوتی شروع ہوتی۔۔۔

پھر وہ سرد ہوتی چلی گئی اور آخر میں برف لگا کر بند ہو گئی۔

فضا میں روشنی پھیلنے لگی۔۔۔ سورج کا کرنی غار کے دہانے سے جھانکنے لگیں اور آہستہ سے اندر گھس آئیں۔۔۔ ان کرنوں نے ہمارے جسموں کو گرمایا شروع کیا اور پھر یہ کرنیں سرسکتی ہوئی ونڈیا ٹنگل کے مردہ جسم پر زخمی کرنے لگیں۔۔۔ وہ اسی وقت مرا تھا جبکہ اس نے گہری سانس لے رکھی اور اب تک

وہ اکڑ کر بالکل تختہ ہو گیا تھا... میں بڑبڑا کر ونٹیا نیگل سے دور جا کر کھڑا ہوا۔ کتنا عجیب ہوتا ہے وہ خوف جب ہم اپنے آپ کو ایک مردے کے قریب پاتے ہیں... ونٹیا نیگل جس طرح سے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا دیا ہی بیٹھا رہا اور ایوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی اٹھ کھڑا ہو گا۔

”ہا۔ آ۔ مر گیا بے چارہ“ ابدو پانے کہا۔

رفتہ رفتہ سورج کی روشنی نے غار کو روشن کر دیا۔ دفعۃً گڈ کے منہ سے مارے خوف کے چیخ نکل گئی... میں نے پلٹ کر دیکھا... اور دل دھک سے ہو گیا... غار کے آخری سرے پر (یہ غار بیس فٹ لمبا تھا) کوئی شخص گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا... میں نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے چند قدم آگے بڑھ کر غور سے اس شخص کو دیکھا... وہ کوئی اجنبی تھا... میرے قدم لڑکھڑا گئے۔

”یہ کون ہے... یہاں کیسے آیا“ میں نے سوچا اور یہ غار مجھے آسیب زدہ معلوم ہوا۔

”یہ شخص بھی سردی سے اکڑ گیا ہے... اور انگریز ہے... سمجھ میں نہیں آتا کہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے“ ہنری نے کہا۔

”یقیناً یہ غار بھوتوں کا مسکن ہے“ ابدو پانے کہا اور ہم گھبرا کر جلدی سے باہر کی طرف بھاگے۔

غار سے باہر آ کر ہم لوگ پریشان سے ایک دوسرے کی طرف تکیے لگے...

میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ اس وقت میرے منہ پر ہوا سٹریاں چھوٹ رہی تھیں۔

”میں اس غار میں واپس جاتا ہوں“ ہنری نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”پاگلی تو نہیں ہوئے ہو انکو پو“ ابو پانے ہنری کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ ابو پو... میرا خیال ہے کہ ہم نے جو کچھ دیکھا ہے۔

یعنی... وہ مردہ اجنبی میرا بھائی تو نہیں“

ہنری نے کہا۔

یہ واقعی نیا خیال تھا۔ چنانچہ ہم سب پھر غار میں داخل ہوئے... ہنری نے

اجنبی کے قریب آکر ڈوں بیٹھ کر غور سے اس کی صورت دیکھی۔ خود ا کا شکر ہے

یہ میرا بھائی نہیں“ ہنری نے اطمینان کی سانس لی۔

میں نے قریب آ کر غور سے اجنبی کی طرف دیکھا... یہ لائے قد کا اکڑا

ہوا جسم کسی ادھیڑ عمر کے شخص کا معلوم ہوتا تھا۔ چہرے کے نقوش تکیے بڑھے

ہوئے بال... اور نفاست سے ترشتی ہوئی چھوٹی چھوٹی مونچھیں اس کی

جلد بالکل زرد ہو رہی تھی... جسم لاغر... یہ جسم بالکل برہنہ تھا اور اگر

کوئی کپڑا تھا تو وہ صرف ایک جوڑ موزے تھے جو اب تک پیروں پر چڑھے

ہوئے تھے... اکڑی ہوئی گردن میں ہاتھی دانت کی صلیب لٹک رہی

تھی۔ میرا دماغ چکرا گیا۔

”یہ کون ہو سکتا ہے بھلا؟“ میں نے پریشانی سے پوچھا

”اتنا نہیں سمجھ سکتے؟“ گڈ نے کہا: ”جوڑی سلوا سٹا اور کون؟“

”ناممکن۔ اسے مرے تو تین سو سال بیت گئے...“ میں نے کہا۔

”تو کیا ہوا؟“ گڈ نے کہا: ”سوئزر لینڈ کا بند ڈبوں میں گوشت ایک

مدت تک کیوں بگڑنے نہیں پاتا؟ اس لئے کہ اسے کافی سرد جگہ میں رکھا جاتا

ہے۔ میں یہی حالت یہاں کی سمجھ لو۔ یہاں کی تیز سردی نے اس کے جسم کو تین سو سال تک محفوظ رکھا۔۔۔ سورج کی کرنیں اس جگہ تک پہنچ نہیں سکتیں چنانچہ یہ جسم کھلے سڑنے سے بچا رہا۔۔۔ اور نہ ہی یہاں تک کوئی درندہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کا وہ لازمہ جس کا ذکر سلوا سٹا نے اپنی تحریر میں کیا ہے۔۔۔ یہاں تک ظاہر ہے کہ آیا تھا۔۔۔ چنانچہ اس نے اپنے آقا کے تمام کپڑے اتار لئے اور اسے دفن کے لئے لپیٹا بنا۔۔۔ یہ دیکھ کر گڈ نے آگے بڑھ کر بڑی کا ایک نوکدار ٹکڑا اٹھا دیا۔ یہی وہ بڑی ہے جس سے سلوا سٹا نے تحریر لکھی تھی اور نقشہ بنایا تھا۔

”ارے“ ہنری چونکا۔ ”یہ دیکھو یہاں سے سلوا سٹا نے تحریر اور نقشہ کے لئے خون حاصل کیا تھا۔ اور اس نے مردہ سلوا سٹا کے دائیں کلائی پر ایک گہرے زخم کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ اف۔۔۔ خدا۔۔۔ ایسا نظارہ میں نے۔۔۔ اور میں نے ہی نہیں کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔“

اس کے سلوا سٹا ہونے پر اب کسی کو بھی شک نہیں تھا۔۔۔ اس نظارے نے میرے تبسم پر خوف کی کیکیسی سی طاری کر دی۔۔۔ ذرا آپ اس نظارے کو اپنے تصور میں لانے کی کوشش کیجئے۔۔۔ ایک شخص جو اکر کر مجسمہ کی طرح ہو گیا ہے۔ سر جھکائے بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی آنکھیں نیم وا ہیں۔ چہرے سے بھوک اور تشنگن کے ساتھ ساتھ سکرات موت کی تکلیف کے آثار ہو رہے ہیں۔۔۔ چاروں طرف گہری خنما موشی چھائی ہوئی ہے اور ہم اس غار میں۔۔۔ سطح زمین سے کافی بلندی پر۔۔۔ اس کے ساتھ اکیلے ہیں۔۔۔ اور جب یہ خیال آئے کہ اس شخص کو مرے تین صدیاں گزر چکی ہیں تو آپ ہی کہئے دل پر ایک خاص اثر ہو گا یا نہیں؟

میرے ہاتھ میں وہ بڑی تھی جس سے سلوا سٹا نے قلم کا کام لیا تھا۔۔۔ اسکی

گردن میں اب تک وہ صلیب لٹکا رہی تھی جس کو سلوا سٹاکے سے لٹکا ہوا تھا۔
 نے آخری بوسہ دیا تھا... تین صدیوں پہلے اس شخص کی موت کا منظر بڑی آنکھوں
 کے سامنے گھوم گیا... سلوا سٹاکے کی سانس اکھڑ رہی ہوگی، بھوک اور پیاس نے
 اس کی تمام قوتوں کو سلب کر لیا ہوگا۔ لیکن اس وقت بھی اسے یہ خیال پریشان
 کر رہا ہوگا کہ وہ آنے والی فسلوں کے لئے کچھ چھوڑ جائے چنانچہ اس نے غار
 میں گھسٹے ہوئے بڑی کاٹکڑا تلاش کیا ہوگا اور پھر بڑی بہادری سے
 اپنی تکالیف میں اضافہ کرتے ہوئے ہڈی کی نوک اپنی کلانی میں بھونک پدی
 ہوگی... اور یہ نقشہ بنا کر... آج بھی... تین سو سال بعد یہ شخص ہماری
 راہ پر جا کر رہا تھا... اور اس شخص کے احترام میں میری گردن جھک گئی۔
 چلو ہنری بولا۔ لیکن پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہوتا کھرو۔ ہم سلوا سٹاکے لئے
 ایک ساتھی مہیا کر دیں۔

اس نے ونڈیا سیکل کی اکڑی ہوئی لاش کو اٹھا کر سلوا سٹاکے قریب بٹھا
 دیا اور پھر سلوا سٹاکے کی گردن سے صلیب گھسیٹ لی (جہے یقین ہے کہ صلیب
 اب تک ہنری کے پاس ہوگی)۔ وہ بڑی جو سلوا سٹاکے کا قلم تھی میرے پاس
 محفوظ ہے اور میں کبھی کبھار مزے میں آکر اس سے دستخط کر لیتا ہوں۔
 اور ان دونوں شخصوں کو جن میں سے ایک سیاہ اور ایک سفید چمڑی کا تھا۔
 ہم آخری سلام کر کے غار سے باہر آ گئے۔ یہ دونوں بہادر شاید قیامت تک اس
 غار میں محفوظ رہیں گے۔

ونڈیا سیکل کی موت نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور بار بار مجھے یہ خیال
 پریشان کرتا کہ کچھ دیر بعد میری اکڑی ہوئی لاش بھی کسی غار یا چٹان پر پڑی
 ہوگی میں نے اس خوفناک خیال کو اپنے دماغ سے ہٹانے کی لاکھ کوشش کی۔

لیکن وہ تو جیسے کھنکھورے کی طرح اپنے ہزاروں پاؤں پیوست کئے دماغ سے چپک کر رہ گیا تھا۔

ہم چلتے رہے ...

چاروں طرف گارھی گارھی دھندلندھند لاری تھی اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آگے کیا تھا... گہرے گہرے کھڈ یا بلند ہوتی ہوئی چٹانیں...؟ ہم پریشانی کے عالم میں کھڑے رہے... آہستہ آہستہ دھند کا دبیر پردہ ہٹنے لگا اور... جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے وہاں سے پانچ سو گز نیچے گھاس کا قطعہ پھلا ہوا تھا... بیچ میں شفاف پانی کا چشمہ بہ رہا تھا اور چند اینٹ ٹوپ مزے سے چل قدمی کر رہے تھے۔

قدرت نے ہمارے لئے کھانے پینے کا کافی انتظام کر دیا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اسے حاصل کیسے کیا جائے؟ اینٹ ٹوپ ہم سے پانچ سو گز نیچے تھے اور یہاں سے نشانہ خطا کر سکتا تھا... ظاہر ہے کہ اس طرح سے مزدوق کی آواز سن کر اینٹ ٹوپ بھاگ کھڑے ہوتے اور ہمیں جتنی مالوکی ہوتی وہ ہمیں خودکشی پر آمادہ کرنے کیلئے کافی ہوتی! خیر ہمیں خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے... نشانہ ہم یہیں سے لگائیں گے اگر ہم نے اینٹ ٹوپ کے قریب جانے کی کوشش کی تو وہ ہمیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ہنری نے کہا: ”مٹر کو اتر میں مزدوق کون سی استعمال کی جائے ایکسپریس یا رافل؟“

یہ واقعی ٹیڑھا سوال تھا۔ رافل میں ہمارے پاس دو تھیں ایک اہویا کی اور ایک غریب و مٹی ایگل کی اس وقت یہ دونوں اہویا کے پاس تھیں یہ رافل میں ایک ہزار گز تک مارا کر سکتی تھیں... جبکہ ایکسپریس کی گولی تین سو پچاس

یا اس سے کچھ آگے تک جا سکتی تھی... بسکین ایکسپریس کی گولی جسم میں جا کر پھوٹ جاتی اور شکار وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ رائفل کی گولی کھا کر شکار نصف میل تک بھاگ سکتا تھا... میں نے فیصلہ کیا کہ ایکسپریس بند روق ہی استعمال کی جائے۔ یہ ایک مشکوک امر تھا کہ اس کی گولی اینٹ لوپ تک پہنچے گی بھی یا نہیں؟

”ہم تینوں ایک ہی اینٹ لوپ تاک لیں“ میں نے کہا: ”اور خیال رہے نشانہ اینٹ لوپ کے کاندھے یا گردن پر لگایا جائے اور امبو پاتم گنتی کرنا تاکہ ہم تینوں ایک ساتھ بند وقتیں چلا سکیں۔“

ہم تینوں نے دھڑکتے دلوں سے بند وقتیں سیدھی کیں۔

”ایک۔ دو۔ تین۔“ امبو پاتم نے گنتی شروع کی۔ اور... چار۔“

ایک ساتھ تینوں بند وقتیں چلیں اور دگرد کی چٹانوں سے دھماکے کی بازگشت پیدا ہوئی اور سہارے سامنے دھوئیں کے تین چھوٹے چھوٹے بادل سے چھا گئے۔ اور جب یہ بادل چھٹے تو ہم تیزی سے نیچے کی طرف بھاگے جارہے تھے جہاں ایک اینٹ لوپ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ میں لاتیوں سے بھاگا رہا تھا۔

”ہم سچ گئے... اور خدا... ہم سچ گئے“ گڈ چلا رہا تھا: ”اب بھوک ہمارا خاتمہ نہیں کر سکتی ہے۔“

دس ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ ہم اینٹ لوپ کے قریب کھڑے تھے۔

یہاں آکر ایک اور ناقابل حل مشکل درپیش ہوئی یعنی گوشت بھرنے

کے لئے آگ کہاں سے لائی جائے؟

”بھوکے آدمی کو کچھ خیال نہیں کرنا چاہئے تین دن کے بھوکے کیلئے

مرا ہوا گدھا بھی حلال ہے“ گڈ نے کہا: ”ہم کچا گوشت کھائیں گے۔“

اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ نے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر برف میں دبا دیئے۔۔۔ اور کچھ دیر بعد انھیں نکال کر چشمے میں دھویا اور کھانے لگے۔۔۔ اس خیال سے کہ ہم کچا گوشت پیارے تھے۔ قارئین کو گھن آتی ہوگی اور تلی ہوئی ہوگی لیکن یقین مانئے کہ یہ کچا گوشت ہمارے لئے دنیا کی تریز تر مین چیز تھا۔۔۔ کچا گوشت ہمارے لئے رات ثابت ہوا اور اس کا تے ہمیں نئی زندگی عطا کی ہمارے جسموں میں طاقت عود کر آئی اور ٹھہرے ہوئے جسموں میں آہستہ آہستہ گرمی آنے لگی۔۔۔ اس خیال سے کہ بد بونہی نہ ہو جائے ہم نے تھوڑا سا گوشت کھا لیا۔

”خدا کا شکر ہے“ ہنری نے اپنی دائرہ بھی پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا۔
 ”اس عزیز اینٹ لوپ نے جان دے کر ہماری جان بچائی۔ گوارڈ میں یہ اینٹ لوپ ہی ہے نا؟“

”میں اٹھ کر اینٹ لوپ کے قریب گیا۔ قدمیں گدھے سے کچھ چھوٹا ہوگا سنگ ٹوکھ اور لانے لانے بھورے بال اور اس پر سفید دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ اس چوپائے کو ”انکو“ کہتے ہیں اور یہ بہت ہی کم تعداد میں پایا جاتا ہے۔

اب تک تو ہم اپنے ہی حال میں پریشان تھے ارد گرد کا جائزہ کیا خاک لیتے لیکن اب جبکہ پیٹ بھر چکے تھے ہم نے اموپا کو ”انکو“ کا اچھا گوشت کاٹنے پر مامور کیا اور ادھر ادھر گھومنے لگے۔

آٹھ بج چکے تھے۔۔۔ دھند کی دبیز چادر چاک ہو گئی تھی اور ہمارے قدموں میں ہزاروں فٹ نیچے ایک انجانی مگر خوبصورت دنیا پھلتی چلی گئی تھی۔۔۔ نیچے کافی نیچے۔۔۔ ہرے بھرے جنگل تھے۔۔۔ بیچ میں ایک ندی

سینا بی سناپ کی طرح لہرا رہی تھی۔ ندی کے بائیں طرف گھاٹوں کی بڑی بڑی ٹہری
 چراگاہیں تھیں... جن میں چرتی ہوئی گاٹیں یہاں سے کھلونوں ایسی معلوم
 ہو رہی تھیں... بائیں طرف کا حصہ پتھر بلیا تھا... دور تک چھوٹی چھوٹی
 چٹانیں بلند ہوتی چلی گئی تھیں اور ان چٹانوں کے بیچ میں گھاٹوں پھوس
 سے بنی ہوئی جھونپڑیاں یوں معلوم ہوتی جیسے جلے ہوئے کیک بکھرے
 پڑے ہوں... اور جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے وہاں سے یہ سبزہ زار
 جھونپڑیاں اور ندی یوں معلوم ہوتی جیسے کسی مکتور نے ہمارے قدموں
 تلے اپنی شاہکار تصویر بچھا دی ہو... اور ہمارے سروں پر کوہ سباز کی
 برف پوش چوٹیاں تھیں جن پر سورج کی شعاعیں رقص کر رہی تھیں۔

ہم ایک طرف بیٹھ کر اس خوبصورت منظر کی تعریف کرنے لگے۔
 ”میرے خیال میں سلواہٹا نے اپنے نقشہ میں کسی جگہ شاہراہ سلیمان
 بھی بتائی ہے۔ کیوں؟“ ہنزی نے کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
 ”تو پھر دیکھو۔ وہ ہے شاہراہ سلیمان“ ہنزی نے ایک طرف اشارہ کیا
 میں نے اور گڈ نے اس طرح دیکھا جس طرف ہنزی نے اشارہ کیا تھا۔
 ایک فراخ راستہ پیاروں میں سے نکل کر ایک طرف مڑ گیا تھا۔ تعجب ہے
 کہ اس سے پہلے ہم میں سے کسی کی نظر اس راستہ پر نہیں پڑی۔
 ”اگر ہم دائیں طرف چل دیں تو راستہ پر پہنچ جائیں گے، گڈ نے کہا
 ”تو کیا خیال ہے پھر چلا جائے؟“

گڈ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ہم اٹھے۔ چند منٹ ہاتھ دھوئے
 اور شاہراہ سلیمان کی طرف چل پڑے۔ ایک میل تک بیچ دربیچ چٹانوں اور

گنج سلیمان

بے ترتیب برف کے تودوں کو طے کرنے کے بعد ہم جیسے ہی ایک موڑ مڑے
شاہراہ سلیمان ہمارے قدموں میں بھتی۔

مضبوط چٹان کاٹ کر یہ پندرہ فٹ چوڑا راستہ بنایا گیا تھا اور
اب تک اچھی حالت میں تھا... ہم چل کر اس راستہ پر جا کھڑے ہوئے۔
ہمارے پیچھے سو فٹ کی دوری پر یہ راستہ چٹانوں میں غائب ہو گیا تھا۔
"کو اٹری میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ راستہ ان چٹانوں سے ہی شروع
ہوا ہے؟" ہنری نے کہا۔

"میری تو خاک بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے" میں نے سر ہلا کر کہا۔
"میرا خیال ہے راستہ یہاں سے شروع یا ختم نہیں ہوتا" گڈ نے
کہا۔ "یہ پہاڑوں کو کاٹتا ہوا صحرا کو عبور کرتا ہوا اس جگہ پہنچتا ہوگا
جہاں سے ہم چلے تھے صحرا میں آتش فشاں پہاڑ پھٹا ہوگا اور لاوا اس
راستہ پر آ کر جم گیا ہو گا۔"

ہنری نے کہا۔

ہم لوگ اس صدیوں پرانے راستے پر چل پڑے... جیسے جیسے ہم
لوگ بڑھتے جا رہے تھے ہوا خوشگوار ہوتی جا رہی تھی۔ اگر یہاں میں
اس راستے کے بارے میں کچھ تحریر نہ کروں تو میری انتہائی بد ذوقی اور
ناقدر شناسی کی دلیل ہوگی۔"

اس زمانے کے معماروں کی قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے۔ ایک جگہ
گہرا کھڈ تھا اور یہ راستہ اس پر سے گزر گیا ہے اور آپ جانتے ہیں کس
طرح؟ بڑے بڑے پتھروں کو آپس میں ملا کر کھڈ کے اس سرے سے
اس سرے تک ایک پل سا بنا دیا گیا تھا۔ صدیاں گزر گئیں لیکن آج تک

س پل کا ایک پتھر بھی اپنی جگہ سے ہلا نہیں تھا۔ ایک جگہ یہی راستہ بل کھانا
 ہوا انتہائی دشوار گزار پہاڑیوں پر سے گزر گیا تھا۔ ایک اور جگہ مضبوط
 چٹانیں کاٹ کر سرنگ بنا ٹھگی تھی اور راستہ اس سرنگ سے گزرتا تھا
 چٹانیں اس قدر مضبوط تھیں کہ اگر زیادہ کوان چٹانوں کو کاٹنے کے لیے کہا
 جاتا تو کھڑی بھر میں اس کا عشق ہوا ہو جاتا۔۔۔ سرنگ کی دیواروں پر
 مٹی مٹی سی تصویریں بنی ہوئی تھیں جو مہری آرٹ کا نمونہ تھیں۔
 دوپہر تک خلائی ٹورٹ مرافت طے کر کے ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے
 پہاڑیاں جتنی اور ہرے بھرے جنگل شروع ہوتے تھے۔۔۔ اکا دکا اکی
 ہوئی جھاڑیوں نے سر ہلکا کر ہمارا استقبال کیا۔۔۔ جیسے جیسے ہم آگے
 بڑھتے گئے جھاڑیاں گھنی اور تعداد میں زیادہ ہوتی گئیں۔ آخر کار ہم
 صحرا کے اس عظیم راستہ نے ہمیں عجیب قسم کے خود رو درختوں کے جنگل میں
 پہنچا دیا۔

”واہ یہاں تو کافی ایندھن جمع ہے“ گڈ نے کہا: ”چلیو یار پہلے
 گوشت وغیرہ بھون کر پیٹ پوجا کی جائے“
 چنانچہ ہم لوگوں نے شاہراہ سلیمان کے قریب ایک چشمہ پر ڈیرے
 ڈال دیئے۔ آگ سلگائی اور اس پر گوشت بھونا جانے لگا۔ گوشت
 کی مت کن ذرنبو نے ہمارے معدے میں بلچل سی پیدا کر دی اور ہم
 بے صبری سے اس کے تیار ہونے کا انتظار کرنے لگے اور جب گوشت
 بھن کر تیار ہو گیا تو ہم بھوکے چلیوں کی طرح اس پر ڈٹ پڑے۔ اس
 وقت اگر کوئی ہمیں ٹوچ ٹوچ کر گوشت کھاتے دیکھتا تو وہ ہمیں قبل از
 مسیح کا انسان سمجھتا۔

گنج سلیمان

گوشت کھا سکنے کے بعد ہم نے پائپ جلائے۔۔۔ چاروں طرف گھاس کا فرش بچھا
اور آٹھا چشمہ نئی بیاری ہوئی رطوبت کی طرح آہستہ آہستہ بہ رہا تھا۔ ہوا بھاری
میں گھس کر گنگنا رہی تھی اور ہم گویا اپنے آپ کو جنت میں پارے تھے۔ ہنری
اور اعبو پاجا نے اشاروں میں کیا باتیں کر رہے تھے اور میں ہیر پھیلانے لگا
پیر آکھیں نیم وا کئے پڑا ہوا تھا۔

گڈ غائب تھا۔۔۔ اور یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کہاں گیا میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔
گڈ اپنے کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے جسم پر صرف قمیض اور لنگوٹ تھا
پتلون کو وہ ایک ماہر دھو بی کی طرح مل مل کر دھو رہا تھا کوٹ اور موزے
گھاس پر پڑے سوکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس نے پتلون کو بھی گھاس پر
پھیلا دیا (یقیناً وہ اس بات کا منتظر تھا کہ پتلون اور کوٹ سوکھ جائیں تو
انہیں پہن کر قمیض دھولے) پتلون گھاس پر پھیلا سکنے کے بعد اس نے
اپنے جوتے سارے دوران پر "انکو" کی چربی ملنے لگا۔ (یہ چربی اس نے
انکو کے جسم سے نکال کر اس وقت تک سمجھا رکھی تھی) چربی رگڑنے سے
شاید جوتوں میں چمک آگئی تھی کیونکہ گڈ کے ہونٹوں پر کامیاب سگراہٹ
پھیل گئی۔۔۔ اس نے چربی کو جوتوں پر رگڑا اور سر ہلا کر دل ہی دل میں
اپنی اپنی داد دی۔۔۔ جوتے پہن کر اس نے چرمی تھیلا کھولا۔۔۔ چرمی
تھیلا میں ہاتھ ڈال کر کچھ دیر تک کھڑکھڑا کر تارا اور پھر ایک تھوٹی
سی کنگھی اور آئینہ نکالا اور ماہر مشاہدہ کی طرح اپنے بال بنانے لگا لیکن
معلوم ہوتا ہے وہ اس سے مطمئن نہ ہوا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس
نے اپنی ٹھوڑی بھلائی جہاں دس دن کی وار بھی جھاڑ بھنکار کی طرح اگی ہوتی
"اٹھ۔ اب یہ شیو کرے گا؟ اور کہیں کا؟" میں نے سوچا۔

گڈ نے چربی کے اس ٹکڑے کو جس سے جوتوں کو چمکا دیا تھا جیتھ میں ڈھویا اور پھر چرمی تھیلا میں ہاتھ کو غوطہ دے کر ایک سفیدی ریزر برآمد کیا چربی کو دیر تک گالوں اور ٹھڈی پر گھستارہا پھر ریزر کو بڑھی ہوئی دائرہ پڑھا لگا کر نیچے کی طرف گھسیٹا... چربی کی آواز آئی اور ساتھ ہی گڈ مارے تکلیف کے اکرٹوں ہو بیٹھا "گڈ کیا یار... اس کی ایسی کی تھیسی" وہ بڑبڑایا۔

اس نے پھر دائرہ ہی بنانی شروع کی اور ایک طرف کی نصف دائرہ ہی بنانے میں کامیاب ہو گیا... اس نے دوسرے کال پر ریزر رکھا اور... "سموں" سے کوئی چیز بجلی کی طرح چمکتی ہوئی گڈ کے سر پر سے گزر گئی وہ بڑبڑا کر اٹھا (اور اس طرح سے کہ اگر سفیدی ریزر کے بجائے امتر اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ حلق میں اتر گیا ہوتا) میں بھی اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور حیران تھا کہ یہ کیا بلا تھی۔

اور بڑکچھ میں نے دیکھا، اس کی وجہ سے میرا خون نمشک ہو گیا۔ مجھ سے بیس فٹ اور گڈ سے دس فٹ دور عجیب لوگوں کا ایک گروہ کھڑا ہوا تھا اور اس گروہ سے کچھ آگے ایک جوان کھڑا ہوا تھا۔ اور اسی نے گڈ کی طرف نیزہ پھینکا تھا اور اسکا ہاتھ اب تک ہوا میں بلند تھا۔ ان لوگوں کے قدم لائے اور جسم سیاہ تھے گردنوں میں ہڈیوں کی مالائیں لٹک رہی تھیں اور جسم پر جانوروں کی کھالیں پیٹے تھے اور ان کے چوڑے پوڑے چہرے پر آنکھیں بٹن کی طرح ٹلکی ہوئی تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک بوڑھا شخص آگے بڑھا اور اس نے نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر چپکے چپکے ہی اس سے باتیں کیں اور پھر ان لوگوں کا پورا گروہ نیزے تانے ہماری طرف بڑھنے لگا... اہو پاپا، گڈ اور ہنری نے اپنی اپنی مزدوق

کی نال ان لوگوں کی طرف کر دی لیکن وہ بے خوف و خطر آگے بڑھتے رہے۔ مجھے خیال آیا کہ شاید آج سے پہلے ان لوگوں نے اس قاتل ہتھیار کو دیکھا بھی نہیں۔

”بند وقتیں رکھ دو“ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور انہوں نے ایسا ہی

کیا میں ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اور اس بوڑھے شخص کو مخاطب کیا جس نے بھالا پھینکنے والے نوجوان سے کاناپھوسی کی تھی۔

”خوش آمدید“ میں نے زولوزبان میں کہا۔ (مجھے پتہ نہیں تھا کہ ان

لوگوں کی زبان کون سی تھی)۔

”خوش آمدید“ بوڑھے نے ٹوٹی پھوٹی زولومیں کہا جس کا مطلب میں

اور امبو باجوبی سمجھ گئے۔

”کہاں سے آئے ہو تم لوگ؟ اور کون ہو؟“ بوڑھے نے تھکنا انداز میں کہا۔

”تم تینوں کے منہ اتنے مفید کیوں ہیں اور اس چوتھے شخص کا رنگ ایسا کیوں

ہے۔ جیسے وہ ہماری ہی ماں کا بچہ ہو؟“ اس نے امبو پا کی طرف اشارہ کیا۔۔۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو واقعی امبو پا کا رنگ اور چہرہ مہرہ ان لوگوں ایسا ہی تھا۔

”ہم لوگ اجنبی ہیں اور لڑائی جھگڑے کے ارادے سے نہیں آئے“ میں

نے رک رک کر کہا تاکہ وہ میرا مطلب سمجھ جائے۔ ”اور یہ شخص ہمارا ملازم ہے۔“

”جھوٹ بکتے ہو تم؟“ بوڑھا گرجا۔ ”کوئی بھی انسان ان ہاروں کو عبور نہیں

کر سکتا جہاں ہر چیز برف ہو کر رہ جاتی ہے تم کہتے ہو تم اجنبی ہو؟“

”اچھالیوں ہی سہی۔۔۔ تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔۔۔ کوئی بھی اجنبی

ہماری اس سرزمین کو آؤ نہیں زندہ نہیں رہ سکتا۔۔۔ اور یہ ہمارے بادشاہ

کا حکم ہے۔“

بوڑھے نے کچھ اشارہ کیا اور تمام لوگوں کے ہاتھ بائیں طرف گئے۔ جہاں

ان سب کی مگر سے بڑے بڑے تیز چاقو لٹک رہے تھے چشم زون میں ہماری نگاہوں کے سامنے بجلیاں سی کوئنگئیں۔ وہ لوگ اپنے ہاتھوں میں چاقو لے حکم کے منتظر تھے۔
”کیا بکتا ہے، جینگی، گڈ نے پوچھا۔“

”وہ ہمیں مار ڈالنے کے لئے تیار کھڑے ہیں... گڈ دعا کر، ہمارا وقت آ پہونچا ہے۔“ میں نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

”او خدا، سچا تو گڈ بڑ بڑایا۔ اور اس نے انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے مصنوعی دانتوں کا اوپری چوکھٹا باہر نکالا اور پھر واپس منہ میں چڑھا لیا۔ بوڑھا اور اس کے ساتھی لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹے۔“

”کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

یہ گڈ کے مصنوعی دانتوں کی کرامت ہے، ”ہنری کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی، گڈ خدا کیلئے جلدی سے اپنے دانت باہر نکالو۔“

گڈ نے اپنے دانت نکال کر متھیلی پر رکھے اور پھر قمیض کی جیب میں ڈال لئے... کو کو آؤ کے لوگوں کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے پھیل گئیں۔ وہ ہمیں ختم کر دینے کا فرض بھول کر لرزتے قدموں سے ہماری طرف بڑھے۔

”اجنبی لوگو“ بوڑھے نے بڑی ملائم آواز میں کہا: ”کیا وجہ ہے کہ یہ موٹا شخص (اس نے گڈ کی طرف اشارہ کیا) جس کی ٹانگیں ننگی اور دھڑ دھکا ہوا ہے اور جس کے ایک گال پر بال اُگ رہے ہیں اور دوسرا گال ہماری متھیلی کے مانند صاف ہے اور جس کی ایک آنکھ ایسی ہے جسے ہم نے آج تک نہیں دیکھا (اس کا اشارہ گڈ کی ایک چشمی عینک کی طرف تھا) یہ شخص کس طرح سے جب چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق اپنے دانتوں کو منہ سے نکال لیتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس منہ میں رکھ لیتا ہے؟“

”گڈ منٹھ کھولو“ میں نے کہا۔ اور اس نے غصہ سے عراتے ہوئے منٹھ کھول دیا۔ دانت تو وہ پہلے ہی قمیض کی جیب میں رکھ چکا تھا۔ چنانچہ اس کے سرخ سرخ مسوڑھے نظر آئے۔

”اس کے دانت کہاں گئے؟“ بوڑھا خوف اور حیرت سے اچھلا۔ میں نے ابھی ابھی اس کے منٹھ میں دانت دیکھے تھے۔“

میں نے گڈ کو اشارہ کیا۔ اس نے گردن موڑ کے چپکے سے دانت چڑھائے اور پھر بڑی زور سے ”ہاؤ“ کہہ کر منٹھ پھاڑ دیا۔ اس کے مصنوعی دانت منٹھ میں چپک رہے تھے... کوکوآنہ کے لوگوں کے منٹھ سے چیخیں نکلی گئیں اور بوڑھا تو اس زور سے لرزا کہ اس کے گھٹنے آپس میں ٹکرانے لگے اور وہ نوجوان جس نے گڈ کی طرف نیزہ پھینکا تھا ہمارے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔

”آپ انسان نہیں ہیں!“ نوجوان نے کہا۔ ”آج تک دنیا کی کسی عورت نے ایسا بچہ نہیں جنا جس کے ایک گالی پر بال ہوں اور ایک آنکھ چمکتی ہو اور وہ جب چاہے اپنے دانتوں کو منٹھ میں گھلا دے اور جب چاہے انہیں واپس لے آئے... ہمیں معاف کرنا آقا۔“

میرے دماغ میں ایک خیال آیا اور میں نے دل ہی دل میں اپنی ذہانت کی داد دیتے ہوئے کہا: ”ہم نے تمہیں معاف کیا... نوجوان تم نے ٹھیک سمجھا۔ ہم اس دنیا کے لوگ نہیں ہیں جس میں تم بستے ہو... ہم تو ستاروں کے باسی ہیں اور اس دنیا سے آئے ہیں جسے تم چاند کہتے ہو۔“

کوکوآنہ کے لوگوں کا گردہ بھڑوں کے چھتے کی طرح بھن بھنایا۔

”ہاں!“ میں نے کہا: ”ہم ستاروں کی دنیا سے آئے ہیں... اور دیکھو

اے دوستو... کوئی اور شخص جو تمہارے قبیلہ سے نہ ہو تمہاری زبان میں

باتیں کر سکتا ہے؟ نہیں، لیکن میں کر سکتا ہوں... اور یہ اس لئے کہ ہم ستاروں سے آئے ہیں۔“

”میرے آقا، بوڑھے نے کہا: ”آپ ہماری زبان بولتے تو ضرور ہیں لیکن ٹوٹی بھوٹی، اس کی کیا وجہ ہے؟“

میں نے تیز نظروں سے بوڑھے کو گھورا تو اس کے چہرے پر ہواٹیاں چھوٹنے لگیں۔ ”کو کو آؤ کے لوگو،“ میں نے کہا۔ ”ہم اتنا طویل سفر کر کے آئے تو تم نے ہمارا استقبال کس طرح کیا؟ اس نوجوان نے اس شخص کو مار ڈالنے کی کوشش کی جو اپنے انت پگھلا سکتا ہے... نوجوان کو اس کی سزا بھیگتی ہو گی۔“

”اسے سزا دے دیجئے میرے آقا،“ بوڑھا گرگڑایا ”یہ ہمارے بادشاہ کا لڑکا ہے میرا بھتیجہ ہے۔ اگر یہ مارا گیا تو اس کا باپ اپنے لڑکے کے عوض میں تجھے قتل کر دے گا۔“

”شاید تم لوگ ہماری طاقت سے واقف نہیں! اچھا ٹھہرو میں تمہیں اپنی طاقت کا ایک ادنیٰ کوشمہ دکھاتا ہوں!“ پھر میں امبو پا سے مخاطب ہوا۔

”میری وہ جادوئی نالی لاؤ جو چلاتی ہے۔“ اور میں نے آنکھوں سے بندوق کی طرف اشارہ کیا۔

امبو پا اٹھا اور اس نے بندوق پیش کرتے ہوئے کہا: ”لیجئے اے آقاؤں کے آقا اور شاہوں کے شاہ۔“

سڑگر کی دوری پر ایک اینٹ لوپ کھڑا تھا اور میں اسی کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ ایک بے زبان جانور کی جان بے مقصد لینا ایک ظالمانہ فعل ہے۔ لیکن جب اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہوں تو اسے بچانے کے لئے ہر شخص جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے۔“

”تم اس چوپائے کو دیکھ رہے ہو نا“ میں نے اینٹ لوپ کی طرف اشارہ کیا: ”کیا ایک حقیر انسان جو ایک نانی عورت کے غلوں سے پیدا ہوا ہو یہیں کھڑے کھڑے ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ اسے مار کر گرا سکتا ہے؟“

”نہیں میرے آقا“ بوڑھے نے کہا۔

”لیکن ہم ایسا کر سکتے ہیں۔“

”میرے آقا۔ مذاق کر رہے ہیں“ بوڑھا مسرایا۔

”تو تمہارا خیال ہے کہ میں جھوٹ کہتا ہوں؟ اچھا دیکھو“ میں نے

مصنوعی غصہ سے کہا اور بندوق اٹھائی... نشانہ خطا ہونے کی صورت

میں تمام پٹے بنائے کھیل کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا... اینٹ لوپ بے بسی و حرکت کھڑا تھا۔

خدا کا نام لے کر میں نے گھوڑا چڑھایا اور لمبلی دیادی... دھائیں۔

اینٹ لوپ ہوا میں اچھلا اور دروازے سے نکلی ہوئی کیل کی طرح

بے جان زمین پر گرا۔

کو کو آنہ کے لوگوں کا پورا گروہ ہمارے سامنے سجدہ ریز تھا۔

”اگر تم اس کا گوشت کھانا چاہتے ہو تو جاؤ اسے لے آؤ“ میں نے

بڑے سکون سے کہا۔

بوڑھے کے اشارہ پر ایک شخص گروہ میں سے نکل کر اینٹ لوپ کی

طرف چلا اور اسے کاندھے پر لادنے ہماری خدمت میں حاضر ہوا...۔

گولی اینٹ لوپ کی گردن میں لگی تھی... تمام لوگ اینٹ کے گرد حلقہ

باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

”دیکھا میں جھوٹ نہیں لبتا تھا“ میں نے کہا۔

وہ لوگ خاموش رہے۔

”اگر اب بھی تم کو ہماری طاقت پر شک ہو تو تم میں سے ایک شخص اسی جاگھڑا ہو جہاں یہ چوپایہ کھڑا تھا۔ اسے بھی مار کر اٹوں گا۔“ میں نے ان پر اور زیادہ رعب ڈالتے بڑے کہا۔

اور لوگ تو خاموش رہے لیکن بادشاہ کالٹ کا بوڑھے سے مخاطب ہوا
 ”تم اس جگہ جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ جانور جادو کے زور سے مرا ہے اور جو
 جادو جانوروں پر اثر انداز ہو وہ انسانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“
 بوڑھے کو اسی کی یہ تجویز بہت ہی بری معلوم ہوئی چنانچہ وہ منہ بنا کر بولا
 ”بس بس۔ میری ان بوڑھی آنکھوں نے بہت تماشہ دیکھ لیا۔ یہ لوگ بہت
 بڑے جادوگر ہیں۔۔۔ ہم انھیں بادشاہ کے حضور لے چلتے ہیں۔ اور تم اگر
 ان کے جادو کا اور تماشہ دیکھنا چاہتے ہو تو بادشاہ ہی کو سامنے کھڑا کرنا تاکہ
 یہ جادو کی نالی انہی سے بات کرے۔“

معلوم ہوتا ہے چچا بھتیجے میں بنتی نہیں تھی۔ آ رہا
 ”ان کے جادو کو ہمیں۔۔۔ نے جسموں پر نہیں چاہیے“ ایک شخص نے
 کہا: ان لوگوں کے پاس ایسا جادو ہے کہ کو کو آندے کے تمام جادوگر مل کر بھی
 ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“

”تم شک کہتے ہو۔“ بوڑھے نے کہا: ”اے ستاروں کے اولاد۔۔۔ اور
 اے چمکتی آنکھ اور جادوئی دانت والو! اور اے بادوباراں کے دیوتا۔۔۔
 میرا نام انفادوس ہے۔۔۔ اور میں کافی کالٹ کا ہوں جو کو کو آندے کا بادشاہ تھا
 اور جو ان کا نام سکارگاہ ہے اور یہ موجودہ بادشاہ کالٹ کا ہے۔“

”اسی ظالم نے تو مجھے ختم ہی کر دیا تھا۔ کون جانے کون سی نیکی آرٹے آگئی جو میں سچ گیا۔“ گڈ نے کہا۔

”سکار گاہا۔ ہمارے شہنشاہ ٹوالہ کارٹ کا ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”وہ ٹوالہ جو ہزاروں عورتوں کا خاوند ہے اور کوکو آنا کا آقا اور خدا ہے... وہ ٹوالہ جو بڑے راستے کا محافظ ہے۔ وہ انسان کے روپ میں دیوتاؤں کا قہر ہے... ٹوالہ کے حضور میں ایسے لوگ حاضر رہتے ہیں جو کالا جادو جانتے ہیں... اس کے جلو میں بے شمار انسانوں کا لشکر ہے... ٹوالہ جس کی ایک آنکھ ہے جس کا دل پتھر ایسا سخت اور جس کا رنگ زہریلے سانپ ایسا ہے۔ ٹوالہ جو بڑی جاہ و حشمت کا اور قہار و اور جبار ہے۔“

”اچھا تو ہمیں ٹوالہ کے حضور میں لے چلو۔“ میں نے کہا۔ ”ادنی انانوں سے بات کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔“

”آپ کے حکم کی تعمیل میں ہمیں کوئی عذر نہیں۔“ انقادوس نے کہا۔

”لیکن راستہ تین روز کا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہم راستے کا تکالیف سے مر نہیں جائیں گے۔ کیونکہ

ہمارے لئے تمنا نہیں... چلو ہماری راہبری کرو... اور دیکھو انقادوس

اور سکار گاہا میں تمہیں خبردار کرتا ہوں۔ تم سے کوئی چال بازی کرنے کی

کوشش نہ کرنا۔ خیالات کا پتہ ہمیں پہلے ہمارے چل جاتا ہے... اور جب

ہمیں تمہارے برے خیالات کا پتہ چلے گا تو اس شخص کی جادوئی آنکھ سے

(میں نے گڈ کی طرف اشارہ کیا) تیز تیزی شعاعیں پھوٹیں گی جو تمہیں

اور تمہارے پورے ملک کو جلا کر خاک و سیاہ کر دیں گی۔ اسکے دانت

تمہاری ہڈی پہلی تک چبائیں گے۔ ہماری جادوئی نالیاں کو کو آ نہ پر گرجیں گی

اور پی بھر میں ہر چیز کو فنا کر کے رکھ دیں گی۔“

میری اس لمبی چوڑی تقریر کا ان لوگوں پر خاصا اثر ہوا۔

”کوم۔ کوم۔“ انقادوس نے کہا (بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ وہاں کا شاہی سلام

تھا)۔۔۔ انقادوس کے اشارے سے اس کے ساتھیوں نے ہمارا تمام سامان

سوائے بندوق کے اٹھالیا آپویا دیو کا کہ گڈ نے اپنے کپڑے دھو کر گھاس پر

پھیلائے تھے اور وہ صرف قمیض اور ٹنگوٹے پہنے ہوئے تھا۔۔۔ ایک شخص نے

گڈ کے کپڑے اٹھا کر اپنی بغل میں دبائے۔۔۔ گڈ نے دیکھا اور وہ گالیاں بکتا

اپنے کپڑوں کی طرف لپکا۔ وہ شخص جو گڈ کے کپڑے اٹھائے ہوئے تھا۔ اچھل کر

ایک طرف ہوا۔

”میرے آقا آپ کا سامان یہی شخص اٹھائے گا۔“ انقادوس نے کہا۔

”لیکن میں اپنے کپڑے پہننا چاہتا ہوں۔ بیوقوف گڈ ہے۔“ گڈ گرجا۔

امبو پانے گڈ کی بات انقادوس کو سمجھادی۔

”میرے آقا۔ کیا آپ ہم سے عفا ہیں جو خوبصورت ہاتھی دانت ایسے پیروں

کو ہم غلاموں کی نظروں سے چھپانا چاہتے ہیں؟“ انقادوس نے کہا۔

”کیا خردماغوں سے پالا پڑا ہے۔“ گڈ بڑبڑایا اور ہنس پڑا۔

”دیکھو گڈ۔“ ہنری نے کہا۔ ”تم ان لوگوں کے سامنے عجیب ہیت میں ہو

اور جب تک ہم ان لوگوں میں ہیں۔ تمہیں صرف قمیض اور جوتے پہن کر رہنا

ہوگا اور یاد رہے ایک چشمی عینک کبھی تمہارے آنکھ سے نہ اترے۔

”ہنری ٹھیک کہتے ہیں گڈ۔“ میں نے کہا۔ ”اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری داڑھی

اسی طرح سے نصف منڈی ہوئی رہنی چاہئے۔ اگر ان چیزوں میں سے کسی

ایک میں بھی تبدیلی ہوئی اور ہمارا راز فاش ہوا تو یہ لوگ سخت تکالیف دیکر

ہمیں ماریں گے۔“

”کوٹڑ میں واقعی تم سنجیدہ ہو؟“ گڈ نے کہا۔

”ہاں، گڈ میں مذاق نہیں کر رہا... تمہارے یہ خوبصورت سفید پیر اور

اس ایک چشمی عینک سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے، شکر کرو کہ تم جوتے پہنے ہوئے ہو۔“

گڈ نے ٹھنڈی سانس لی لیکن کچھ کہا نہیں۔ اس نئی زندگی کا عادی ہونے

میں اسے پندرہ روز لگ گئے۔

ساری دوپہر ہم شاہراہ سلیمان پر چلتے رہے۔ انفادوس اور سکسار گاہم لوگوں

کے شانے بہ شانے اور اس کے ساتھی ہمارا ارمان اٹھائے ہم سے چند قدم آگے آگے

چل رہے تھے۔

”انفادوس یہ راستہ کس نے بنایا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”میرے آقا، کوئی نہیں جانتا کہ راستہ کب اور کس نے بنایا ہے... ایک

گگول ہے جو اس راستہ کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔ گگول ہمارے بادشاہ

کی نامی جادوگر فی ہے۔ اور وہ پشت اپشت سے زمدہ ہے... اب کوئی بھی

فانی انسان ایسا فراخ اور مضبوط راستہ نہیں بنا سکتا۔ اس لئے ہمارا بادشاہ

خاص طور پر اس راستے کی حفاظت کرتا ہے۔“

”اچھا تو وہ تصویریں کس نے بنائیں جو اس راستے کی ایک سرنگ میں ہیں۔“

”جن لوگوں نے راستہ بنایا ان ہی لوگوں نے وہ تصویریں بنائی ہوں گی۔“

اور میں عرض کر چکا ہوں میرے آقا کہ کوئی بھی اس راستے کے بارے میں

کچھ بھی نہیں جانتا ہے۔“

”تمہارا قبیلہ یہاں کب سے آباد ہے؟“

”یہ بات ہمارے بوڑھوں نے ہمیں بتائی تھی کہ ہمارا قبیلہ صدیوں سے

یہاں آباد ہے۔۔۔ ہمارے آباؤ اجداد شمال کی طرف سے یہاں آئے تھے۔

گنگول جو کوکو آرنہ کی غلط ترین شخصیت ہے اور جو ماضی اور مستقبل کے بارے

میں جانتی ہے وہ بھی یہی کہتی ہے کہ اس ملک کی آب و ہوا نہایت موزوں

ہے۔ اس لئے ہمارے اجداد کا خاندان یہاں پھیلا بڑھا۔۔۔ ان کی اولاد یہاں

رہ کر بہادر اور طاقتور ہو گئی۔ اب ہماری تعداد اور ریت کے ذروں اتنی ہو گئی

ہے اور جب ٹوالہ ہمیں جنگ کے لئے پکارتا ہے تو ہماری تعداد سے روٹے

زمین کا کافی حصہ ڈھک جاتا ہے۔“

”جنگ کے لئے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ کوکو آرنہ ناقابل عبور پہاڑوں

کی پناہ میں ہے تو پھر ایسا کون بہادر ہو گا جو ان پہاڑوں کو عبور کر کے تم

پر حملہ کرے؟“

”شمال کی طرف پہاڑ نہیں ہیں اور ان کا دکانہ میں بھی تو معمولی۔ اسی طرف

سے ہم سے تین پشتوں پہلے کچھ انجانے لوگ ہم پر چڑھا آئے تھے۔۔۔ بڑا

گھسان کاران پڑا تھا۔ اس وقت ہمارے بہادروں نے دشمن کے دانت

کھٹے کر دیئے تھے اور ان کے ہزاروں آدمی کھیت رہے تھے۔ تب سے آج

تک کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی۔

”تب تو تمہارے ملک کے سپاہی بیکار پڑے پڑے عاجز آ گئے ہونگے

اور ان کے ہتھیار زنگ آلود ہو گئے ہوں گے۔“

”یہ بات نہیں میرے آقا۔ تین پشتوں پہلے جو جنگ ہوئی تھی اسکے بعد

ایک جنگ ہوئی لیکن وہ جنگ خانہ جنگی تھی یعنی کتاکتے کو کھار رہا تھا۔
 ”وہ کیسے؟“

”ٹوالہ.... جویرا سو تیلابھائی ہے۔ اس کا ایک اور بھائی تھا۔ دونوں ہم
 عرصے... اب یہ ہمارے یہاں کا قانون ہے کہ جب دو بچے شاہی گھرانے میں ایک
 ہی عمر کے ہوں تو کمزور بچے کو قتل کر دیا جاتا ہے اور تاج و تخت کا وارث ٹھہرتا ہے
 بچہ بنتا ہے لیکن مرحوم بادشاہ کی بیوی کو اپنے کمزور بچے سے بہت محبت تھی چنانچہ
 اس نے اسے کہیں چھپا دیا تاکہ وہ زندہ رہے۔ یہی بچہ ٹوالہ ہے۔ جو اس وقت
 کر کوآنہ کا بادشاہ ہے۔“
 ”اچھا پھر“

”میرے آقا یوں ہوا کہ کافی میرا اور ٹوالہ کا باپ مر گیا اور اس کی جگہ اسکے
 لڑکے ایٹا ٹو کو بادشاہ بنایا گیا اور اس کے گھر ایک لڑکے کا پیدا ہوا۔ یہ وہ
 زمانہ تھا جبکہ ہم لوگوں نے ابھی ابھی جنگ سے فراغت پائی تھی اور ملک میں
 سخت قحط پڑا ہوا تھا... اس وقت گنگول نے ان لوگوں سے کہا کہ ملک پر
 دیر تا دیر کا غضب قحط کی شکل میں اس لئے نازل ہوا ہے کہ ایسا ٹوہ سارا بادشاہ
 ہے۔ اس وقت ایسا ٹو ایک زخم کی وجہ سے اپنے جھونپڑے میں پڑا ہوا تھا۔
 گنگول ایک جھونپڑے میں گھس گئی اور ٹوالہ کو اپنے ساتھ لے آئی جس کو اس
 نے پہاڑوں اور جنگلوں میں اب تک چھپا رکھا تھا۔ گنگول نے ٹوالہ کے جسم پر سے
 کپڑے ہٹا کر لوگوں کو دکھایا کہ اس کی بزرگی کے گرد سانپ کی تصویر بنی ہوئی ہے (یہ
 ہمارے ملک کے شاہی خاندان کی نشانی ہے) یہ تصویر لوگوں کو دکھا کر گنگول نے
 کہا کہ اے لوگو! تمہیں میرا متشکر ہونا چاہئے کہ میں نے تمہارے حقیقی بادشاہ کی
 اب تک حفاظت کی ہے اور تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم ٹوالہ کو کوآنہ کا

بادشاہ تسلیم کر لو۔“

”لوگ بھوک سے پاگلی ہو رہے تھے۔ انہیں اچھے برے کی تیز رفتاری اور گول کے علم پر انہیں پورا بھروسہ تھا۔ چنانچہ وہ چلائے ”ہمارا بادشاہ ہمارا بادشاہ“ میں جانتا تھا کہ یہ سب دھوکا ہے۔ لوالہ کو کو آرنہ کا تختی بادشاہ نہیں ہے۔ لیکن میں اکیلا کر گیا کرتا تھا۔ شور سن کر ایسا ٹولہ بستر سے اٹھا اور اپنا وفادار بیوی کے کاندھے کا ہمارا لے کر بھونپڑی کے پاس آیا۔ پیچھے اس کا لڑکا آگنوسی بھی دروازے پر اکھڑا ہوا تھا۔“

”یہ کیا شور ہے؟“ ایسا لہو نے پوچھا۔ اور تم بادشاہ بادشاہ کیوں چلا رہے ہو؟ لوالہ بھوک کے کتے کی طرح اپنے رحیل اور انصاف پسند بھائی کی طرف لپکا اور اسے بالوں سے پکڑ کر زمین پر دے پٹخا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو کر اپنا چاقو ایسا ٹوکے سینہ میں دستہ تک اتار دیا۔ لوگ چلائے کہ لوالہ ہمارا بادشاہ ہے اور تب مجھے پتہ چلا کہ چشم زون میں کتنا بڑا انقلاب ہو گیا۔

”لیکن اس کی بیوی اور آگنوسی کا کیا بنا؟“ میں نے پوچھا۔ ”کیا ڈالنے ان دونوں کو بھی قتل کر دیا؟“

”نہیں میرے آقا۔ بد قسمت رانی نے جب دیکھا کہ اس کی خوشیوں کا سورج غروب ہو گیا ہے تو اس نے جلدی سے اپنے بچے کو اٹھایا اور ایک طرف بھاگی نکلی۔ دو روز بعد بھوک اور پیاس سے نعتہ حال وہ پھر کو آرنہ میں آئی لیکن کسی نے اس مصیبت کی ماری کو خوشک روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہیں دیا لیکن جبکہ رات ڈھل رہی تھی ایک چھوٹی سی لڑکی روٹی لے لوگیا کی نظروں سے بچتی رانی کے پاس گئی اور اسے کھانے کو دیا۔۔۔ بد نصیب بیوہ نے اس لڑکی کو دعائیں دیں اور آگنوسی کو سینہ سے لگائے اس برقیوشی

اڑوں کی طرف نکل گئی تب سے اب تک کسی نے اگنوسی اور اس کی ماں کو نہیں دیکھا۔ یقین ہے کہ وہ ان پہاڑوں میں مودہ اپنے بچے کے اڑ کر مرنے ہوگی۔
 "تو اگر اگنوسی زندہ ہوتا تو وہی کو کو آتے کا بادشاہ ہوتا۔"

"جی ہاں۔ میرے آقا۔ اس کی کمر کے گرد بھی سانپ کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ لیکن انسو میں مدت ہوئی کہ وہ اور اس کی ماں اس دنیا کو چھوڑ گئے۔"
 ہم غلام شاہ سے چلتے رہے۔

"وہ دیکھتے میرے آقا۔" انقادوس نے چند جھوٹے بیڑیوں پر مشتمل ایک گاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہاں وہ گاؤں ہے جہاں اگنوسی کی ماں آئی تھی۔ یہ دیکھی گئی تھی۔۔۔ ہم آج اسی گاؤں میں قیام کریں گے۔۔۔ لیکن اگر آپ کی مرضی ہو تب۔"

"انقادوس جبکہ ہم تم لوگوں کے ساتھ ہیں تو تمہاری مرضی ہماری ہے۔" میں نے کہا اور مہتری کو مخاطب کرنے کے لیے پیچھے مڑا اور امیر پا سے ٹکڑا کیا جو میری اور انقادوس کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔
 "ہو پا کے چہرے سے غم و غصہ ٹپک رہا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔"

باتوں باتوں میں ہم نے کافی راستہ طے کر لیا تھا۔ کوہ سبک کی برف پوش چوٹیوں کا کافی پیچھے چھوٹ گئی تھیں۔۔۔ اور اس طرف سے آئی ہوئی تھی۔
 پتھر ہوا یہاں آ کر بہت خوشگوار ہو گئی تھی۔ چاروں طرف مہری بھری گئی اس کے قسط پھیلتے چلے گئے تھے۔

انقادوس نے ایک شخص کو ہماری اطلاع دینے کے لئے گاؤں کی طرف دوڑا دیا تھا اور وہ ہم سے جدا ہو کر حیران کن تیزی سے بھاگا تھا۔

اور بقول انفرادوں اس تیزی سے تمام راستہ بھاگتا چلا گیا تھا اور انفرادوں نے میرے بھی پتہ یا تھا کہ تیزی سے بھاگنا کو کو آنہ کافی خاص تھا اور بچپن سے ہی اس کی تنظیم پر ایک کے لئے فریض قرار دی گئی تھی۔

جب ہم اسی گاؤں سے دوڑ میں دور تھے تبھی سے گاؤں کے لوگ جو قادیان

ہماری طرف آنے لگے ان کے تھوڑے اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہماری نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور لہجہ لہجہ ظاہر کیا کہ اس میں ان لوگوں کی کوئی چال نہ ہو۔ ہماری کے خوفزدہ لہجے کی وجہ سے انفرادوں اس کا مطلب سمجھ گیا۔

”آپ لوگ کچھ خوف نہ کریں۔ انفرادوں نے کہا: میں ان لوگوں کا اندازہ

ہوں اور یہ میرے حکم کے مطابق آپ کا استقبال کرنے آ رہے ہیں۔“

میں نے مسکرا کر سر ہلایا لیکن دل میں میرے بھی کھد بد ہو رہی تھی۔

گاؤں سے کوئی نصف میل دور راستہ ایک ٹیلہ پر سے ہو کر گزرتا تھا۔

ٹیلہ کے پرلی طرف میدان چھٹا ہوا تھا اور اس میدان میں لوگ گروہ

گروہ جٹا ہو رہے تھے۔ یہ واقعی ایک عجیب نظارہ تھا۔ ہر ایک گروہ

میں تین سو کے قریب سپاہی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور چاقو تھے۔

ان کے جسم رنگ برنگی کھالوں میں لپٹے ہوئے تھے اور جب ہم ٹیلہ سے نیچے

اترے تو تین ہزار چھ سو سپاہی راستہ کے دونوں طرف قطار بنا کر کھڑے

ہو گئے۔

ہم پہلے دستہ کے قریب سے گزرے اور ہماری نگاہوں نے ایسے سپاہیوں کو

دیکھا جنہیں آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تمام سپاہی بچی ہوئی عمروں کے

تھے کسی کی بھی عمر تیس چالیس سال سے کم نہیں تھی۔ ہر ایک شخص قد و

قامت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ تمام لوگوں کے قد چھ فٹ یا اس سے

گنچ سلیمان

۱۱۰

پندرہ بج بلند تھے۔ پیشانی پر بندھی ہوئی چمڑے کی مٹی میں رنگ ہو گئے پر لگے
 بوٹے تھے۔ مگر کے گرد دائیں پاؤں کے گھٹنے سے کچھ اوپر پیلوں کی ایسی
 بنیں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ اپنے بائیں ہاتھ میں بیس فٹ گولائی کی
 ڈھالیں اٹھائے ہوئے تھے۔ ڈھالوں کے کنارے پیٹ پیٹ کر کاغذ کی
 امداد ایک کر دیے گئے تھے اور اس پر عجیب و غریب نقش و نگار بنے
 ہوئے تھے جو ہماری فہم سے بالاتر تھے۔ ان کے ہتھیار بہت مختصر لیکن مہلک
 تھے۔ ہتھیاروں میں ایک تو چھوٹا سا نیزہ تھا جس کا پھل پتہ اچھا لبا اور
 اتنا ہی تھا۔ یہ نیزے دست بدست جنگ میں استعمال ہوتے تھے
 اور ان سے لقمہ کھایا ہوا انسان کسی صورت میں بچ نہیں سکتا تھا اور
 اس کے ہر ایک سپاہی کے پاس تین تین بھاری چاقو تھے جن کا وزن تین
 پونڈ سے کم نہیں ہو گا۔ ایک چاقو تو ان کی مگر کے گرد اپٹی ہوئی بیل کی دم
 میں لپٹا رہتا اور دوسرا ڈھالوں کے پیچھے سے بنے ہوئے چمڑے کے خولوں میں
 لگا رہتے۔ ان چاقوؤں کو "ٹولاس" کہتے ہیں۔ یہ پھینک کر مارے جاتے
 تھے۔ یہ چاقو سنسناتا ہوا پچاس گز تک جاتا تھا۔ ارمنہ وسطیٰ میں جو کام
 تیروں سے لیا جاتا تھا وہی کام ٹولاس انجام دیتے تھے۔

ہم ان لوگوں کے بیچ سے گزرنے لگے۔ ان کے افسروں نے اپنا نیزہ ہوا میں
 بلند کیا تو ساتھ ہی ہزاروں نیزے ہوا میں بلند ہوئے اور شاہی سلام کے
 الفاظ "کوم کوم" سے گرد و پیش کی زمین تھرا اٹھی۔

اسی طرح سے سلام وصول کرتے ہوئے ہم لوگ گاؤں کے گرد ایک میل
 کی گولائی میں گھدی ہوئی خندق تک پہنچ گئے۔ خندق کے پرلی طرف
 گاؤں کا شہر پناہ تھی جو بانس اور درخت کے موٹے موٹے تنوں کی مدد سے

گنج سلیمان

۱۱۱

بنائی گئی تھی... گاؤں کے صدر دروازے کے قریب ایک پل سا بنا ہوا تھا جو موٹے موٹے رسوں کی مدد سے خندق پر سے اٹھایا اور وقت ضرورت گرا دیا جاتا تھا... ہم اس پل پر سے گزر کر ال میں داخل ہوئے۔

کراال کے بیچوں بیچ سے چار راستے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے چار سمتوں کی طرف جا رہے تھے... اور چھوٹی پٹریاں راستوں کے ایک طرف مربع میدان میں بڑے سلیقہ سے بنی ہوئی تھی۔ تھوٹی پٹری کے دروازے غیر ضروری مدت تک اونچے اور چوڑے تھے۔ ہر ایک تھوٹی پٹری کے سامنے ایک چھوٹا سا صحیبا چھانڑوا تھا جو گائے اور بیل کے گوبر سے لیسپ پوت کرتا رہتا گیا تھا۔

کراال میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ سڑک کے دونوں کناروں پر بے شمار عورتیں کھڑی حیرت اور خوف سے ہم لوگوں کو دیکھ رہی تھیں۔ افریقہ کی دیگر وحشی اقوام کے مقابلہ میں یہ عورتیں قبول صورت اور تندرست دلوانا تھیں ہونٹ بھی کچھ زیادہ موٹے نہیں تھے۔ وہ ہماری طرف اشارہ کر کے حیرت سے آپس میں کاننا پھوس کر رہی تھیں۔ ایک دم سے انفادوس کو جانے کیا سوچھی کہ اس نے گڈ کی ننگی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے خوبصورت سفید پیروں کی شان میں بلند آواز سے ایک پورا قصیدہ کہہ مارا... تمام عورتوں کی نگاہیں گڈ کی ٹانگوں پر مرکوز ہو گئیں اور گڈ بیچارے کا رنگ مارے شرم کے سرخ ہو گیا۔

انفادوس چھوٹی چھوٹی تھوٹی پٹریوں کے بیچ میں بنے ہوئے ایک چھوٹی پٹری کے قریب پہنچ کر رک گیا: "تشریف لائیے میرے آقا۔" اس نے کہا۔

۱۔ افریقہ کی غیر مہذب قبیلوں کی بستی کو کراال کہتے ہیں۔ منظر الحق علوی۔

کنج میلمان

ہماری اس معمولی جھونپڑی میں آرام کیجئے۔ ہم آپ کے کھانے کے لئے اسی وقت شہد دودھ، ایک بیل اور چند مینڈھے لاتے ہیں۔ آپ کو یہ چیزیں شاید کچھ زیادہ مزہ نہ دیں لیکن....

”نہیں انفادوس“ میں نے کہا۔ ”یہ چیزیں ہمارے لئے کافی ہیں۔ اس وقت ہم بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں اور فی الحال آرام کرنا چاہتے ہیں۔“ ہم جھونپڑی میں داخل ہوئے۔... فرش پر ہمارے سونے کے لئے ملائم بالوں بھری کھالیں بچھی ہوئی تھیں اور ایک کونے میں بٹھہ ہاتھ دھونے کے لئے ایک لکڑی کے پیالے میں پانی بھرا ہوا تھا۔

باہر سے کچھ شور و غل سنائی دیا۔ ہم گھبرا کر جھونپڑی کے دروازے کی طرف لپکے (ہر گھڑی ہمیں اپنی جانوں کا دھڑکا لگا ہوا تھا) چند آدمی ہاتھوں میں شہد اور دودھ بھرے ہوئے پیالے لئے ہماری طرف آرہے تھے۔ ایک نوجوان ایک موٹے ٹکڑے بیل کو کھینچتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ ہم نے بڑی تسکنت سے گردن ہلا کر ان تحفوں کو قبول کیا۔... فوراً ہی ایک شخص اپنا چاقو لہراتا ہوا ایک طرف سے آیا اور چشم زون میں بیل کو ذبح کر کے رکھ دیا۔... بیل کا اچھا اچھا گوشت کاٹ کر ہمارے لئے رکھ دیا گیا اور باقی کے گوشت پر ارد گرد کھڑے ہوئے لوگ جھپٹ پڑے اور ستاروں کے باشندوں کے اس عطا کردہ تبرک پر جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔

امبو پا ایک لڑکی کے ساتھ بڑی مستعدی سے کھانا تیار کرنے لگا۔ جھونپڑی کے سامنے گڑھا کھود کر چولہا بنایا گیا اور مٹی کا ایک دیگی میں گوشت بھر کر چڑھا دیا گیا۔ جب کھانا پک کر تیار ہو گیا تو ہم نے سگارا لگا اور انفادوس کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

وہ دونوں شکرگزاری سے گردنیں جھکائے فوراً آگے اور ہم کھانے کے لیے چھوٹی چھوٹی چوکھون پر... جس کا یہاں عام رواج تھا جم گئے... انفرادی میں کا دل ہماری طرف سے صاف تھا اور وہ بڑے خلوص و انکساری سے باتیں کر رہا تھا لیکن سکھار کا کافی آنکھوں سے کینہ اور نفرت ٹپک رہی تھی اور وہ ہمیں مشکوک اور غیبناک نظروں سے گھور رہا تھا۔ ہماری سفید رنگت اور بندوبست کے جادو سے اور لوگوں کی طرح سکھار کا بھی بہ خوب ضرور اثر تھا لیکن جب اس نے ہمیں تمام لوگوں کی طرح کھانے اور باتیں کرتے دیکھا تو اس کے دل سے ہمارا تمام رعب و ادب رخصت ہو گیا یہ واقعہ ایک خطرناک بات تھی اور میں اسکی وجہ سے اپنے دل میں خوف کی تیز دھڑکن محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

”کوئی نہیں!“ کھا چکنے کے بعد ہنری نے کہا: ”ان لوگوں سے دریافت تو کرو کہ میرا بھائی یہاں آیا تھا یا نہیں اور اگر آیا تھا تو کس طرف گیا اور زندہ بھی ہے کہ نہیں۔“

”ہنری جلد بازمی سے کام نہ لو۔ یہ بات دریافت کرنا ابھی مناسب نہیں۔ وقت آنے پر سب کچھ خود بخود معلوم ہو جائے گا۔“ میں نے کہا۔ ہم نے پائپ جلائے تو ہمارے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگوں اور انفرادی میں کو حیرت زدہ ہونے کا ایک اور موقع ملا۔ ہمارے منہ سے دھواں نکلنے دیکھ کر وہ مارے حیرت اور خوف کے کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اس ملک میں تمباکو کافی مقدار میں پیدا ہوتا تھا لیکن وہ تمباکو کے اس نئے استعمال سے واقف نہ تھے۔ میں نے انفرادی سے دریافت کیا کہ اب ہم آگے کب روانہ ہوں گے اور یہ جان کر مجھے واقعی خوشی ہوئی کہ سفر کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور ہم کل صبح ہمارا روانہ ہو جائیں گے۔ بوالہ کو ہماری آمد کی اطلاع دینے کے لئے آدمی دوڑا دیئے

گئے تھے وہ اس وقت اپنے دارالسلطنت "لو" میں مقیم تھا اور اس جگہ سالانہ میلہ کی تیاری بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ یہ میلہ ہر سال وہاں جون کے مہینہ میں ہوتا تھا پورے ملک کے لوگ میلے میں جمع ہوتے اور کوکوآنہ کی مشہور رسم چڑھلیوں کا رقص اس کا ذکر آگے آئے گا) ادا کی جاتی تھی۔

ہم لوگوں کو پوچھتے ہی روانہ ہونا تھا۔ انفا دوس ہمارے ساتھ جا رہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اگر راستہ میں کوئی حادثہ نہ ہو یا اگر ندیوں کا پانی نہ چڑھ آیا تو ہم دوسرے روز شام تک "لو" پہنچ جائیں گے۔

انفا دوس اور سکارگا کو رخصت کر کے ہم کھالوں پر دراز ہو گئے... سونے سے پہلے میں نے دیکھا کہ امبو پا جھونپڑی کے ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ کبھی تو اس کا چہرہ مارے غصے کے چمکنے لگتا اور کبھی وہ خود بخود مسکراتا تھا... نیند سے میری آنکھیں بوجھلی ہو رہی تھیں۔ اس لئے میں امبو پا کی اس حالت پر غور نہ کر سکا اور جانے کب سو گیا۔

شاہ راہ سلیمان پر ہم دو روز تک چلتے رہے۔ اس سفر کی تفصیلات سے میں اپنے قارئین کو اکتانہ نہیں چاہتا۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھ رہے تھے کہ کراوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا تھا۔ تمام کے تمام کراں ایک ہی ڈھنگ سے بنائے گئے تھے اور ہر کراں میں ہمارا شاندار استقبال کیا گیا۔ راستہ میں ہمیں عورتوں اور مردوں کے گروہ ملتے رہے جو "لو" کی طرف سالانہ میلے میں شریک ہونے کے لئے جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے واقعی تعجب

ہوا کہ کوکو آئے کا ہر بالغ ایک اچھا سپاہی تھا۔

دوسرے روز شام کو ہم نے ایک بلند مقام پر قیام کیا اور نیچے ہمارے قدموں تلے ایک بڑا بڑا قطعہ پر "لو" پھیلا ہوا تھا یہ کرا ل کوکو آئے میں سب سے بڑا تھا۔ اور اسی کے کنارے میں چاروں طرف خاص قسم کی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں اور یہ گویا سپاہیوں کی چھاؤنی تھیں۔ کرا ل کے شمال میں ایک پہاڑ بلا لاکے شکل میں دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

ان کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی ایک ندی بیچوں بیچ سے گزر رہی تھی۔ اسی ندی پر جگہ جگہ پل بنے ہوئے تھے اور ندی سے ساٹھ ستر میل دور بلند پہاڑ تھے جن کی چوٹیاں برف پوش تھیں۔

"یہ بڑا راستہ ان پہاڑوں تک جا کر ختم ہو جاتا ہے" انفا دوس نے ان برف پوش پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا جو کوکو آئے میں "تین پڑیلیں" کے نام سے مشہور تھے۔

"یہ راستہ وہاں کیوں ختم ہو جاتا ہے؟" بظاہر میں نے ایک بے ڈھنگا سوال کیا۔

"کون جانے" انفا دوس نے کندھے جھٹک کر جواب دیا: "ان پہاڑوں میں بہت سے غار ہیں۔ بیچ میں ایک بہت بڑا غار ہے اور یہ غار وہ جگہ ہے جس میں کچھ چیزیں ہیں اور انہیں حاصل کرنے کے لئے ہمارے آباؤ اجداد یہاں آئے تھے.... اور اسی جگہ وہ مقام ہے جو 'نوت کا کرہ' کہلاتا ہے اور جہاں ہمارے مردے رکھے جاتے ہیں!"

"انفا دوس تمہارے اجداد کس چیز کی تلاش میں آئے تھے؟" میں نے بڑے شوق سے پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتا... لیکن میرے آقا۔ آپ ستاروں سے آئے ہیں۔ اس لئے آپ ضرور جانتے ہوں گے۔“

میں نے محسوس کیا کہ انفادوس ان پہاڑوں کے اسرار سے واقف ہے لیکن ہمیں بتانا نہیں چاہتا۔

”ہاں انفادوس“ میں نے کہا: ”ہم ماضی اور مستقبل کا حال جانتے ہیں۔ ہمیں ہمارا علم بتاتا ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد ان چمکیے پتھروں کی تلاش میں آئے تھے جو ان پہاڑوں کے غاروں میں سے کسی ایک میں رکھے ہوئے تھے۔“ میں نے کن آنکھیوں سے انفادوس کی طرف دیکھا۔ میرے ان الفاظ کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے۔

”میرے آقا۔ بڑے عقلمند اور زیرک ہیں“ انفادوس نے سر دلیجے میں کہا۔ ”یہ میں تو آپ کے مقابلے میں طفل مکتب ہوں اور اس بارے میں آپ کو کچھ بتا نہیں سکتا... میرے آقا کو گنگول سے بات چیت کرنی چاہئے جو آپ ہی کی طرح عقلمند ہے۔“

انفادوس کے جانے کے بعد میں نے برف پوش پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنری سے کہا: ”ہنری۔ دیکھو وہاں ہے خزانہ!“
ابو پاجو ہمارے پیچھے کھڑا ہوا تھا کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ”ہاں میکویزن۔ ان پہاڑوں میں بے شمار خزانہ ہے۔ جبکہ تم سفید لوگ دولت اور چمکیے پتھروں کے اس قدر بھوکے ہو تو تم اسے پا لو گے۔“

”اور کیا میں، آپ سے دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہاں خزانہ ہے اور ہم... میں نے غصہ دباتے ہوئے کہا۔

”یہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا تھا۔“ اور وہ زہریلی ہنسی ہنستا ہوا چل دیا۔

”اب یہ اسیو پانسی بات کی وجہ سے ہماری ہر بات میں ٹانگ اڑاتا ہے۔ ہنری نے کہا: یہ بات لفظی ہے کو اٹرمین کہ اسیو پانسی ملک اور حزانہ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔۔۔ ہاں یہ تو بتاؤ اس نے میرے بھائی کے بارے میں کچھ پتہ چلایا؟“

”اسیو پانسی ہر اس شخص سے جو اس سے ذرا بھی بے تکلف ہوا ہے تمہارے بھائی کے بارے میں دریافت کیا ہے لیکن سب کا جواب ایک ہی تھا کہ ہم سے پڑانہوں نے ہم جیسے کسی انسان کو نہیں دیکھا!“

”ہمارا یہاں پہنچنا ایک معجزہ ہے کہ وہ سب اور صبراً کوغبور کرنا بچوں کا کام نہیں۔ گڈ نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے جارح بغیر نقشہ کی مدد سے یہاں پہنچے ہو گا؟“

”میں نہیں جانتا۔“ ہنری نے کہا۔ ”لیکن مجھے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے بھائی کو پالوں گا۔“

سورج غروب ہوتے ہی تاریکی نے کوکوآنہ کو اپنے لباوے میں لپیٹ لیا۔ اس عرض البلد میں شام ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی سورج غروب ہونے کے بعد جو ہلکا ہلکا اجالا چھایا رہتا ہے وہ اس جگہ نہیں ہوتا۔۔۔ جیسے ہی سورج پہاڑوں کے پیچھے جاتا ہے کوکوآنہ میں ایک دم سے گہری تاریکی چھا جاتی جتنا فاصلہ موت اور زندگی میں ہے اتنا فاصلہ ہم یہاں روشنی اور تاریکی میں نہیں ہوتا۔

چاند طلوع ہوا اور ہم مہبوت کوکوآنہ کے خوبصورت منظر کو تکتے لگے۔ یہ زندگی بڑی ہنگامی گزری ہے لیکن چند مناظر کو میں فراموش نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ایک کوکوآنہ کی چاندنی رات کا نظارہ ہے۔ اس خوبصورت منظر

بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ بس یوں سمجھئے کہ تاج محل کو چاندنی رات میں دیکھنے کے بعد اگر کوئی نظارہ مرعوب یا متاثر کر سکتا ہے تو وہ یہ ہے۔
 ”اگر میرے آقا سستا چکے ہوں تو لوہا کی طرف چلا جائے۔ وہاں آپ کے قیام کے لئے ایک جھونپڑی مخصوص کر دی گئی ہے۔“ انفا دوس نے آکر کہا۔ چاند طلوع ہو چکا ہے اب راستے سے بھٹکنے کا خدشہ نہیں ہے۔“

ایک ہی گھنٹہ بعد ہم لوہے کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ خندق پر پل گرا ہوا تھا اور اس پر ہتھیار بند سپاہی پرہ دے رہے تھے۔ انفا دوس نے آگے بڑھ کر کچھ مبہم سے الفاظ کہے۔ (یہ گویا لوہے میں داخل ہونے کا پاسپورٹ تھا)

لوہے کے مختلف محلوں سے گزرنے کے بعد انفا دوس ایک جگہ رک گیا۔ ایک احاطہ میں چند جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں اور یہ ہمارے لئے تھیں ہم احاطہ میں داخل ہوئے تو پتہ چلا کہ ہم یہاں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہر جھونپڑی میں سوکھی گھاس پر کھالیں بچھا کر بستر تیار کیا گیا تھا۔۔۔ کھانا شاید پہلے ہی سے تیار کیا گیا تھا۔ جیسے ہی ہاتھ منھ دھو کر فارغ ہوئے چند جوان لڑکیاں لکڑی کے پیالوں میں بھنا ہوا گوشت اور ابلے ہوئی سبزیاں لے کر حاضر ہوئیں۔

کھا چکنے کے بعد ہم نے طے کیا کہ الگ الگ جھونپڑی میں اکیلے سونا خطرے سے خالی نہیں۔ چنانچہ ہم نے تمام بسترے ایک ہی جھونپڑی میں بچھانے کا حکم دیا اور اس حکم پر ہماری ندمت کرتی ہوئی لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ بہر حال ہم نے ان کے ہنسنے کا کچھ خیال نہیں کیا اور اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو گئے۔

کافی دن چڑھے ہماری آنکھ کھلی... ہماری خادم لڑکیاں نہیں معلوم ہوتا ہے کسی قسم کی شرم و حیا نہ تھی ہمارے کپڑے وغیرہ بدلنے کے لئے مستعد کھڑی تھیں۔

”مجھے کیا کپڑے بدلنے ہیں“ گڈ بڑ بڑایا۔ ”ننگی دھونے گی کیا اور چوڑے گی کیا۔ ہندہ تو ایک جوڑ جوڑوں اور ایک عدد قمیض میں ہی دن گزار رہا ہے یار کواٹر مین خدا کے لئے اب تو مجھے میری پتلون واپس دلا دو۔“ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گڈ کی پتلون تو کبھی کی بادشاہ کے پاس پہنچا دی گئی ہے جو آج ہم سے ملاقات کرنے والا ہے۔

ہم نے لڑکیوں کو رخصت کیا اور نہانے دھونے سے فرصت پائی۔ گڈ نے ایک طرف کی دائرہ بنائی اور دوسری طرف کی بنا ہی رہا تھا کہ میں نے اور مہزی نے بڑی کوششوں اور خوشامدوں سے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ ہم صبح کے ناشتہ سے فارغ ہو کر بیٹھے پائپ پی رہے تھے کہ انفادوس نے آکر بادشاہ کا یہ پیغام ہمیں سنایا کہ اگر ہم چاہیں تو بادشاہ اسی وقت ہم سے ملاقات کرنے کے لئے تیار ہے... ہم اس سے ملنے کے اتنے ہی مشتاق تھے جتنا کہ شاید ہم سے ملنے کے لئے وہ ہو گا لیکن میں نے سوچا کہ اگر ہم نے بادشاہ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو شاید اس کا اثر ان لوگوں پر الٹا ہو چنانچہ میں نے انفادوس سے کہا کہ جب سورج اوراد پر آجائے تب ہم بادشاہ کے حضور چلیں گے۔

ایک گھنٹہ بعد ہم چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ظاہر تھا کہ ہمیں بادشاہ کے حضور کچھ تحفے پیش کرنے چاہئیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے قلیل سے سامان میں سے ایک رائفل (مرحوم دنٹیا نیگل کی) اور کارٹوس کی پیٹی بادشاہ کیلئے لی۔

اور انفادوس کی رہبری میں بادشاہ کے دربار کی طرف چل پڑے۔ ابو پامار نے ساتھ تھا۔

تقریباً سو گز چلنے کے بعد ہم ایک میدان کے قریب پہنچے جس کے چاروں طرف گھاس بھوس کی باڑھ بندھی ہوئی تھی اور اس باڑھ سے لگی ہوئی۔ جھونپڑیوں کی ایک قطار چلی گئی تھی۔ انفادوس نے بتایا کہ ان جھونپڑیوں میں ٹوالہ کی بیویاں رہتی ہیں۔۔۔ باڑھ کے دروازے کے مقابل اور میدان کے ایک سرے پر ایک بڑا سا جھونپڑا تھا اور یہ گویا ٹوالہ کا محل تھا۔۔۔ اس جھونپڑے کے سامنے کا کھلا میدان سپاہیوں سے کچھا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ان کی تعداد اندازاً سات آٹھ ہزار ہوگی۔ سپاہیوں کی دورویہ قطاروں کے بیچ میں راستہ چھٹا ہوا تھا۔ تمام سپاہی سر جھکائے بے حس و حرکت کھڑے یوں معلوم ہو رہے تھے جیسے شیشم کے ٹکسے ہوں۔ ان کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے ہم ٹوالہ کے جھونپڑے کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں چھوٹا سا میدان چھٹا ہوا تھا اور اس کے بیچ میں کچھ اسٹول یا تپاٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انفادوس کے اشارے پر ہم ان ہی تپاٹیوں سے تین پرچم کر بیٹھ گئے اور ابو پامار نے پیچھے کھڑا ہو گیا اور انفادوس جھونپڑے کے دروازے پر مودب کھڑا ہو گیا۔

چاروں طرف گہری خاموشی پھائی ہوئی تھی اور میدان میں کھڑے سپاہیوں کی نگاہیں ہم پر مرکوز تھیں اور کچھ تو ان کی نگاہیں اپنے جسم پر سوئیوں کی طرح چبھتی محسوس ہوئیں اور میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وقت معلوم ہوتا تھا کہ ختم کیا ہے۔

آخر کار جھونپڑے کا دروازہ کھلا اور ایک دیو قامت شخص کا اندھے پر

شیر کی کھال ڈالے نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے سکارگاکھا اور اس کے پیچھے ایک عجیب الخلقیت چیز... جو بوڑھے بندر ایسی معلوم ہوتی تھی۔ دیوقامت شخص ایک تپائی پر بیٹھ گیا۔ سکارگاکا۔ اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور وہ بندر نما ہیولا چوپائیموں کی طرح چلتا ہوا جھونپڑی کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔

دیوقامت شخص نے اپنے کاندھے سے شیر کی کھال اتاری اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ واقعی ایسے ڈیل ڈول کا آدمی ہماری نظروں سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا۔ اس کے ہونٹ از حد موٹے اور چہرے پر صرف ایک ہی جگہ تھی ہونٹیں آنکھ تھی۔ دوسری آنکھ کی جگہ چہرے پر صرف ایک گڑھا تھا۔ بشرے سے یہ شخص بہت ہی ظالم اور مغلوب الغضب معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنے منگے ایسے سر بہر شتر مرغ کے پروں کا تاج لگائے ہوئے تھا اور جسم پر باریک زنجیروں سے بنی ہوئی ذرہ پہنے ہوئے تھا۔ گھٹنے کے اوپر اور کمر کے گرد ہیل کی سفید دم لپی ہوئی تھی۔ گردن میں سونے کی مالا تھی اور وہ اپنے دائیں ہاتھ میں زرئی نیزہ اٹھائے ہوئے تھا اور اس کی سیاہ پیشانی پر بندھا ہوا غیر تراشیدہ ہیرا چمک رہا تھا۔

دفعاً اس دیوقامت شخص نے جو حقیقت میں ڈالہ تھا اپنا نیزہ بلند کیا۔ اور ساتھ ہی جواب میں آٹھ ہزار نیزے بلند ہوئے اور فضا "کوم" کی آواز سے تھرا گئی۔ یہ شاہی سلام تین مرتبہ دہرایا گیا اور ہر مرتبہ اس کی وجہ سے فضا تھراتی رہی۔

"بادب۔ بادب۔ ایک باریک سی آواز آئی اور یہ آواز جھونپڑے کی چھاؤں میں بیٹھی ہوئی بندر کی شبیہ کی تھی۔ "بادب۔ ولی نعمت تمہارے روبرو ہیں"

اقدار چھایا ہوا تھا کہ مرتے وقت بھی زخم کی تکلیف سے اس کی آہ اڑ نہ سکی
شدر بتوں کی طرح بیٹھے رہے۔

سپاہیوں کے گروہ سے بھجننا ہٹ ہی ابھری اور پھر گہری خاموشی چھا گئی۔۔۔
ختم ہو گیا۔۔۔ اور ہم حیران تھے کہ یہ نوجوان ابھی ذرا پہلے زندہ کھڑا ہوا تھا۔

ہنری بے صبری سے اٹھا۔ انگریزی زبان میں ایک موٹی سی گالی پئی اور پھر
خاموشی سے متاثر ہو کر عقدہ سے بڑ بڑاتا ہوا بیٹھ گیا۔

”بہت خوب سسکارا گا۔ بہت خوب“ ٹوٹالہ نے کہا۔ ”اس مردود کی لاش کو
سے لے جاؤ۔“

صف میں سے چار آدمی نکلے اور لاش اٹھا کر چلے گئے۔
”خون کے داغ مٹا دو“ بندر کا شبیہ نے کہا۔

نوڑا ایک لڑکی جھونپڑے کے پیچھے سے راکھ سے بھرا ہوا ایک برتن لے
نا اور اس نے جھے ہوئے سرخ سرخ خون پر راکھ چھڑکنی شروع کی۔

ہنری اس واقعہ سے کھول رہا تھا۔ بار بار اس کا ہاتھ پستول پر جاتا اور
اٹھ کھڑا ہوتا۔ ہم بڑی مشکلوں سے اسے تھامے ہوئے تھے۔

”بیٹھ جاؤ۔ ہنری خدا کے لئے بیٹھ جاؤ“ میں نے التجا کی ”اگر تم نے
تعمارت کی تو ہمیں اپنی جانیں بچانا مشکل ہو جائے گا۔“

ہنری بیچ و تاب کھاتا ہوا بیٹھ گیا۔

”جب خون کے داغ مٹا دیئے گئے تو ٹوٹالہ ہم سے مخاطب ہوا۔

”سفید انسانو“ اس نے کہا۔ ”تم کہاں سے اور کیوں آئے ہو۔ یہیں نہیں
تا لیکن پھر بھی میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

”ہم کو کوآنہ کے شاہ کا شکر یہ ادا کرتے ہیں“ میں نے کہا۔

گنج سلیمان

”سفید انسانو! تم کہاں سے آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟“
”ہم ستاروں کی دنیا سے آئے ہیں اور محض اس ملک کو دیکھنے...“
”ہم کس طرح سے آئے یہ مت پوچھو۔“

”تم نے ایک معمولی ملک کو دیکھنے کے لئے بہت طویل سفر کیا ہے اور
آوی... اس نے ابو پا کی طرف اشارہ کیا۔ ”کیا یہ بھی ستاروں کی
سے آیا ہے؟“

”ہاں ستاروں میں تمہارے رنگ کے انسان بھی بستے ہیں۔ لیکن
بادشاہ جہ باتیں آپ کی فہم سے بالا ہیں بہتر ہے آپ اس کے بارے میں
نہ کریں۔“

”ستاروں کے باشندوں... تم بڑے منہ کھپٹ ہو۔“ ٹوار نے اپنے
میں گوا جو مجھے بالکل ہی پسند نہیں آیا۔ ”یہ مت بھولو کہ اس وقت تم ہر
ملک میں ہو اور ستارے یہاں سے بہت دور ہیں۔ اگر میں تمہیں بھی
نومروان کے پاس جس کی لاش ابھی ابھی اٹھائی گئی ہے پہنچا دوں تو
کر سکتے ہو؟ اور یہ کام میرے ایک ادنیٰ اشارے سے انجام پا سکتا
میں زور سے ہنسا... یہ مصنوعی تھی اور میرا دل زور سے دھڑکا

تھا۔ ہر تھاری میں بغیر سوچے سمجھے ہاتھ ڈالنا حماقت ہے شاید
تھاری میں سانپ ہو اور تمہیں ڈس لے... میں تمہیں خبردار کرتا
کہ اگر ہمارے ایک بال کو بھی چھوا تو تمہارے ملک پر مصیبتوں کے پہاڑ
پڑیں گے۔ کیا ان لوگوں نے تمہیں ہماری بے پناہ طاقت کے بارے میں
نہیں بتایا؟“ میں نے انفا دوس اور پھر سکارگا کی طرف جو اپنے نیزے
ظلم کے نشانات مٹانے میں مصروف تھا، اشارہ کیا۔ ”ان لوگوں نے

بتایا.... بادشاہ سچ کہنا تم نے کیا ایسا آدمی پہلے کبھی دیکھا ہے؟“
لڈنی طرف اشارہ کیا اور گڈ کی اس وقت جو مشکل صورت تھی ایسے شخص
والہ نے تو کیا کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔“

”ہاں میں نے ایسا انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا لڑوالہ نے گڈ کو متحیر تیاروں
دیکھتے ہوئے کہا۔“

”کیا انسا، میں اور سکارگا نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ہم کس طرح دور ہی
لوگ رہے موت مسلط کر دیتے ہیں؟“

”بے شک انسا نے مجھ سے کہا تھا مگر میں سنی منائی باتوں پر یقین نہیں
نہا داتی اگر تمہارا دوست سچا ہے تو تمہارے کھڑے ہونے سے پہلے میں
کسی ایک کو ہمیں سے مار ڈالوں۔“

”نہیں ہم صرف سزا کے طور پر کسی انسان کا خون بہاتے ہیں اور بگناہوں
سب کرنا ہم بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں اگر تمہیں ہمارا امتحان منظور ہے تو
پہ خدمت گاروں کو حکم دو کہ وہ ایک ہیل کو کرا ال کے دروازے سے لائیں
میں ہمیشہ اس کے کہ وہ ہیل بیس قدم آگے بڑھے میں اسے مار کر اوٹوں گا۔“

”نہیں“ لڑوالہ ہنسا، کسی انسان کو مارو تبھی میں یقین کروں گا۔“
”بہت اچھا ایسا ہی ہوگا“ میں نے سوچا سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکالے گا
میں بادشاہ تم اس کھلے میدان سے گزرتے ہوئے دروازے کی طرف جاؤ
اس سے پہلے کہ تمہارے قدم دروازے کی زمین کو چھوئیں تم مردہ ہو کر گر
و گے.... اور اگر تم مرنا نہیں چاہتے تو اپنے بیٹے سکارگا کو حکم دو کہ وہ دروازہ
طرف جائے اور اس وقت اگر میں سکارگا کو مار سکتا تو مجھے روحانی مرگ ہوتی
میری اس تجویز سے سکارگا زور سے چیخا اور بے تحاشہ جھونپڑی کی طرف بھاگا

گنج سلیمان

ٹوالہ بھی غصہ سے ہونٹ چبانے لگا میری تجویز اسے بھی پسند نہیں آئی تھی
” اچھا بیل لایا جائے “ اس نے کہا

” سپاہی تیزی سے دوڑتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

” اور اب ہنری تمہاری باری ہے تم نشانہ لگانا “ میں نے کہا۔ ” میں
اگر کو بتانا چاہتا ہوں کہ اپنے گروہ میں صرف میں اکیلا ہی جاؤں نہیں ہوا
” کہیں میرا نشانہ خطا نہ کر جائے “ ہنری نے ایک پیرس بندوق اٹھا۔
ہوئے کہا۔

” نہیں ہنری تمہارا نشانہ چوکنا نہیں چاہئے۔ پہلی گولی نہ لگے تو دو
چلا نا اور جب بیل ڈیڑھ سو گز دور ہو تو اس کے جسم کے کسی چوڑے حصے
کوئی چلانا سمجھے؟ “

تمام لوگ خاموش تھے۔

کراں کے دروازے سے ایک بیل دوڑتا ہوا میدان میں آیا اور
انسانوں کے اتنے بڑے اجڑے کو دیکھ کر ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا اور پھر ڈگر
ہوا پلٹ کر ایک طرف چل پڑا۔

” ہاں یہی موقع ہے “ میں نے ہنری کے کان میں کہا۔

ہنری نے بندوق بلند کی.... دھائییں.... بیل بے جان ہو کر گرا گیا
اس کی بیل پر لگی تھی.... مودب کھڑے ہوئے ہزاروں سپاہیوں کے
سے حیرت اور خوف کی ملی جلی آوازیں بلند ہوئیں۔

” کو کو آؤ کے بادشاہ کیا میں نے جھوٹ کہا تھا؟ “ میں نے کہا۔

” نہیں سفید انسانو! تم نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ “

” سنو ٹوالہ “ میں نے کہا۔ ” تم نے اپنی آنکھوں سے ہمارا کرتبہ دیکھا “

اور یقین جانو کہ ہم یہاں لڑائی جھگڑے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔“
میں نے بندوق بلند کی۔ یہ کھوکھلی لاکھی ہے۔۔۔ اس کے ذریعہ ہماری
طرح تم بھی دور سے کسی کو قتل کر سکتے ہو۔۔۔ اور یہ اس لئے کہ میں نے اس پر
سحر پڑھ کر پھونک دیا ہے۔ پھہرو میں تمہیں اور بھی کچھ بتاتا ہوں۔۔۔ تم اپنے
کسی سپاہی کو حکم دو کہ وہ اپنا نیزہ اس طرح سے زمین میں گاڑ دے کہ اس کا
پھل اوپر رہے۔“

چند منٹوں میں نیزہ زمین میں گاڑ دیا گیا۔

”اب دیکھو میں یہیں سے نیزہ کے پھل کو توڑتا ہوں۔“

”اچھی طرح نشست باندھ کر میں نے بندوق چلائی۔“ کھڑنگ سے نیزہ کا
پھل ٹوٹ کر دور جا گیا۔ ایک مرتبہ پھر سپاہیوں کے مجمع میں سے آوازیں
بلند ہوئیں۔

”ٹوالہ۔ یہ جادوئی نالی ہم تم کو تحفہ کے طور پر پیش کرتے ہیں ساتھ میں
میں تم کو یہ بھی بتا دوں گا کہ اسے کس طرح استعمال کیا جاتا ہے مگر یاد رہے
کبھی بھول کر بھی اس آسمانی جادو کو کسی ارضی انسان پر نہ آزمانا اور اگر تم نے
ایسا کیا تو اس نالی کے جادو کا اثر تم پر ہو گا۔ میں نے ابسوپا سے رائے لیکر
ٹوالہ کو دے دی۔“

ٹوالہ نے بندوق لے کر بڑی احتیاط سے اپنے پیروں کے پاس زمین پر
رکھ دی۔ جھونپڑے کے سائے میں بیٹھی ہوئی بوڑھے بندر کی شبیہ چوپایوں کی
طرح رہ سکتی ہوئی بادشاہ کی طرف بڑھی۔۔۔ بادشاہ کے قریب پہنچ کر وہ
بمشکل اپنے دونوں پیروں پر کھڑی ہو گئی اور پھر اس نے اپنے چہرے پر ڈالی ہوئی
کھال مٹائی۔۔۔ اور ہم نے ایک عجیب و غریب غیر انسانی شکل دیکھی۔ یہ ایک

گنج سلیمان

۱۲۸

بہت ہی بوڑھی عورت تھی... اس کا چہرہ سوکھ کر ایک سال کے بچے کے چہرے جیسا چھوٹا ہو گیا تھا اور اس پر گہری اور زرد لالہ لہو اور جھریاں پڑی ہوئی تھیں ان جھریوں کے بیچ میں لکڑی ایسا پوپلا منھ تھا اور اس کے نیچے نوک دار ٹھڈی آگے کو ابھری ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ مدت سے دفن کیا ہوا مردہ قبر سے نکل آیا اور یہاں اس کے چہرے پر ناک نہیں تھی جس کا ذکر کیا جاسکے۔ زرد پیشانی کے نیچے دو سفید سفید آنکھیں گردش کر رہی تھیں۔ اس کے بے پناہ گامیہ منت مڑی تھی۔ اس کا سر بالکل گنجا تھا اور کھوپڑی بڑی جھریاں بے شمار سنپولوں ایسی معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ اتنی ہیبتناک اور مکروہ تھی کہ گھڑی بھر کے لئے ہم پر بھی طاری ہو گیا وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑی رہی اور پھر اس نے اپنا سوکھا ہاتھ جس کا انگلیوں پر ایک ایک انچ لائیے اور تیز غلیظ ناس تھے۔ بڑھا کر ٹوالہ کے کندھے پر رکھ دیا اور نہایت ہی باریک مگر تیز آواز میں کہنا شروع کیا۔

”سنو! بادشاہ اور سپاہیو۔ سنو! پھاڑو! امیدو اور ندیو۔ سنو! اور کو کو آندہ کے بے جان جھونپڑو اور اے طوفانو اور دھند سنو جو اٹو بوڑھو اور گنوارو سنو۔ ہر ایک جو زندہ ہے اور سنو ہر ایک جو مرنے کے لئے پیدا ہوا ہے سنو میرا نام گول ہے۔ جان لو کہ زندگی کا سورج اور روح مجھ میں ہے۔ غور سے سنو اس وقت میں پیشین گوئی کرتی ہوں۔“

اس کی آواز ڈوب گئی اور ہم پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔

”خون۔ خون۔ خون۔ خون کی ندیاں... چاروں طرف خون ہی خون... میں اسے سونگھ سکتی ہوں... میں اسے چکھ سکتی ہوں... زمین سے خون کے سوتے مچھوٹ رہے اور آسمان سے خون کی بارش ہو رہی ہے۔“

ہر سمتوں سے تیز قدموں کی چاب سناٹی دے رہی ہے... اور میں پہچانتی ہوں کہ یہ دور سے آئے ہوئے سفید اجنبی پیروں کی چاب ہے... ان کے پیروں سے دھرتی کا کلیجہ کانپ رہا ہے... وہ کرا رہا ہے۔

سرخ سرخ چمکدار خون بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے... اس کی خوشبو بڑنی مست کنی ہے۔ مثیر اس خون کو چاٹ کر وہ ہاٹھیا گئے اور گدھا اپنے پیروں کو اس مقدس خون سے غسل دیا گئے... میں بوڑھی ہوں... بہت بوڑھی مگر مرنے سے پہلے میں اور خون دیکھوں گی... بتا سکتے ہو میری عمر کیا ہے؟ تمہارے باپ مجھے جانتے ہیں... ان کے باپ مجھے جانتے تھے... اور ان کے باپوں کے باپ بھی مجھے جانتے تھے... میں پہاڑوں اتنی پرانی ہوں... میں سفید افسانوں کی خواہشات کے بارے میں جانتی ہوں... میرے علم کی دولت لازوال ہے... بتاؤ یہ بڑا سارا ستہ کس نے بنایا؟ بتاؤ چٹانوں پر بنی ہوئی نقویریوں کا خالق کون ہے...؟ اور بتاؤ وہ تین خاموش دیوتا کون ہیں۔ جو وہاں ایک غار میں بیٹھے شیچے کی طرف دیکھ رہے ہیں...؟ اور اس نے تین پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا جو ہم نے گذشتہ رات دیکھے تھے۔

میں جو کچھ جانتی ہوں وہ اور کوئی نہیں جانتا... میری نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں... مجھے ان واقعات کا جو گزر چکے ہیں اور گزرنے والے ہیں پتہ ہے... یہ سفید انسان... اسے بادشاہ جو تیرے سامنے کھڑے ہیں... اس وقت بھی اسی جگہ کھڑے ہوں گے جب تیری لاشیں خاک و خون میں لتھڑی ہوئی اس میدان میں پڑی ہو گی... یہ تجھے برباد کر دیں گے۔ تجھے کھا جائیں گے... ہا ہا ہا... رہی رہی... اور یہ سفید

گنج سلیمان

۱۳۰

انسان یہاں کیوں آئے ہیں... کون سی چیز ہے جو انہیں ستاروں کی دنیا سے
دھرتی پر اتار لائی ہے...؟ یہ بھی جانتا ہوں... اے بادشاہ تیرے
ماٹھے پر جو پتھر چمکتا ہے کیا ہے...؟ اور یہ لوہے کے زبور اتار نہیں تو
پہنے ہوئے ہے کون ہاتھوں کی تخلیق میں...؟ کیا یہ سب تم جانتے ہو؟
تم نہیں جانتے اور نہ جان سکو گے... لیکن نہیں... زہر ک... عقلمند۔

اور لاقافی عورت... یہ سب جانتی ہوں... میرا علم بے پایاں ہے
اس کی ابتدا... اس کی انتہا... اور اس کی تھکا کوئی نہیں پاسکتا
اور پھر اس نے اپنا منہ سے چہرہ ہمارا دکھا دیا۔

”اور تم... اے ستاروں کے پاسی... یہاں کس چیز کی تلاش میں
آئے ہو...؟ کس گم گشتہ شخص کی تلاش میں...؟ تم اسے یہاں نہیں
پاؤ گے... صدیاں گزر گئیں... کسی اجنبی نے ہماری سرزمین میں قدم
نہیں رکھا... سوائے ایک کے جو اپنا ملک چھوڑ کر یہاں مرنے کے لئے آیا
تھا... تم چمکیے پتھروں کی خاطر آئے ہو... تم سون لو کہ تم ان پتھروں کو
اس وقت پاؤ گے جب کہ کوآئٹ کی زمین پر بیٹھا ہوا ہزاروں انسانوں کا
خون خشک ہو کر جم جائے گا... لیکن کیا اس کے بعد تم اس جگہ پہنچ سکو
گے۔ جہاں سے چلے ہو... یا... یا... ہی ہی ہی...“

وہ بہت ہی مکروہ اور بھیانک طور پر ہنسی اور اس کی ہنسی نے دل
لرزادئے۔

”اور تم اے سیاہ چٹری والے مفرد انسان“ اس نے کیکڑے کی ٹانگوں
ایسی سوکھی سوکھی انگلیاں امبو پا کی طرف بلند کیں ”تم کون ہو؟ اور کس چیز
کی ہوس نہیں یہاں تک کہیں لائی ہے؟ تم چمکیے پتھروں کے لئے یہاں نہیں

آئے... تم نے ان پتھروں کو سفید انسانوں کے لئے چھوڑ دیا ہے... میرا خیال ہے میں تمہیں جانتی ہوں... یقیناً میں تمہیں جانتی ہوں۔ تمہارے جسم سے مجھے جانے پہچانے خون کی بو آتی ہے۔“

”تمہاری رگوں میں جس شخص کا خون در در بہا ہے میں اسے بھی جانتی ہوں۔ اپنا جسم کھول دو۔ میں کہتی ہوں اپنے جسم سے کپڑا ہٹاؤ... ہٹاؤ کپڑا...“

گگول غصہ سے کانپنے لگی... اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا... وہ زور زور سے کانپتی اور بے ہوش ہو کر اپنے منہ سے مٹی گری۔ فوراً دو آدمی اسے اٹھا کر جھونپڑی میں لے گئے۔

ٹوالہ لڑتا ہوا اٹھا اور اس نے اپنا تیزہ بلند کیا۔ میدان میں کھڑے ہوئے لوگ جانے لگے کچھ دیر بعد میدان خالی تھا اور اب اس میدان میں ٹوالہ اس کے چند ساتھیوں اور سموائے بہار نے اور کوئی نہ تھا۔

”اجنبی سفید انسانو!“ ٹوالہ نے گرجدار آواز میں کہا۔ ”میرے دل میں تمہیں قتل کر دینے کا ارادہ جبر پکڑ چکا ہے... گگول نے آج عجیب و غریب باتیں کہی ہیں۔“

میں ہنسا: ٹوالہ یہیں قتل کرنا آسان نہیں... بیل کا انجام تم ابھی ابھی دیکھ چکے ہو... کیا تم بھی اپنا انجام اس بیل ایسا ہی چاہتے ہو؟“

”تمہیں میری عزت کرنی چاہیے... میں بادشاہ ہوں۔“ ٹوالہ خوفزدہ ہو گیا۔

”میں نے ایک حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں تمہاری کوئی بے عزتی نہیں کی... یہیں قتل کرنے کی کوشش کرو اور پھر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے...؟“

اس خوفناک وحشی نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

”جاؤ، اس وقت خاموشی سے چلے جاؤ... آج رات سب سے بڑا رقص ہوگا... اس میں تم شرکت کر سکو گے... تمہارے بارے میں میں کئی سوچوں گا“

”بہت اچھا... لیکن ایک مرتبہ میں پھر تمہیں خبردار کرتا ہوں... فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لینا اور نہ تمہارے حق میں بہت برا ہوگا“

میں نے کہا۔

اور ہم لوگ واپس اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ گئے۔

میں نے افرادوس کو اپنے ساتھ مھونڈی میں چلنے کو کہا۔

”افرادوس“ میں نے بیٹھے ہوئے کہا ”میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں“

”کہیے میرے آقا“

”معلوم ہوتا ہے ٹوالہ انتہائی ظالم شخص ہے“

”آپ سب جانتے ہیں... ٹوالہ ایسا دوسرا ظالم شخص دنیا کی عورتیں پیدا نہیں کر سکتیں۔ آج رات آپ چڑیلوں کا رقص دیکھیں گے بہت سے لوگوں کو جادوگر اور باغی کے جھوٹے الزام پر قتل کر دیا جائے گا... ٹوالہ اگر کسی کی جائداد ہتھیانہ چاہتا ہے یا اسے کسی کی بیوی پسند آجاتی ہے یا اگر اسے کسی طرف سے اس کے خلاف بغاوت کا خدشہ ہوتا ہے تو میرے آقا ایسے لوگوں کو گگول اور اس کی شاگرد چڑیل عورتیں سونگھ کر بتا دیتی ہیں اور ٹوالہ اسی وقت انہیں قتل کر دیتا ہے... آج رات کو ہزاروں جانیں تلف ہوں گی... ممکن ہے میری بھی بارگاہ آجائے کیونکہ میں اپنے سپاہیوں میں

ہر دلعزیز ہوں... تعجب ہے کہ ان نظالموں کا وجہ سے دھرتی پھٹ کیوں نہیں جاتی۔“

”اگر ایسا ہی ہے انفا دوس۔ تو تم سب مل کر لڑو! کہ کوئی کیوں نہیں کر دیتے۔“ اس سے کوئی فائدہ نہیں میرے آقا۔ اگر لڑو! مارا گیا تو اس کا بیٹا

سکار کا تخت نشین ہو گا اور یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ ظالم ہے ہاں اگر ایسا لڑو! مارا نہ گیا ہوتا یا اس کا لڑکا اگنوسی زندہ ہوتا تب اور بات تھی۔ لیکن افسوس وہ دونوں مر چکے ہیں۔

”یہ تم نے کیسے جانتا کہ اگنوسی مر چکا ہے؟“ کسی نے اسے تسکین سے کہا میں نے گھوم کر دیکھا۔ یہ ابھی پاتا تھا۔

”تم کون ہوتے ہو بچے میں ٹپکنے والے۔“ انفا دوس نے ہراساں کرتے ہوئے کہا۔

”سنو میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں۔“ امیر نے کہا ”کئی سال گزرنے کو کہ کو آئہ کا بادشاہ ایسا لڑو! مارا گیا اور اس کی بیوہ اپنے اکلوتے لڑکے کو لے کر کہیں چلی گئی۔“

”ٹھیک ہے۔“

”اور کہتے ہیں کہ ایسا لڑو! کی بیوہ اور لڑکا برف پوش پہاڑوں میں جا کر مر گئے۔“

”ہاں۔ یہ سچ ہے۔“

”لیکن ایسا نہیں ہوا میرے بزرگ۔... اگنوسی اور اس کی ماں مرے نہیں۔... انھوں نے برف پوش پہاڑوں کو عبور کیا۔ دونوں ماں بیٹا صحرا میں بھٹک رہے تھے کہ انھیں خانہ بدوشوں کا ایک قافلہ ملا اور انوں اس

قافلہ میں شامل ہو گئے اور صحرا کی پر لمبی طرف جا پہنچے۔
”یہ ہوائی باتیں تمہیں کس نے بتائیں۔“

”سنو تو سہی... دونوں پھرتے پھرتے اس مقام پر پہنچے جہاں
”آمازولو“ نامی قبیلے آباد ہیں اور یہ لوگ کوکوآنہ کے قبیلہ ہی کی ایک شاخ
تھے... ان لوگوں نے ماں بیٹے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور دونوں وہاں رہنے
لگے... کچھ مدت بعد اگنوسی کی ماں چلی بسی اور اگنوسی پھر آوارہ گردی
کر لے لگا اور پھر تاپہ اتاوارہ سفید لوگوں کی دستیا میں جا پہنچا جہاں رہ کر
اس نے سفید لوگوں کے خرابیوں اور ان کی تہذیب سیکھ لی۔“
”بڑی مزے دار کہانی سنائی تم نے۔“ انفادوس نے کہا۔

”مدت تک اگنوسی سفید لوگوں کے ساتھ رہا... لیکن وہ اپنی ماں کی
بتائی ہوئی باتوں کو بھلا نہ سکا... اپنے ملک اور اپنے باپ کے گھر کو دیکھنے
کی شدید آرزو اس کے دل میں اٹھنے لگی تھی لیکن وطن تک پہنچنے
کی کوئی صورت نہ تھی۔ آخر کار یہ اصول انتظار کے بعد اس کی آرزو پوری
ہوئی۔ کادقت آگیا اس کی ملاقات جتنے سفید انسانوں سے ہوئی جو اس
انجانے ملک کے سفر کے ارادے سے چلے آئے۔ اگنوسی ان لوگوں کے ساتھ ہو
لیا... یہ لوگ ایک اور سفید انسان کو تلاش کرتے ہوئے چلتے ہوئے صحرا
اور برف پوش پہاڑوں کو عبور کر کے کوکوآنہ میں پہنچ گئے... اور یہاں
ان کی ملاقات... انفادوس سے ہوئی۔“

”نہ سے؟ کیا کہتے ہو؟ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟“ انفادوس
نے حیرت سے کہا۔
”تم مجھے پاگل سمجھتے ہو...؟ اچھا میں اس کا ثبوت ابھی دیتا ہوں...“

میرے عزیز چچا یقین جانو کہ میں ہی اگوسا اور کوآنہ کے تاج و تخت کا حقیقی وارث ہوں۔“

”اور ابویا نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی کمر کے گرد لپٹا ہوا کپڑا الٹ کر دیا۔
”دیکھو یہ کیا ہے پوچھتے ہو اس نشان کو؟“ ابویا نے اپنی کمر
کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں ایک سانپ کی تصویر تھی جو تکی تقسیمیں تھی
کہ ایک سانپ ابویا کی کمر کے گرد لپٹا ہوا تھا اور ناف کے قریب اس نے
اپنا دم منھ میں لے رکھا تھا۔

انقادوس نے حیرت سے ابویا کی طرف دیکھا کچھ دیر سیکھنے کے عالم میں
کپڑا اڑھا اور پھر ابویا کے سامنے جھک گیا۔
”کوم کوم“ اس نے کہا۔ ”میرے بچے... میرے بھائی کی اولاد... تم
کو کوآنہ کے حقیقی راجدار ہو۔“

”اٹھو چچا اس وقت میں بادشاہ نہیں ہوں لیکن تمہاری اور اپنے ان
سفری دوستوں کی مدد سے ہلدی کو کوآنہ کو باو شاہ بن جاؤں گا لیکن لنگول
نے سچ کہا تھا کہ اس زمین پر خون کی ندیاں بہیں گی اور اس خون میں لنگول
کا خون بھی شامل ہوگا... اگر اس کے جسم میں خون ہے تو... لنگول کے
اشارے سے ٹوالہ نے میرے باپ کو قتل کیا اور یہی چچا ہے جس نے مجھے اور
میری ماں کو ٹریپ ٹریپ کر مرنے کے لئے پہاڑوں کی طرف ڈھکیل دیا تھا۔
میں اس سے بدلہ لوں گا... میرے صیغہ میں انتقام کی جواک بھڑک رہی
ہے اور ٹوالہ اور لنگول کے خون سے سرد ہوگی۔ انقادوس نے کیا تم میرے ہاتھ
پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتے ہو کہ ہر شکل میں اور ٹوالہ کا تخت الٹنے میں میرا
ساتھ دو گے؟ یا تم ٹوالہ کا ساتھ دینا چاہتے ہو؟ میں تمہارا فیصلہ ابی وقت

سننا چاہتا ہوں۔“

انفار دوس کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ابو یاس (اب ہیم) سے اگنوسی ہی کہیں گے) کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔“

”اگنوسی میرے بچے... میں مرتے دم تک تیرا ساتھ دوں گا... ان ہاتھوں میں تو بچہ تھا۔ تجھے کھلایا تھا اور اب یہی ہاتھ تجھے ترا جائز حق دلاؤں گے۔“

”انفار دوس اگر میری فتح ہوئی تو کوکر آند میں میرے بعد سب سے زیادہ عزت تمہاری ہوگی... اور اگر مجھے ناکامی ہوئی تو ہم دونوں ساتھ ہی ماریں جائیں گے۔“

”اور تم سفید انسانو“ اگنوسی ہم سے مخاطب ہوا ”کیا تم بھی میرا ساتھ دو گے؟ اور دوس کا صلہ مجھ سے کیا چاہیے؟ چمکتے پتھر؟ اگر تجھے کامیابی ہوئی اور ان پتھروں کو میں نے پایا تو تم ان میں سے جتنے چاہو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔“

میں نے اگنوسی کی باتوں کا ترجمہ ہنری اور گڈ کو سنایا۔
 ”اس سے کہو“ ہنری نے کہا: ”اس نے ہمیں غلط سمجھا ہے۔ دولت دار مل جائے تو ہم لینے سے انکار بھی نہیں کرتے... لیکن کوئی بھی شخص محض دولت کے لئے اپنی جان کا سودا نہیں کرتا... میں صرف اپنے بارے میں کہتا ہوں... کہ میں ابو یاس کو مشورہ سے پسند کرتا ہوں... آج تک اس نے ہر تکلیف اور مصیبت میں ہمارا ساتھ دیا ہے چنانچہ اب میں اس کا ساتھ دوں گا اور سچ پوچھ تویری سب سے بڑی خواہش بھی یہی ہے کہ کسی بھی صورت لڑالہ ایسے ظالم کا خاتمہ کر دیا جائے... کوکر میں

تم اور گڈ کیا کہتے ہو؟

”میں اسی کے ساتھ ہوں۔ گڈ نے کہا۔ یہ واقعی خود بخود ہی آئی کہ ہم اپنے ساتھی کے کام آڑے وقت میں نہ آئیں۔۔۔ لیکن پورا اس سے کہنا کہ تم مجھے تیار کرنا چاہتے کی اجازت دے دے۔“

میں نے ہنسی اور گڈ کے فیصلہ سے اگنوسی کو آگاہ کیا۔
 ”میں آپ لوگوں کا یہ اصرار زبردستی نہیں بھولوں گا۔ اور میکومینز تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

”اسی کے لیے میرا مطلب ہے اگنوسی مجھے انقلابات پسند نہیں آتے۔ وہ لے بھی سکتا۔ بزدل و ذلیل ہوا ہوں۔ یہاں اگنوسی سکا یا اس کے لیے اپنی دو صفتوں کے ساتھ ہوں۔ تم نے میری صحبت میں بہا۔۔۔ خود دیا۔ اور اب میری باری ہے۔ تمہیں سب سے زیادہ پتا ہے کہ میں اس کے ساتھ بارے میں پہلے سوچتا ہوں۔۔۔ چنانچہ میں تم سے اس بات کا وعدہ چاہتا ہوں کہ اگر تم کامیاب ہو گے تو ہماری اس مدد کے بدلے میں ہمیں کھانے تک پہنچا دو گے اور اس بات کی اجازت دو گے کہ گنج سلیمان سے چلنے جو امرات چاہیں ہم اپنے ساتھ لے جا سکیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ ہم ہنری کے بھائی کی تلاش میں آئے ہیں اور اس کی تلاش میں تمہاری مدد درکار ہوگی۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں میکومینز۔“ اگنوسی نے کہا۔ ٹھہرو ہنری کے بھائی کے بارے میں ابھی پتہ چل جائے گا۔۔۔ انفا دوس تمہیں میری کمر کے گرد لپٹے ہوئے رہنے کی قسم ہے۔۔۔ سچ کہنا کوئی اور سفید انسان بھی آج سے پہلے کو کو آنہ میں آیا تھا؟“

”نہیں اگنوسی“

”تم نے کسی سفید نام انسان کے بارے میں کسی سے کچھ سنا بھی ہے؟“
یادہ اس ملک سے گزرا بھی ہو تو...“

”اگ ایسا ہوتا اگنوسی تو یہ بات میرے علم سے باہر نہ ہوتی“
”نیکو سیزن سن لیا تم نے؟“ اگنوسی نے کہا۔

نیزن نے ٹھنڈی رائس بھری ”میرا خیال ہے وہ یہاں تک نہ پہنچ
سکا تو ہماری بے سنگ و دو بیکار ثابت ہوئی۔ غیر جو خدا کو مریضی“

”ابن تو اکرم برسر طلب“ میں نے اس راغبیدہ سلسلہ کو ختم کرنے
کے لئے بات کا رخ بدلا ”اور وہی سلسلہ سے باپ کے مرنے کے بعد بادشاہ

کا نانا تو انسان ہے لیکن اتنی مدت کے بعد جبکہ اولہ اپنا سکہ جما چکا
ہے تم کس طرح سے بادشاہ بن سکتے ہو؟ کوئی تیار میرے تمہارے دماغ میں

نہیں کیا دیکھتا؟ اگنوسی نے کہا ”انہی دنوں تمہارے دماغ میں
کوئی تدبیر آتی ہے“

”اگنوسی“ اتفاقاً وہی نے کہا ”آج رات چڑیلوں کا ناپ ہو گا پھر اور
وہی لگول اور اس کی شاگردوں کے اشارے سے قتل کیے جائیں گے اس

کوئی کھیل سے ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ شفا ہوں گے... اور ان کے دل
تو ان کے خلاف غیظ و غضب سے لبریز ہو جائیں گے... اس وقت میں

تو لو آؤں گی برسر اقتدار ہستیوں سے بات چیت کروں گا اور انہیں یہ دکھانے
کے لئے کہ حقیقی بادشاہ تم ہو یہاں لے آؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ کل سورج

طلوع ہونے سے پہلے ڈھائی ہزار نیزے تمہارے دشمنوں کا سینہ چیرنے کیلئے
بے چین ہوں گے... اب مجھے اجازت دیجئے... آج رات چڑیلوں کے قصو

کے بعد اگر میں اور میرے ساتھ آپ بھی زندہ رہے تو میں آپ سے یہیں ملوں گا۔
 اسی وقت باہر سے کسی نے چلا کر کہا کہ بادشاہ کے سفیر آئے ہیں۔ ہم نے
 انہیں حاضر ہونے کی اجازت دی۔۔۔ اور تین شخص جنگل کھاڑے اور ایک
 زنجیروں کی بنی ہوئی زرہیں لئے حاضر ہوئے۔

”ہمارے بادشاہ نے یہ تحائف ستاروں سے آئے ہوئے مقدس انسانوں
 کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ ایک شخص نے کھاڑے اور زرہیں ہمارے خدمت
 میں پیش کیں۔

”ہماری طرف سے بادشاہ کا شکریہ ادا کرنا۔“ میں نے تحائف کو قبول
 کرتے ہوئے کہا۔

سفیروں کو رخصت کر کے ہم نے زرہوں کا موازنہ کیا۔۔۔ اس کا پتہ
 زنجیروں کا اس قدر خوبصورت اور باریک کام کیا ہوا تھا کہ آج تک ہمارا
 نظریں سے نہیں گزرا تھا اور وہ اس قدر نازک تھیں کہ ایک لڑکے کو زنجیروں
 پر ڈھیر کر دیا جاتا تو کوئی بھی ان کو بڑی آسانی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے
 ٹھکارتا تھا۔

”انفادوس۔ یہ زرہیں تمہارے ہی ملک میں بنائی جاتی ہیں؟“ میں
 نے پوچھا۔

”نہیں میرے آقا۔ انہیں ہمارے آباؤ اجداد نے پتہ نہیں کیا اس
 لیے کہ آئے تھے۔ اب یہ چند ہی باقی رہ گئی ہیں اور شاہی خاندان کے
 سوائے اور کوئی نہیں پہن سکتا۔ یہ جادوئی کوٹ ہیں۔۔۔ جنہیں اگر پہن
 لیا جائے تو اس پر کوئی بھی ہتھیار اثر نہیں کرتا اور جسم محفوظ رہتا ہے۔
 معلوم ہوتا ہے تو الہ آپ سے خوش یا خوفزدہ ہے تبھی تو اس نے یہ کوٹ آپ کو

نورمت میں پیش کئے ہیں۔“

وہ تمام دن ہم نے اگنوسی کے معاملہ پر بات چیت کرتے گزار دیا... اور جب سورج نے اپنی آنکھیں موند لیں تو میدان میں ہزاروں شعلیں اور الاوریشن ہو گئے... اور ہم نے لاتعداد قدموں کی چاپ سنی... یہ وہ سیاہی تھی جو چڑیلوں کے رقص میں شریک ہونے کے لئے میدان کی طرف جا رہے تھے... جب چاند طلوع ہوا تو افراد دس پورے طور سے مسلح ہو کر بیس سپاہیوں کے ساتھ ہمیں میدان میں لے جانے کے لئے آیا... اس کے مشورے سے ہم نے اپنی اپنی قمیض کے نیچے زہریلے سپر لیں... یہ زہریلے گرانڈیل شخصوں کی ہوں گی۔ مجھے اور گڈ کو تو وہ کافی ڈھیلی ہوئی لیکن ہری کے جسم پر وہ موزے کی طرح فٹ آگئی۔ بیٹولوں کو کارٹوسوں سے بھر کر ہم نے اپنی مکر کے گرد آویزاں کیا اور ٹوالہ کی عنایت کردہ کھینکھی کھارٹے باغیوں میں لے کر افراد دس کے ساتھ چلی پڑے۔“

ہم لوگ اسی میدان میں پہنچے جہاں ٹوالہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ تمام میدان انسانوں سے کھپا کھپ بھرا ہوا تھا... ہر دس ہزار سپاہیوں کے دستہ کے درمیان آنے جانے کے لئے راستہ چھٹا ہوا تھا... اتنے لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی اس میدان میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی اور جہاں تک نظر جاتی تھی چاندنی میں چمکتی ہوئی نیزوں کی نوکوں کا جنگلی سا اگا ہوا تھا۔

”افراد دس اس وقت یہاں شاید کوکو آرنہ کا تمام لشکر جمع ہے۔“

میں نے کہا۔

”نہیں میرے آقا... یہ تو پورے لشکر کا صرف چوتھائی حصہ ہے...“

آئندہ سال دوسرا چوتھائی حصہ یہاں بلایا جائے گا اور یہ اس لئے کہ اس
خونی کھیل کی وجہ سے کون ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔“

”بہت خاموش ہیں یہ لوگ“ گڈ نے کہا

”کیا فرمایا باگون نے؟“ انفادوس نے پوچھا۔

میں نے ترجمہ کر دیا۔

”جن لوگوں پر موت ساری فلگن ہو وہ خاموش ہی ہوں گے میرے آقا“

انفادوس نے جواب دیا۔

”کیا بہت لوگ قتل کے جائیں گے انفادوس؟“ میں نے پوچھا

”بے شمار“

”ایسا معلوم ہوتا ہے“ میں نے ہنسی سے کہا کہ ”ہم لوگ تو ہم کے کھنڈر

کے تماشہ میں شریک ہو رہے ہیں۔“

”کاش کہ ہم یہاں نہ آتے۔“ گڈ بڑبڑایا۔

”انفادوس“ میں نے کہا ”کیا ہماری بھی زندگیاں خطرے میں ہیں؟“

”کون جانے میرے آقا... مجھے خوف ہے کہ آپ محفوظ نہیں... اگر

یہ رات خیر و خوبی سے گزر گئی تو پھر ایک جہاں لشکر آپ کے ساتھ ہوگا۔“

باتیں کرتے ہوئے ہم لوالہ کے جھونپڑے کے سامنے رکھے ہوئے

اسٹولوں کے قریب پہنچ گئے... جیسے ہی ہم لوگ وہاں پہنچے جھونپڑی

میں سے چند آدمی باہر نکلے۔

”میرے آقا۔ یہ لوالہ سکارگا اور گگول اور ان کے پیچھے پیچھے جلاڈ آ

رہے ہیں“ انفادوس نے ایک درجن کے قریب انسانوں کے گروہ کی طرف

اشارہ کیا۔ جلاڈوں کے قد غیر معمولی طور پر طویل تھے۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ

گینج سلیمان

اور دوسرے ہاتھ میں کلہاڑا تھا۔ ٹوالہ زینج کی تپائی پر بیٹھ گیا... گنگول اسکے
تہوں پر بیٹھی اور جلا دیا۔ ٹوالہ کے پیچھے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

”خوش آمدید سفید انالو“ ٹوالہ ہم سے مخاطب ہوا۔ بیٹھو رات

نہیں بیٹھو ٹی ہے اور کام بہت زیادہ۔ اس لئے ہمیں بیکار وقت ضائع نہیں
کرنا چاہئے۔ بڑے خوش قسمت ہو کہ تم چڑیلوں کا نقص دیکھو گے... دیکھو

اس طرف دیکھو۔“ اور اس نے اپنی ایک آنکھ سے کھڑے ہو گئے سپاہیوں
کی طرف اشارہ کیا۔ ہمیں ستاروں میں ایسا نظارہ دیکھنے کو نہیں ملا ہوگا۔

دیکھو یہ وہ شخص جس کا دل میلا ہے، کس بری طرح سے کانپ رہا ہے۔
”شروع کرو... شروع کرو گنگول اپنی مہین، مگر سازنگی ایسی تیز آواز

میں چلائی: ”گیدڑ بھوک سے جلا رہے ہیں... شروع کرو۔“

چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی... ایسی خاموشی جو کسی طوفان کی
آمد کی اطلاع دیتی ہے۔ ٹوالہ نے اپنا نیزہ بلند کیا اور تقریباً بیس ہزار

نیزہ ایک ساتھ ہوا میں بلند ہوئے اور یوں معلوم ہوا کہ یہ بیس ہزار نیزہ
ایک ہی شخص کے ہیں... پھر پیر زمین پر پٹخے گئے اور یہ عمل تین مرتبہ

دہرایا گیا... اور پھر کہیں دور سے کسی تنہا آواز نے ایک ترانہ گانا شروع
کیا جس کے بول کچھ یوں تھے۔

”دنیا میں قدم رکھنے والے انسان کا انجام کیا ہے؟“

اور بیس ہزار آوازیں جواب میں ابھریں۔ ”موت۔“

رفتہ رفتہ کئی آوازوں نے بھی گیت کے بول اٹھائے۔ یہاں تک کہ

تمام سپاہی ایک کورس کی شکل میں ہم آہنگی سے گانے لگے... اب میرے
لئے گیت کے بول سمجھنا مشکل تھا اندازے سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ کبھی تو

جنگی ترازہ بن جاتا۔ کبھی عشق و محبت کا گول گیت اور کبھی موت کا دہشتناک
راگ... اور گیت کی تالوں کی بازگشت پاروں طرف سے سنائی دے
رہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر غاموشی چھا گئی...

نڑال نے اپنا نیزہ بلند کیا... بہت سے قدموں کا نیز تیز چاپ سنائی
دی اور شکر یوں کے زچے میں سے شبیب و غریب اور ہیتناک سائے کا منہ
دوڑتے ہوئے ہماری طرف آنے لگے... اور جب یہ سائے قریب آئے تو ہم
نے دیکھا وہ بوڑھی عورتیں تھیں۔ ان کے سفید بال جن میں کھلیوں کے کھلے
پروئے ہوئے تھے۔ ان کی مٹیوں پر ہزار بے تھے۔ چہروں پر سفید اور نورد
رنگ کی لکیریں بنائی گئی تھیں... ان کے گرد انسانی ہڈیوں کی مالا میں لپیٹی
ہوئی تھیں اور بیچھ پر پٹی کی طرح سائپ کی کچلیاں لہرائی تھیں اور
وہ اپنے ہاتھوں میں پھوٹے چھوٹے ترشول لئے ہوئے تھیں... یہ نور تھی
عورتیں تعداد میں دس تھیں۔ یہ عورتیں ہمارے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔
اور ان میں سے ایک نے جو سب سے آگے تھی اپنا ترشول گنگول کی طرف بڑھاتے
ہوئے کہا: "مقدس ماں ہم حاضر ہیں۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب" گنگول نے کہا "کیا تمہاری آنکھیں اس قدر
تیز ہیں۔ اسانویس... کہ تم اندھیرے میں دیکھ سکو۔"

لے... وچ ڈاکر... افریقہ کی وحشی اقوام میں چند ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جو
غیب کا حال جانتی ہیں اور ٹوٹنے ٹوٹنے سے بیمار کا علاج کرتی ہیں... انھیں
وچ ڈاکر یا اسانویس کہتے ہیں۔
(منظر الحق علوی)

”اے مقدس ماں ہماری آنکھیں ایسی ہی تیز ہیں“

”تمہاری قوت شمار بیدار ہے؟ کیا تم اس خون کو سو گنگھ سکتی ہو جس میں

شیطان حلول کر گیا ہے اور جو بادشاہ کے خلاف جال بچھانا چاہتا ہے؟ تم

بڑو قادوں کی مرضی پوری کرنے کے لئے تیار ہو... تم نے میرے علم کی رودی

کہانی ہے اور میرے جادو کا پانی پیا ہے“

”ہم تیار ہیں مقدس ماں“

”تو پھر میری مٹ کر... ان جلادوں کے نیزے تو تپنے پینے کے لئے اور یہ

سفید انسان تماشا دیکھنے کے لئے بے چین ہیں“

وحشیانہ بیچوں کے ساتھ بوڑھی عورتیں کرچیوں کی طرح بکھر گئیں اور

ہاتھ کھڑے سپاہیوں کی طرف بھاگنے لگیں انہیں سے ایک لٹو کی طرح یوں تیز

گھومی کہ ہماری آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں... پھر اس نے

چلانا شروع کر دیا ”ہیں نے سو گنگھ لیا... وہ قریب ہی کھڑا ہوا ہے۔

اس نے اپنی ماں کو زہر دیا اور وہ دل میں بادشاہ سے نفرت کرتا ہے“

وہ اور تیزی سے ناچنے لگی یہاں تک کہ اس کے منہ سے کف جاری

ہو گئے اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکلتی معلوم ہوئیں اور اس کا انگ

انگ لڑنے لگا... پھر وہ ایک دم سے بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑی

ہو گئی... اور اپنی ناک بلند کر کے تشکاری کتے کی طرح فضا میں کچھ سونگھنے

لگی... اس نے سامنے کے دستے کی طرف رہینگنا شروع کیا۔ لوگوں نے دب

دب کر اسے راستہ دیا اور ہم نے اپنی خوفزدہ نظروں سے اس کا تعاقب

کیا... وہ رکی... اس نے اپنا تر مشول بلند کیا اور پھر آگے بڑھی...

وہ دو قدم اور آگے بڑھی...“

اور یہاں آکر اس بھیانک رقص کا خاتمہ اس صورت میں ہوا کہ اس چڑیل نے ایک چنغ کے ساتھ ہوا میں چھلانگ لگا کر رانے کھڑے ہوئے ایک سپاہی کو اپنے ترسولی سے چھوڑا... سپاہی کے قریب کھڑے ہوئے اسی کے دو ساتھیوں نے مضبوطی سے اسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے اسے ہماری طرف لانے لگے۔

وہ منہ سے تو کچھ نہ بولا لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی سرکوبوش کر رہا تھا اس کے ہاتھ کی انگلیاں جن سے نیزہ جھوٹ گیا تھا اگڑے ہوئے مردہ انسان کی طرح اندر گومڑی ہوئی تھیں۔

ہمارے پیچھے سے دو جلااد اس کا استقبال کرنے کے لئے چلے اور ان سپاہیوں نے جو مجرم کو لائے تھے مجرم کو جلاادوں کے سپرد کیا اور واپس اپنے دستہ کی طرف لوٹ گئے۔

”اسے قتل کر ڈالو“ ٹوالہ گرجا

”اسے قتل کر دو۔ گنگول چلائی“

”اسے قتل کرو“ سکارگا نے اپنی مکروہ آواز میں کہا۔

اور ابھی ان تینوں کے الفاظ پوری طرح سے ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ یہ نلامانہ فعل انجام بھی پا چکا تھا۔ ایک جلااد نے اپنا نیزہ سپاہی کے سینہ میں اتار دیا۔ سپاہی ایک آہ کے ساتھ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اب دوسرے جلااد نے اپنا بھاری گرز ایسا ڈنڈا بلند کیا اور پوری قوت سے تڑپتے ہوئے سپاہی کی کھوپڑی پر رسید کیا، کھڑاک کی آواز آئی۔ سپاہی کی کھوپڑی پھٹ گئی۔ اور اس کا بھیجا زمین پر بکھر گیا۔

میں بڑی مشکل سے اپنا چنغ دبا سکا۔ گڈ نے آنکھیں بند کر لیں اور ہنری بے چینی سے پہلو بد لنے لگا۔

گنج سلیمانی

۱۴۶

” ایک ہوا“ ظالم ٹوالہ نے کہا۔ لاش گھیٹ کر ہمارے پیچھے کھلی جگہ میں ڈال

دی گئی۔

فوراً ہی دو شخص ذبح کرنے کے لئے لایا گیا یہ شخص حیتے کی کھال پہنے ہوئے

تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ صاحب جاؤداد ہے اور پھر ہم سے کچھ الفاظ کہے گئے اور وہ شخص ہمارے سامنے مردہ پڑا ہوا تھا۔

” دو ہوئے“ ٹوالہ نے کہا۔

” دو ہوئے“ گگول چلائی۔

اور اسی طرح سے یہ خونی کھیل جاری رہا اور ہمارے پیچھے تلو سپاہیوں کی

خون میں لکڑی ہوئی لاشیں ایک قطار میں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے روم کے

تھیمپ کے کھیلوں کا حال سن رکھا تھا جہاں غلاموں کو شیر کے آگے ڈال

دیا جاتا اور سپاہیوں کو ٹیب ٹیب ہتھیار دے کر ایک دوسرے سے لڑایا جاتا

لیکن ٹوالہ کا ایجا ذکر وہ یہ کھیل انتہائی بھیانک اور غم ناک تھا۔

ہمارا وقت برداشت جواب دے چکی اور ہم اٹھ کھڑے ہوئے لیکن فوراً

ہی جڑا کپڑا بٹھا دیئے گئے۔ رات کے دس بجے چڑیلوں نے ناچنا بند کر کے

ایک جگہ جمع ہونا شروع کیا اور ہم سمجھے کہ اب کھیل ختم ہوا لیکن ایسا نہیں ہوا ہم

نے حیرت سے دیکھا کہ گگول اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک لکڑی کے سہارے رہتی

ہوئی میرا ان میں گئی۔

گگول نے ناچنا شروع کیا۔ وہ چلائے اور گھومنے لگی۔ وہ رکی اور اس نے

اچھل کر ایک دیو قامت شخص کو اپنے ترسول سے چھوا جس دستہ میں یہ شخص کھڑا

ہوا تھا اس میں سے بھڑوں کے چھتے ایسی بھنبھناہٹ سناؤادی۔ اسے بھی گھیٹ

کر بادشاہ کے سامنے لایا گیا اور وہ قتل کیا جا چکا تھا۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ وہ

گنج سلیمان

۱۴۷

ٹوالہ کا بھتیجہ اور کافی جائد ادکا مالک تھا اور ساتھ ہی ٹوالہ کی نظر اس کی بیوی پر بھی تھی۔

”ایک سوتیلے ٹوالہ نے گنتی شروع کی اور گنگول ناچتی ہوئی ہماری طرف بڑھنے لگی۔“

”خدا کی قسم اب یہ نیم پر بھی اپنا خون کیل آزمانا چاہتی ہے۔“ گڈ نے کہا۔

”کیا تمہاری بات کہی ہے تم نے؟“ بیوی نے جواب دیا۔

”جیسے جیسے گنگول آگے بڑھتی جا رہی تھی میری بھتیجی چھوٹی جا رہی تھیں۔“

پیشانی پر سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے گھوم کر خون میں لٹھری ہوئی لاشوں کی طرف دیکھا اور میرے ہاتھ پیر سرد ہو گئے۔

”وہ ناچتے ہوئے قریب آنے لگی۔ قریب، اور قریب،“ کلام لوگ بڑی دلچسپی سے گنگول اور ہمارے خوفزدہ چہروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”خدا جانے ہمیں سے کس کی زندگی کا خاتمہ ہونے والا ہے؟“ ہنری بڑبڑایا۔

گنگول ہمارے بالکل قریب آئی اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ میرا دل دھڑکنے

بند کر دے گا۔ گنگول آگے بڑھی۔ بالکل میرے قریب۔ اس نے ترسوں بلند

کیا۔ وہ اپنا مہین آواز میں چلائی، اچھلی اور اس نے اپنے ترسوں سے اگنوسی

کو چھوا۔

”میں نے اسے سونگھ لیا۔ ہا ہا ہا، یہی ہی ہے، اسے قتل کر دو۔ اس

سے پہلے کہ اس شخص کی وجہ سے کو کو آؤ کی زمینوں سے لالہ زار ہو جائے

بادشاہ اسے قتل کر دو۔“

”میدان میں مناٹا چھا گیا اور ہمارے دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی۔“

”ٹوالہ“ میں نے ہمت کر کے اٹھتے ہوئے کہا: ”یہ شخص تیرے مہانوں کا ملازم

ہم اور جس نے ہمارے ملازم کا خون بہایا اس نے گویا ہمارا خون بہایا اور یہاں سے یہ اسلوگ بادشاہ کو زیب نہیں دیتا میں اس شخص کو جان بخشی چاہتا ہوں۔“

اس نے کہا کہ چارہ گریوں کی استغاثہ گولڈ نے سونگھ لیا ہے اور اب اسے قتل کرنا براہِ راست ہے۔ سفید انسانوں تم ہمارے ذاتی معاملات میں دخل نہ دو۔ ٹوالہ نے قاتل سے کہا۔

”اسے کوئی نہیں قتل کر سکتا“ میں نے بلند آواز میں کہا۔ ”وہ شخص جو اسے چھوئے گا بیشک قتل کر دیا جائے گا۔“

”پکڑ لو اسے ٹوالہ نے جلاوڑوں سے کہا وہ ہماری طرف بڑھا اور اگنوسی نے ان پر حملہ کرنے کے لئے اپنا نیزہ بلند کیا۔

”وہیں رک جاؤ جنگی کتو“ میں چلایا۔ ”اگر ہمارے ملازم کا ہال بھی بیکا ہو تو تمہارا بادشاہ نکل کا طلوع ہونے والا سورج نہیں دیکھ سکے گا۔ اور میں نے فوراً اپنا ہتھیار نکال کر اس کی نالی ٹوالہ کے سینے پر رکھ دی۔ ہتھیار نے اپنے ہتھیار کارڈ جلاوڑوں کی طرف کر دیا۔ اور گولڈ گولڈ کو نشانہ بنائے ہوئے تھا۔

”ہاں۔ ٹوالہ۔ ایک مرتبہ پھر تم اپنا حکم دہراؤ۔“ میں نے نالی کو اس کے سینے پر دباتے ہوئے کہا۔

”اپنی جادوئی نالیوں کو ہٹالو۔“ ٹوالہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ ”میں اپنی مشرافت کی وجہ سے نہ کہ ان جادوئی نالیوں سے خوف کھا کر میں تمہارے ملازم کی جان بخشی کرتا ہوں۔“

”ہاں اب آئے راہ پر۔“ میں نے کہا۔ ”ہم اس خونی کھیل سے تھک گئے ہیں۔“

اور اب آرام کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ناچ ختم ہو گیا۔“

”ہاں ختم ہو گیا،“ ٹوالہ نے بے دلی سے کہا اور پھر لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جلا دوں سے مخاطب ہوا: ”ان کتوں کو بھڑیوں اور گھڑوں کے سامنے ڈال دو تاکہ ان کا پیٹ بھرے۔“

ٹوالہ نے اپنا نیزہ بلند کیا اور تماشائی گروہ درگروہ میدان سے جانے لگے۔ ہم نے ٹوالہ کو سلام کیا جس کا جواب ہمیں نہ ملا۔ ہم واپس اپنی قیام گاہ کی طرف چلے گئے۔ جھونپڑی میں پہنچ کر چراغ جلا یا جس کی بتی تار کے درخت کے ریشوں کی بنی ہوئی تھی اور تیل کے بجائے کسی جانور کی چربی استعمال کی جاتی تھی۔

”آج کے خونی ناچ نے مجھے از حد پریشان کر دیا ہے۔“ ہماری بیٹھی ہوئے کہا۔

”مجھے اگنوسی کی مدد کرنے میں پس و پیش تھا“ گڈ نے کہا۔ لیکن اب مجھے ٹوالہ سے نفرت ہو گئی ہے اور اس کے خلاف ہتھیار اٹھانا میں بہت بڑا ثواب سمجھتا ہوں۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنی آنکھیں بند کے بیٹھا رہوں۔ لیکن خدا جانے کیوں وہ کبھی اسی وقت کھل جاتی ہیں جبکہ کوئی قتل کیا جاتا۔ اگنوسی ہمیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو تم بھی شہید ہو چکے ہوتے لیکن یا یہ الفادوس کہاں رہ گیا۔“

میں آپ کا احسان زندگی بھر فراموش نہیں کروں گا۔ الفادوس بس ابھی رہا ہو گا۔“

پنابچہ ہم نے پائپ جلا لے اور خاموشی سے الفادوس کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

جبکہ رات ختم ہو رہی تھی اور ہم سونے کا ارادہ کر رہی رہے تھے کہ جھونپڑی کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر بیداروں نے چلا کر کچھ پوچھا اور مناسب جواب ملنے پر خاموش ہو گئے۔ چاپ ہماری جھونپڑی کی طرف بڑھے لگی اور انفادوس چھ مرداروں کو لئے جھونپڑی میں داخل ہوا۔

”میرے آقا میں آ گیا ہوں اور اپنے وعدے کے مطابق ان چھ مرداروں کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک کے تحت تین ہزار سپاہی ہیں اور میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے وہ سب انھیں بتا دیا ہے۔ اور اب اگنوسی تم انھیں اپنے جسم پر بنا ہوا سانپ دکھاؤ اور اپنی کہانی سناؤ تاکہ یہ اس بات کا فیصلہ کر سکیں کہ ٹوالہ کے خلاف تمہارا ساتھ دیں گے یا نہیں“ جواب میں اگنوسی نے اپنے جسم سے کپڑا بٹھایا۔ ہر شخص نے آگے بڑھ کر بڑے غور سے اگنوسی کے جسم پر بنے ہوئے سانپ کو دیکھا اور وہ خاموشی سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ پھر اگنوسی نے اپنی کہانی سنائی جو میں پچھلے کسی باب میں نقل کر چکا ہوں۔

”کو کو آنہ کے معزز سردار“ انفادوس نے کہا: ”تم نے آپنی آنکھوں سے سانپ کی نشانی دیکھی اور اپنے کانوں سے اگنوسی کی کہانی سنی بتاؤ اب کیا کہتے ہو؟ کیا تم اگنوسی کا ساتھ دو گے؟ ٹوالہ کے ظلم اور بہتے ہوئے خون کی وجہ سے زمین لرز اٹھی ہے تم نے آج رات بھی ٹوالہ کی ہوس پرستی، خون ریزی و خود غرضی کا نظارہ دیکھا۔ دو اور بھی مردار تھے جنہیں آج رات میں یہاں لانے

والا تھا لیکن اس وقت وہ کہاں ہیں؟ ان کی لاشوں کو گیدڑ بھنھوڑ رہے ہیں اور اگر ٹوالہ بادشاہ رہا تو کسی دن تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

ایک پستہ قد اور گٹھے ہوئے بزم کا سردار جس کے بال سفید ہو گئے تھے آگے بڑھا "تم سچ کہتے ہو انقادوس" اس نے کہا "زمین ٹوالہ کے ظالم بوجھ تلے کراہ رہی ہے آج رات مارے جانے والوں میں میرا بھائی بھی شامل ہے لیکن یہ معاملہ بڑا نازک ہے اس بات کا ہمیں کیسے یقین آئے کہ جس شخص کی حمایت میں ہمارے نیزے بلند ہوں گے وہ جھوٹا اور دھوکے باز نہیں ہے؟ یقیناً بہت کچھ خون خرابہ ہوگا تب یہ کام انجام پائے گا بہت سے لوگ ٹوالہ کے ساتھ ہوں گے میرے بھائی انقادوس دنیا اسے سورج کی پوجا کرتی ہے جو کہ پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہونہ کہ اس سورج کی جو ابھی طلوع بھی نہیں ہو اس وقت ٹوالہ برسر اقتدار ہے اور اگنوسی کا ساتھ دینے کی صورت میں ہمیں اپنی جالوں کی بازی لگانا ہی ہوگی ستاروں سے آئے ہوئے یہ سفید افان جن کے پاس بہت بڑا جادو ہے اگنوسی کی حفاظت کرتے ہیں اور اگنوسی ان کے قدموں تلے ہے اگر حقیقت میں اگنوسی ہی ہمارا بادشاہ ہے تو ہم اس کے ثبوت میں ان سفید انسانوں سے ایک نشانی چاہتے ہیں۔ ایسا ایسا معجزہ جسے ہمارے ساتھ اور لوگ بھی دیکھیں اور اس خیال سے ہمارا ساتھ دیں کہ سفید انسانوں کا جادو ان کے ساتھ ہے۔"

"تم سانپ کی نشانی تو دیکھ چکے ہو۔" میں نے کہا۔

"یہ کافی نہیں میرے آقا۔ ممکن ہے یہ سانپ کچن میں اس کے جسم پر نقلی بنا دیا گیا ہو۔ ہم آپ سے ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز نشانی چاہتے ہیں ہم ایک ایسا معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں یقین ہو جائے

کہ واقعی آپ کے جادو کے زور سے ہماری فتح ہوگی۔“

دوسرے سرداروں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور میں نے یہ تمام معاملہ مہتری اور گڈ کے گوش گزار کر دیا۔

”میرا خیال ہے ہم انہیں ایک معجزہ دکھا سکتے ہیں۔“ گڈ نے ہنر بھلاتے ہوئے کہا۔ ”کوآٹر میں ان سے کہہ دو کہ ہمیں صرف پانچ منٹ کا وقت دیں۔“ میں نے سرداروں سے کہا اور وہ جھونپڑی سے باہر چلے گئے۔ گڈ نے اپنی دو اسیوں کا تھیلا کھول ایک جیبی جنتری نکالی۔

”اچھا دوستو! کل کون سی تاریخ ہے۔“ گڈ نے جنتری کی ورق گردانی

کرتے ہوئے کہا۔

”۴ جون۔“ میں نے اور مہتری نے ایک ساتھ کہا۔

”بس تو میدان مار لیا۔ سنو۔“ گڈ نے جنتری میں سے ٹیپنا شروع کیا۔ ہر جون گرین وچ ٹائم کے مطابق رات کے آٹھ بج کر ۵۱ منٹ پر چاند کو گہن لگنا شروع ہو گا اور پورا چاند گہنا جائے گا اور وہ ٹینارین شمالی افریقہ وغیرہ جگہوں پر دیکھا جاسکے گا۔ چنانچہ یہ ہے ہمارا معجزہ کوآٹر میں۔ ان خبر دماغوں سے کہو کہ کل رات ہم چاند سے اس کی روشنی چھین کر اسے توڑے ایسا سیاہ کر دیں گے۔“

تجویز معقول تھی۔ لیکن جنتری کے غلط ہونے کی صورت میں ہمارے

تمام ارادوں کا اور شاید ہمارا بھی جنازہ نکل جانے کا خدشہ تھا۔ ”فرض کرو۔“

یہ جنتری غلط ثابت ہوئی۔“ مہتری نے گڈ سے کہا جو ایک کانڈ پر بڑی محویت

کے عالم میں جانے کیا لکھ رہا تھا۔

”ہاں فرض کرو، ارے بھائی میرے یہاں فرض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔“

جنتری میں جو وقت تحریر ہے اسی وقت گہن ہوگا۔ ممکن ہے پانچ ایک منٹ آگے پیچھے ہو جائے سو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ گڈ نے کہا۔ ”جنتری میں لکھا ہے کہ گہن شمالی افریقہ میں دیکھا جاسکے گا اور جے اس پر پورا اعتبار ہے۔ تو میں نے ابھی حساب لگا کر معلوم کیا ہے کہ یہاں گہن رات کے دس بجے سے لگنا شروع ہوگا۔ اور قریباً آدھی رات تک رہے گا۔ کیا سمجھے؟“

”بہر حال ہمیں قیمت آزمائی کرنی چاہئے۔“ جنتری نے کہا۔

”لیکن میرے دل میں کھدبھد سی ہو رہی تھی۔ اگر اس وقت آسمان پر

بادل چھا گئے اور چاند چھپ گیا تو؟ اور اس توڑکے جواب میں ایسی بھیا نک

تصویر میرے تصور نے پیش کی کہ میں لرز گیا۔ بہر حال ہرچہ بادا باد کہہ کر میں

نے اگنوسی کو سرداروں کو بلا کر لانے کیلئے بھیجا اور جب وہ آئے تو میں نے ایک

مختصر سی تقریر ان کے سامنے کی۔“

”کو کو آؤ کے معزز سرداروں اور انفرادوں سنو ہم اپنی قوتوں کا مظاہرہ

کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس طرح سے قدرت کے نظام میں فرق آتا ہے

اور دنیا پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے لیکن چونکہ تم ضد کر رہے ہو

اور ویسے بھی ٹوالہ کے ظلموں کی وجہ سے اور گنگول کی وجہ سے بھی کہ اس

نے اگنوسی کی جان لینے کی کوشش کی لہذا ہم قدرت کے نظام کو کچھ دیر کیلئے درہم برہم

کردیں گے اور ایک ایسا معجزہ پیش کریں گے۔ جسے ساری دنیا دیکھ سکے

اچھا یہاں آؤ۔“

میں سرداروں کو جھونپڑی کے دروازے پر لے گیا اور چاند کی طرف

اشارہ کر کے پوچھا۔ ”وہ کیا چیز ہے؟“

”وہ چاند ہے۔ جواب دھل رہا ہے۔“ ایک سردار نے کہا۔

”باکلی ٹھیک۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ کوئی فانی انسان چاند کو اس کے غروب ہونے کے وقت سے پہلے چراغ کی طرح بجھا کر دنیا پر تاریکی مسلط کر سکتا ہے؟“

سردار ہنسنا: ”نہیں میرے آقا۔ ایسا کوئی نہیں کر سکتا۔ چاند انسان سے

زیادہ طاقتور ہے۔“

”تم نے ٹھیک کہا لیکن میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ کل نصف رات سے دو گھنٹے بیشتر ہم چاند کو بجھا دیں گے اور یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ اگنوسی تمہارا حقیقی بادشاہ ہے۔ پھر تو تمہیں اطمینان ہو جائے گا نا؟“

”ہاں میرے آقا۔ اگر آپ نے یہ معجزہ دکھایا تو ہم اگنوسی کے ساتھ ہیں۔“

سردار مسکرایا۔

”تو یہ ہو کر رہے گا۔ ستاروں سے آئے ہوئے ہم نین انکوبو، باگون اور میکو مین جو کہتے ہیں وہ کر دکھاتے ہیں۔ چاند سے کل رات ہم نور چھین لیں گے اور انفادوس سنا تم نے۔“

”ہاں میرے آقا سنا لیکن یہ آپ ایک عجیب بات کرنے جا رہے ہیں دنیا کے باپ چاند کو، جبکہ وہ پورے شباب پر ہو چھا دینا ناممکن ہے۔“

”ہمارے لئے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں۔ انفادوس۔“

”آپ بجا فرماتے ہیں آج رات ٹوالہ آپ کو لڑکیوں کے رقص میں بلائے گا اور ناچ شروع ہونے کے گھنٹہ بھر بعد سب سے خوبصورت لڑکی ان دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھائی جائے گی اور اس نے ان پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا جہاں شاہراہ سلیمان ختم ہوتی ہے۔ ٹوالہ کے حکم سے سکارگا اس لڑکی کو قتل کرے گا اور اس وقت آپ چاند کو سیاہ کر کے ایک معصوم اور بے گناہ لڑکی کی جان بچا سکیں گے۔“

”ایسا ہی ہو گا“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”لو سے دو سیل دور“ انقادوس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ایک پہاڑی جس کی شکل ہلال ایسی ہے وہاں میرے اور ان مرد دازوں کے دست تغذیات ہیں۔ میں کوشش کر کے چند اور دستے بھی ادھر بھیج دوں گا اگر بقول آپ کے چاند بچھ گیا تو پھر میں تار کینا میں آپ کو لو سے نکال کر ہلالی پہاڑی تک پہنچا دوں گا وہاں ہم محفوظ رہوں گے اور اسی جگہ سے ٹوالہ سے جنگ کریں گے۔“

”بہت اچھا خیال ہے تمہارا“ میں نے کہا۔ ”اچھا اب تم جاؤ تاکہ ہم پھر یہ سستا کر اپنا جادو مکمل کر لیں۔“

”دوستو“ مرداروں کے جانے کے بعد اگنوسی نے کہا۔ ”آپ لوگ یہ بعید از خیال کام کر سکتے ہیں یا محض کھوکھلے الفاظ ہیں۔“

”نہیں ابو پاپا... میرا مطلب ہے اگنوسی، ہم چاند کو بچھا دیں گے۔“

”بڑی حیرت انگیز بات ہے یہ تو۔“ اگنوسی نے کہا۔ ”میں آپ کی بات کا یقین نہ کرتا لیکن جانتا ہوں کہ آپ کو جھوٹ بولنے کی عادت نہیں اگر ہم کامیاب ہوئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے ان احوالوں کا بدلہ دوں گا۔“

”اگنوسی ایک بات کا وعدہ کرو“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں میکومیزن۔ حالانکہ میں نے تمہاری بات سنی بھی نہیں۔“

”اگنوسی میں اس بات کا وعدہ چاہتا ہوں کہ اگر تم بادشاہ بن گے تو تم ٹوالہ کے نقش قدم پر نہ چلتے ہوئے چتر ملیوں کا رقص بند کر دو گے۔ وعدہ کرو اگنوسی کہ اس ظالمانہ رسم کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دو گے۔“

اگنوسی کچھ دیر تک سوچتا رہا۔

”میکومیزن“ اس نے کہا۔ ”ہم لوگوں کے تو اپنی آپ لوگوں کے قوانین سے

مختلف ہیں۔ ہماری نظروں میں انسانی زندگی کی کوئی قیمت نہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ چڑیلوں کا قصہ میرے دور حکومت میں نہیں ہو گا۔ کوئی بھی شخص بے گناہ قتل نہیں کیا جائے گا۔

وہ دیکھو اس وعدہ کو نباہنا اگنوسی! ہنزی نے کہا: "اور اب میرا خیال ہے ہم کچھ دیو سولیں!"

ہم اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ پڑتے ہی سو گئے اگر اگنوسی ہمیں نہ جکاتا تو جانے کب تک سوتے رہتے۔ ناشتہ وغیرہ سے قاریغ ہو کر ہم باہر آئے اور ادھر ادھر گھومنے لگے۔

"خدا کرے آج گھن ہو!" ہنزی نے کہا۔

"آخر تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟" گڈ خفا ہو گیا۔

"اگر چاند گھٹنا نہ ہو اگڈ!" میں نے کہا: "تو جان لو سردار ہماری تمام پول کھول کر رکھ دیں گے اور اس کے بعد جو گھن لگے گا وہ ہماری زندگیوں کو کوٹھے کا سورج غروب ہونے کے بعد ٹوالہ کے سفیر ہمیں لڑکیوں کے ناپ میں لے جانے کے لئے آئے۔ ہم نے جلدی جلدی ٹوالہ کی ارسال کر دی ہے ہمیں پہنیں اور تمام متھیاروں سے لیس ہو کر (یہ انفادوس کا منورہ تھا) بظاہر بڑی بہادری سے چل پڑے لیکن دلوں کا خدا ہی حافظ تھا۔ بادشاہ کی جھونپڑی کے سامنے والا میدان کو کوآنہ کی نیم عریاں لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ تمام لڑکیاں پھولوں سے لری پھندی خاموش کھڑی تھیں اور ہر لڑکی کے ایک ہاتھ میں تار کا پتہ اور دوسرے میں جنگلی کنول تھا۔ چرخ میں ٹوالہ اور اس کے قدموں میں گنگول سمیٹی ہوئی تھی پیچھے سکار گا اور انفادوس موڈب کھڑے ہوئے تھے اور دائیں بائیں بارہ محافظ سپاہی نیزے لئے بتوں کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے۔

ٹوالہ نے بڑی خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا اور پھر اپنی اکلوتی آنکھ سے اگنوسی کو یوں دیکھا جیسے وہ اسے زندہ چاہتا ہے۔

”خوش آمدید سفید انسانو!“ ٹوالہ نے کہا: ”آج تم ایک اور ناپے دکھو گے لیکن گذشتہ رات دانے ناپنے کا ہی بات کہاں اس میں شک نہیں کہ ان کی خوبصورت ہیں اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بڑے شیریں ہوتے ہیں۔ لیکن ہتھیاروں کی جھنکار اور جتے ہونے خون کی بولہ کیوں کی ہر دو اسے بہتر ہوتی ہے۔ ستاروں کے باسی یہ لڑکیاں جو تمہارے سامنے کھڑی ہوتی ہیں تمام کی تمام خوبصورت ہیں اگر تم ان کو اپنی بیویاں بنانا چاہتے ہو تو ان میں سے جتنی چاہو اپنے لئے چن لو اور میں ان لڑکیوں کو تمہیں بخش دوں گا۔“

ٹوالہ کی اس عنایت سے ہم تو بالکل بھی متاثر نہ ہوئے لیکن گدھا شقانہ طبیعت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی لیکن میں نے سوچا کہ اگر گڈ نے جلد بازی سے کام لے کر اپنے لئے بیوی چن لی تو پھر ہمارا رعب داب کو کو آرنے کے لوگوں کے دلوں سے رخصت ہو جائے گا اور پھر وہ ہمارے ساتھ جو سلوک کریں گے اس کا خیال آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ”شکریہ“ میں نے جلدی سے کہا: ”ہم سفید فام لوگ اپنی ہی قوم میں شادی کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے یہاں کی لڑکیاں حسین ہیں۔ لیکن ہم ان سے شادی نہیں کر سکتے۔“

ٹوالہ ہنسا: ”اچھا جیسی تمہاری مرضی لیکن ہمارے وہاں کہاوت ہے کہ لڑکی لڑکی ہی ہوتی ہے خواہ وہ کسی بھی ہو اور یہ بھی کہاوت ہے کہ جو موجود ہو اسی سے محبت کرو جو موجود نہیں وہ جھوٹ ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں میں قوانین لٹے ہیں۔ بہر حال میں تمہیں اور اٹے سیاہ فام ملازم تجھے بھی

گنج سلیمان

خوش آمدید کہتا ہوں: اس نے اگنوسی کی طرف اشارہ کیا: اگر لگول کی گزشتہ رات کی پرکھ پر ان سفید انسانوں نے روڑے نہ اٹکائے ہوتے تو آج تمہارے ہاتھ پیرے جان ہوتے۔“

”اس سے پہلے کہ تم مجھے قتل کرتے ہیں تمہیں قتل کر چکا ہوتا“ اگنوسی نے کہا۔ اور اس سے پہلے کہ میرے ہاتھ پیرے جان ہوتے تمہارا جسم تڑپ کر رہا ہو چکا ہوتا۔“

”ذلیل چھو کرے۔ تم بہت چل نکلا ہے۔ میرے قبر و غصہ سے بھر و برکانیتے ہیں اور یہ مت بھول کہ میرا ایک اشارہ تیری زندگی کا چراغ بجھا سکتا ہے۔“ ڈوالہ کی اکلوتی آنکھ مارے غصہ کے لال ہوئی ہو گئی۔

”میں حقیقات کہنے سے نہیں گھبراتا ڈوالہ“ اگنوسی نے کہا۔ وہ ایک ایسا نیزہ ہے جو بالکل ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے اور وہ ستاروں کی طرف سے تمہارے لئے ایک پیغام ہے۔“

ڈوالہ دانت پیس کر رہ گیا۔

”ناچ شروع کرو“ وہ گر جا۔

لڑکیوں نے ناچنا شروع کیا اور ان کا ناچ عجیب تھا۔ پہلے تو وہ لڑکی طرح گھومیں پھر کنول اور تاڑ کے پتے ہلاتی اور چلاتی ہوئی دائیں بائیں بھاگیں پھر ایک دم سے پیچھے کی طرف بھاگیں اور ایک جگہ بے حس و حرکت کھڑی ہو گئیں۔ جیسے ان میں بھری ہوئی کوک ختم ہو گئی ہو۔ کچھ دیر بعد گروہ میں سے ایک لڑکی نے ناچنا شروع کیا اور وہ اس خوبصورتی سے ناچی کہ ہمارے ملک کی نامی رقاصائیں ہیرت سے دانتوں میں انگلی دبا لیں۔ جب وہ لڑکی تھک گئی تو ایک طرف ہو رہی۔ اس کی جگہ دوسری لڑکی نے لے لی۔ پھر تیسری اچوتھی اور پانچویں اور اسی طرح کئی ایک لڑکیوں نے اپنا رقص دکھایا۔ لیکن ان میں سے

گنج سلیمان

ایک بھی پہلی کے برابر حسین اور ماہر نہ تھی۔
نیزہ ٹوالہ نے اپنا بلند کیا اور رقص ختم کیا۔
”تمہارے خیال میں کون سی لڑکی سب سے زیادہ حسین تھی؟“ اس نے پوچھا
”پہلی“ بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔ لیکن فوراً ہی انقادوس کے یہ الفاظ
مجھ یاد آگئے کہ سب سے خوبصورت لڑکی کو دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جائے گا اور
میں بت کی طرح ساکت کھڑا ہو گیا۔

”تمہارا خیال میرا خیال ہے مفید انسانو۔ یہ خوبصورتی اس لڑکی کے حق
میں بری ثابت ہوگی!“

”ہی ہی ہی تم دیوتاؤں کے حضور پیش کی جاؤ گی میری بچی“ گنگول نے
اس لڑکی سے کہا۔ جو اپنی سہیلیوں کے بیچ میں کھڑی بڑی معصومیت سے
کنول کی پتیاں توڑ رہی تھی۔

”ٹوالہ اس لڑکی نے اپنے خوبصورت رقص سے ہمیں خوش کیا ہے۔ اس
کا انعام اسے موت کی صورت میں تو نہیں ملنا چاہیے؟“ میں نے کہا۔
ٹوالہ نے بھیانک تمقہ بلند کیا۔ یہ ہمارے یہاں کی رسم ہے ان دیوتاؤں
کو جو اپنی پہاڑوں میں ہیں۔ اور اس نے دور کے تین پہاڑوں کی طرف
اشارہ کیا۔ ”ہر سال ایک خوبصورت لڑکی کی ضرورت ہوتی ہے اگر میں ان
دیوتاؤں کی خدمت میں لڑکی پیش کر کے سے قاصر رہا تو پھر مجھ پر اور
میرے خاندان پر دیوتاؤں کا غضب نازل ہو گا۔ میرا بھائی جو مجھ سے پہلے
کو کو آئے کا بادشاہ تھا۔ اس نے یہ حماقت کی تھی کہ ایک سال اس نے لڑکی
کو ان دیوتاؤں کی خدمت میں اس لئے پیش نہیں کیا تھا کہ لڑکی کی ماں
نے گڑ گڑا کر اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگی تھی اور اس کا نتیجہ جانتے ہو

سفید انسانوں کیا ہوا؟ اس کی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ اس کا خاندان تباہ ہو گیا، برباد ہو گیا اور میں اپنا انجام ایسا نہیں چاہتا۔ دیوتاؤں کی خوشی میں پوری کر کے رہوں گا۔“

دو محافل آگے بڑھے۔ انھیں دیکھتے ہی لڑکی کے منہ سے چیخ نکلی گئی اور وہ اٹھے قدموں بھاگی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھی۔ محافل روتی تڑپتی لڑکی کو گھسیٹ کر ہمارے سامنے لے آئے۔

”لڑکی تیرا نام کیا ہے؟“ گگول نے پوچھا۔

لڑکی خاموش رہی۔

”کیا تو جواب نہیں دے گی؟“ گگول کی آواز لہرائی: ”تو پھر میں سکارگا کو

حکم دوں کہ وہ اپنا کام کرے؟“

گگول کے کہنے کی دیر تھی کہ سکارگا جو اس وقت پورا شیطان معلوم ہو رہا اپنا نیزہ ہلاتا آگے بڑھا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ گڈ کا ہاتھ پستول کی طرف بڑھا۔ لڑکی کی آنکھیں مارے خوف کے پتھر سی ہو گئیں اور وہ غزراں رسیدہ پتے کی طرح لرزنے لگی۔

”دیکھا؟“ سکارگا خوشی سے چلایا: ”یہ میرے نیزے کو دیکھ کر ہی خوفزدہ

ہے اور اس نے بڑی محبت اور غور سے اپنے نیزے کے پھل پر ہاتھ پھیرا۔“

”خدا کی قسم میں تجھ سے بدلہ لوں گا۔ ناپاک کتے! گڈ دانت پیس کر بڑ بڑایا

”خوف نہ کرو لڑکی اپنا نام بتاؤ!“ چڑیل گگول نے کہا۔

”مقدس نام۔ میرا نام فلاوٹیا ہے“ لڑکی نے بڑی شیریں آواز میں کہا

”مقدس ماں میں کس گناہ کی پاداش میں ماری جا رہی ہوں؟“

”عزیز بچی!“ گگول نے اپنی نفرت آگیں آواز میں کہا۔ ”تجھے خوش ہونا

چاہئے کہ تو شاہی خاندان کے مقدس ہاتھوں سے دیوتاؤں کے حضور جا رہی ہے
دن کو آوارہ گردی کرنے اور فکروں میں جان گھلانے سے رات کو سو رہنا بہتر ہے
زندگی کی تکالیف برداشت کرنے سے بہتر ہے فلاوٹیا کہ تو موت کی بے فکری اور
گہری نیند سو جائے۔

”فلاوٹیا اپنے ہاتھ ملتے چلائی۔“ کہنی، کتیا، چڑیل۔“

اور پھر وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

”ابھی میں نے دیکھا ہی کیا ہے؟ اور میری عمر ہی کیا ہے؟ مقدس دیوتاؤں اب
کیا میں طلوع ہوتے ہوئے سورج کو بھی نہ دیکھ سکوں گی؟ کیا یہ سہانی راتیں کسی
اور کے لئے ہوں گی؟ اور یہ جو بصورت پھول کھل کھل کر میرے بالوں کا زینت بنے
بغیر ہی مرجھا جائیں گے... مقدس دیوتاؤں! یہی ماں اب کس کی پیشانی پر محبت
بھی بے بو سے مثبت کرے گی؟ تمام دنیا مجھے بھول جائے گی، میری بکریاں مجھے تلاش
کرتی پھریں گی اور مجھے نہ پا کر چلائیں گی، کوئی میرا محبوب نہ ہوگا، میری کوکھ سے
کبھی کوئی حسین بچہ جنم نہ لے گا، میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی؟ میرے تمام ارمان
میرے دل ہی میں رہیں گے، مقدس دیوتاؤں نامراد تو مجھے دنیا سے مت اٹھاؤ۔“
ایسی غم انگیز باتوں سے پھر موم ہو جائے لیکن گگول، ٹوالہ اور سکارگا کے سیاہ
دلوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ البتہ ہمارے پیچھے کھڑے ہوئے سرداروں کے چہرے
سے رحم چمکنے لگا اور گڈ بے چین ہو کر آگے بڑھا اور فلاوٹیا نے روتے ہوئے اپنا
سر گڈ کے قدموں پر رکھ دیا۔

”ستاروں کی دنیا کے سفید انسان“ اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔
”دیوتاؤں کے لئے مجھے اپنی پناہ میں لے لو۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے گگول
اور ٹوالہ کے پیچھے سے بچاؤ۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ زندگی بھر آپ کی کنیز بن کر رہوں گی۔“

”گھبراؤ نہیں فلاؤ میا تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا“ گڈ نے کہا۔
لیکن فلاؤ میا اس کے قدموں سے چپکی رہی۔

”اٹھو فلاؤ میا“ اور گڈ نے اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

ٹوالہ نے اشارہ کیا اور سکارس کا اپنا نیزہ بلند کئے گڈ اور فلاؤ میا کی طرف بڑھا
”اٹھو اٹھو میں۔ اب تمہاری باری ہے“ ہنری نے کہا۔ اب کس بات کے منتظر ہو

”پانڈ گھن کا“ میں نے کہا ”آؤ گھنٹے سے میں چاند پر نظر ڈال رہا

ہوں لیکن اب تک تو اس پر ایک واضح بھانپ نظر نہیں آتا۔“

”اب انتظار کا وقت گزر چکا ہے۔ کو اٹھو میں بندہ ا کے لئے کوئی تدبیر کرو۔

ورنہ فلاؤ میا کی جان جائے گی دیکھو سکارس کا اس کی طرف بڑھ رہا ہے اور ٹوالہ

مٹھے سے پہلو بدل رہا ہے۔“

میں نے آخری بار چاند کی طرف دیکھا اور نیزہ بلند کیے بڑھتے ہوئے

سکارس کا اور فلاؤ میا کے پیچ میں کھڑا ہو گیا۔

”یہ نہیں ہو سکتا ٹوالہ“ میں نے کہا ”ہم اس بے وجہ قتل کو برداشت

نہیں کر سکتے۔ لڑائی کو جانے دو۔“

ٹوالہ مارے غصے کے سائیکل پر چھٹکارتا پیر پٹنچ کر کھڑا ہو گیا اور سردار جو

ہمارے گرد نیم دائرہ بنائے کھڑے تھے۔ کانا چھو سی کرنے لگے۔

”نہیں ہو سکتا؟ ہیں؟ نہیں ہو سکتا“ ٹوالہ ساند کی طرح ڈکارا

”سفید کتو تم ایک شیر سے بچہ ملانے کی کوشش کر رہے ہو، یاد رکھو تم بھی

(۳) لڑائی کے ساتھ دیوتاؤں کے حضور پہنچ جاؤ گے اور پھر وہی تم سے

نیٹ لیں گے۔ مجھے حکم دیتے ہو، حکومت جتاتے ہو تم مجھ پر؟ دیوتاؤں

کی قسم تمہیں میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ چوٹی کی طرح چٹکی میں

لگا کر رکھ دوں گا تمہیں۔ ہٹ جاؤ، میں کہتا ہوں ہٹ جاؤ بیچ میں سے۔
 سپاہیوں کو گرفتار کر لو ان لوگوں کو۔ سکارڈ کا آگے بڑھو کسی بات کے منتظر ہو
 تم، میرے کہتا ہوں کہ لڑکی کا خاتمہ کر دو۔“

میرے لیے، انکو سزا اور گڈ نے مجھے اپنے حلقہ میں لے کر بندوبستیں اٹھائیں۔
 ”میں نے انکو سزا اور گڈ کا ایک ہٹ جاؤ“ بنظام میں نے بڑی بہادری سے کہا لیکن وہ
 سزا اور گڈ میں جانتا تھا۔ ”مہ ستاروں سے آگے ہونے سے سفید انسان کہتے
 ہیں کہ یہ سب سزا اور گڈ نے ایک قابو بھی آگے بڑھایا تو چاہے کو بچا کر
 لے لے گا۔“

میرے لیے، سزا اور گڈ نے وہاں سے گرفتار کرنے کے لئے بڑھتے ہوئے
 سزا اور گڈ کو لکھتے ہوئے اور سکارڈ کا ٹیڑھ ہوا میں بلند کا بلند ہی رہ گیا
 میں نے کہا کہ انہوں نے انکو لے لیا۔ ”انکو لے لیا“ انکو لے لیا کہتے ہیں
 میں نے کہا کہ میں نے سزا اور گڈ کو لکھا کہ جب چاہا بچھا یا۔ اچھا اور شاہ
 ان لوگوں کو پاند سے روشنی چھین لینے دو اگر انہوں نے ایسا کیا تو لڑکی
 کی جان کٹھی جائے گی ورنہ پھر یہ سفید انسان اور لڑکی سب کو یونٹوں
 کے اندر رہنے دیا جائے گا۔“

میرے لیے، سزا اور گڈ نے چاند کی طرف دیکھا۔ اس کے کنارے پرناخن جیسا سیاہ داغ
 ابھرا یا تھا۔ میں نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے ہنری اور گڈ
 نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر میں نے انکو میری نظریں اس طرح پڑھنی شروع کیں کہ
 وہ ان لوگوں کو جادو کے بول معلوم ہوں۔ ہنری نے انجیل مقدس کے آئینے
 اور گڈ نے بادلوں میں سے چند پیرا گراف بڑبڑانا شروع کئے۔
 سیاہ داغ آہستہ آہستہ چاند کے منور چہرے پر پھیلنے لگا اور گرد کھڑے

کھڑے ہوئے ہجوم سے بھنبھناہٹ سی ابھری: ”دیکھ اے ٹوالہ“ میں چلا یا۔
 ”ہم جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔ دیکھ اے پڑھیل گنگول یہ ہمارے جادو کا
 ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ ہم چاند سے اس وقت روشنی تھمن لیتے ہیں جبکہ
 وہ پورے طور سے چمک رہا ہو۔ ہاں اے چاند ہمارے حکم کا تابع ہو جا۔
 بجھ جا۔ ختم ہو جا۔ اور اپنی روشنی سے ان نظالوں کو محروم کر دے۔ تیرے
 باشندوں سے پنجہ رٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ معزز سرداروں تم نے ہم
 سے مجبہ طلب کیا تھا۔ تو لو دیکھو شہر سے دیکھو۔“ ہجوم میں
 ہجوم میں خوفناک چیخیں بلند ہوئیں۔ کچھ لوگ کھڑے رہے اور کچھ لوگ
 کھڑے رہے اور کچھ لوگ گھٹنوں کے بل زمین پر گر کر جانے لگے۔ ٹوالہ نے
 لگے۔ ٹوالہ ایک ہی جگہ جم گیا اور اس کے سیاہ چہرے پر خوف کا زور لگا چھا
 لگی۔ ایک گنگول بھی جو اس وقت بھی گھبرا نہیں رہی تھی۔

”ڈرو نہیں گنگول نے کہا یہ تو ایک بادل ہے جو چاند پر سے ابھی گزر
 جائے گا۔ ڈرو نہیں ایسے دماغ کئی مرتبہ چاند پر آگئے اور گزر گئے ہیں۔“
 ”اچھا ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اے چاند کیا بات ہے۔ آج تو
 اتنا مرد اور مست کیوں ہے جلدی کر۔“ خدا جانے آگے کیا تھا؟ ایک
 ناول میں نے پڑھا تھا اور اس کا یہ جملہ یاد رہ گیا تھا لیکن آگے کے
 تمام الفاظ اس وقت دماغ سے اتر گئے تھے: ”گڈ لیجو پڑھو۔ مجھے تو
 اب کچھ یاد نہیں۔“

گڈ نے بلند آواز سے کون جانے کیا کچھ اوٹ پٹانگ نظمیں اور ناولوں
 کے ابواب پڑھنے شروع کئے اور بغیر کے مسلسل پندرہ منٹ تک پڑھا چلا گیا
 سپاہی کا حلقہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ تمام لوگ یوں بے حس و حرکت

کھڑے ہوئے تھے کہ کسی دکان کے منٹو کیس میں رکھے ہوئے مجھے معلوم ہو رہے تھے۔

نصف چاند سیاہ ہو گیا۔

میزان میں گہری خاموشی چھا گئی اور اس خاموشی میں لوگوں کی الٹی سی مریخ تیز سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ چاند پر گہن بڑھنے لگا اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ چاند کا صرف آخری برابر حصہ روشن رہ گیا۔ ہوا تھم گئی اور نضا تار کی سے بھر گئی اور ہم اپنے قریب کھڑے لوگوں کی صورتیں بھی کشتل پہچان سکتے تھے۔

”چاند رہا ہے۔ چاند مردہ ہے۔ سفید چاند گروں نے چاند کو بھا دیا۔“ سکارنگا چلا آیا اب ہم تاریکی سے گہرا کر مر جائیں گے۔“

اور خدا جانے خوف یا غصہ سے یادوں کی وجہ سے سکارنگا نے اپنا نیزہ بلند کیا اور یہ ہوش کر کے کم از کم پہنے ہوئے ہیں اس نے پوری قوت سے اپنا نیزہ مہزی کے سینے پر مارا۔ نیزہ زور کی کڑیوں میں الجھ گیا۔ مہزی نے حیرت انگیز چہرتی سے نیزہ سکارنگا کے ہاتھ سے گھسیٹ لیا اور گھما کر اس زور سے سکارنگا کے سینے پر مارا کہ اس کی ٹوک سکارنگا کی پیٹھ کے پار نکل گئی۔ اس کے منہ سے ہیتناک چیخ بلند ہوئی اور وہ بے جان ہو کر مہزی کے قدموں پر گر گیا۔

لڑکیوں کا ہجوم چلا تا ہوا اگر تا بیڑے تاحد دروازے کی طرف بھاگا۔ بالکل نفسی نفسی کا عالم ہو رہا تھا۔ ماں بیٹے کو اور بیٹیاں ماں کو چھوڑ کر چاند کی طرف دیکھتی ہوئی بے تحاشہ بھاگی جا رہی تھیں۔ ڈال بھی اپنے محافظ دستے کے ساتھ جھونپڑے کی طرف بد جو اس ہو کر بھاگا۔ اور

اس کے پیچھے لگول اپنی فوت سے زیادہ زور لگاتی مگرتی پڑتی چلی۔

دوسرے لمحہ میدانِ خالی تھا۔ اب فلاوٹیا، گڈ، ہنری، انفادوس اور وہ سردار جو ہمارے ساتھ تھے میرے اور سسکار گانا کی لاش کے اور کوئی میدانِ خالی نہیں تھا۔ میں نے کہا: "تم نے میرا معجزہ دیکھ لیا۔ اب تم تجھے اس جگہ لے چلو جس جگہ کا تم نے وعدہ کیا تھا۔ ہمارے حکم سے پانڈ ڈھائی گھنٹہ تک سیاہ رہے گا اور ہمیں اس تاریکی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

چلنے میرے آقا، انفادوس نے کہا۔ اور سسکار ایک طرف چلا ہم بھی مع تمام سرداروں کے اس کے پیچھے چلے۔ گڈ فلاوٹیا کا ہاتھ پکڑے ہم سے پیچھے چلا رہا تھا۔

جب ہم صدر دروازے کے قریب پہنچے اس وقت پورا چاند گہرا چکا تھا۔ ستاروں کی روشنی تیز ہو گئی تھی۔ فضا تاریک تھی اور ہم ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ٹھوکرے کھاتے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

انفادوس اور اس کے ساتھی تمام راستوں سے واقف تھے۔ چنانچہ وہ بڑی ہی آسانی سے چلے جا رہے تھے لیکن ہمیں کافی تکلیف ہو رہی تھی بار بار پتھروں پر سے پیر پھیلنے اور ہمارے کپڑے جھاڑیوں میں الجھ جاتے۔ چنانچہ ہماری رفتار بہت سست تھی۔

ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ گہن چھٹنا شروع ہوا اور چاند کے کنارے روشن ہو گئے اور چاندی کے تاروں ایسی کرنوں نے تاریکی کے دامن میں

شکاف ڈال دیے اور ہم نے دیکھا کہ ہم کو کوآن کو کافی پیسے چھوڑ آئے ہیں۔ ہم پہاڑ کی چوٹی سے پر چل رہے تھے اور پھر سطح دو سہل کی گولائی میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پہاڑ کی شکل ہلال ایسی تھی۔

ہلال پہاڑ کی چوٹی چوٹی پر ایک گھاس کا میدان تھا اور اس میدان میں آدھیں فوج کا ایک کیمپ نظر آیا۔ اس کیمپ میں تین ہزار سپاہیوں سے کم نہ ہونگے لیکن آگے بڑھ کر پتہ چلا کہ ایسے اور کئی ایک دستے اس وقت وہاں مقیم تھے میدان کے بیچ میں خوفزدہ سپاہیوں کا ایک گروہ کھڑا ہوا تھا یہ شاید ہمارے تجربہ کی وجہ سے خوفزدہ تھے بغیر کچھ کہنے ہم ان لوگوں کے بیچ سے گزر گئے ایک جھونپڑی کے قریب پہنچ کر انقادوسوں کا۔ اور یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دو سپاہی ہمارا وہ سامان لے جسے ہم انفرادی میں سمجھے چھوڑ آئے تھے جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔

”ان لوگوں کو میں نے آپ کا سامان لینے بھیجا تھا میرے آقا انقادوسوں نے کہا ”اور یہ چیز بھی منگالی تھی“ اور اس نے گڈ کی پتلون کی طرف اشارہ کیا گڈ دیوالوں کی طرح اپنی پتلون کی طرف لپکا اور سپاہی کے ہاتھ سے اپنی پتلون گھسیٹ کر جلدی جلدی پہننے لگا۔

”میرے آقا۔ اپنے ان سفید خوبصورت پیروں کو اپنے غلاموں کی

ظردوں سے مت چھپائیے“ انقادوس نے التجا کی۔

”لعنت ہے مجھ پر اب جو میں تمہارا کہا کروں“ گڈ نے کہا اور پتلون چڑھائی

چنانچہ انقادوس نے گڈ کی بیک چٹھی عینک اور مصنوعی دانستوں پر ہی شکر کیا۔

”میں نے اور ان سرداروں نے کافی غور و خوض کے بعد تمام دستوں کو صبح

سویرے یہاں جمع ہونے کا حکم دے دیا ہے“ انقادوس نے کہا۔

”تا کہ انہیں کو کوآنہ کے تاج و تخت کے حقیقی وارث اگنوسی سے ملا کر

ٹوالہ کے خلاف بغاوت پر اکسایا جائے۔“

چنانچہ پو پھٹنے ہی تمام دیتے ایک مربع میدان میں جمع ہو گئے اور پھر ان کے بیچ میں کھڑے ہوئے۔ انفادوس نے بڑی فصیح و بلیغ تقریر کرتے ہوئے سپاہیوں کو اگنوسی کے حالات سے آگاہ کیا اور پھر اس نے کہا۔

”ٹوالہ کی ہوس پرستیوں اور خود غرضی کی وجہ سے ہم میں سے کئی کی بھی

جان سلامت نہیں چڑھیں گی۔ ان کے رقص میں ہزاروں انسان بے گناہ قتل کئے جائیں گے۔ اور ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ ہمارا بھی باری ایک روز آئے گی اور ہم بھی قتل کروائے جائیں گے۔ دیوتاؤں کے لئے اب تو اپنی آنکھوں سے سختی کے پردے ہٹاؤ۔ یہ بہترین موقع ہے۔ اگنوسی کے جھنڈے تلے جمع

ہو جاؤ۔ ستاروں سے آئے ہوئے سفید انسانوں کا جا دو تمہارے ساتھ ہے۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ کو کوآنہ سے ظلم و جبر کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ آندھی کی طرح اٹھو۔ انسان کی طرح پورے کو کوآنہ پر چھا جاؤ۔“

انفادوس کے بعد اگنوسی نے الوبلی تقریر کی اور آخر میں کہا: ”عزیز دوستو! تم نے میری اور انفادوس کی باتیں سنیں۔ اب میں تمہیں اس بات کا اختیار دیتا ہوں کہ مجھے یا ٹوالہ کو چن لو۔ اگر ٹوالہ کو تم نے چن لیا تو زندگی بھر ظلم کی

چکی میں پستے رہو گے اور اگر میرا ساتھ دیا تو تم آزاد ہو جاؤ گے کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ تمہاری بیویوں اور املاک کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے

کو کوآنہ کے تاج و تخت کا اصلی وارث میں ہوں اور اسی لئے ستاروں سے آئے ہوئے سفید انسان میرا ساتھ دے رہے ہیں اگر میں جھوٹا ہوتا تو یہ لوگ کبھی میرا ساتھ نہ دیتے اور کبھی چاند سے روشنی نہ چھینتے۔ تم نے

میرے دوستو! دیکھ لیا کہ ان سفید انسانوں میں کتنی طاقت ہے؟“

”ہاں دیکھ لیا، سیاہیوں نے کہا۔

”میں بادشاہ ہوں۔ دیوتاؤں کی قسم بادشاہ ہوں اور اگر تم میں سے کسی کو شک ہو تو میرے مقابل میں آئے اگر میں مارا گیا تو پھر تمام معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر میرا مقابل مارا گیا تو اس کا سرخ سرخ خون میری سچائی کی گواہی دے گا۔“ کسی کو بھی اگنوسی کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

”اگر تم نے میرا ہاتھ دیا اور میں کا دیاب ہوا تو میں تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دوں گا اور تمہیں ان ظالم سرداروں کی جگہ پر نفسیات کروں گا جو لوگوں کے دست بازو ہیں اور میں تم کھاتا ہوں کہیرا مرنا اور جینا تمہارے ساتھ ہوگا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب میں اپنے باپ کے تخت پر قدم رکھوں گا تو تمام خون خرابے موقوف ہو جائیں گے۔ چہر کھی پھیلوں کارفس نہیں ہوگا۔ تمہاری بیویاں اور املاک محفوظ رہیں گی اور تم اپنی جھونپڑیوں میں بے فکری کی نیند سو سکو گے امن اور انصاف ہمیشہ تمہاری استیوں پر اپنے پیر پھیلائے رہے گا۔ اے معزز سرداروں اور فوجی بھائیوں بتاؤ کیا تم میرا ساتھ دو گے۔“

”ہم آپ کے ساتھ ہیں، چاروں طرف سے آواز آئی۔

”بہت اچھا۔ اور اب تم دیکھو گے کہ لڑائی کے سفیر ملک کے طول و عرض میں دوڑ جائیں گے اور وہ بزدل، شکر لے کر تمہیں، مجھے اور ان سفید انسانوں کو کھیل ڈالنے کے لئے بڑھے گا۔ لیکن وہ اپنے ارادوں میں ناکامیاب رہے گا۔ بھائیو! بہر حال میں حق و باطل پر فتح پاتا ہے۔ اور جب لڑائی کا سامنا ہوگا اس وقت میں دیکھوں گا کہ کون جاننا زانپنے خون سے آزادی کے پودے کو پیراں کرنا ہے اور کون بزدل میدان سے منھ موڑتا ہے۔ اب تم جاؤ اور جنگ کی

تیاری کروکلن یا پرسوں ٹوال سے ہمارا سامنا ہوگا۔“
 کسی سردار نے اپنا تیز ہلندہ کیا اور ارد گرد کی پہاڑیاں سلام کے ”کوم“ کی
 آواز سے گونج اٹھی۔ اور یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ انھوں نے اگنوسی کو ہی
 یا شاہ تسلیم کر لیا ہے اور پھر تمام دستے اپنے اپنے جائے مقام کی طرف چل دیئے۔

ہلالی پہاڑی کی چوٹی پر سے ”لو“ کا تمام منتظر نظر آتا تھا۔ ٹوال کے سفیر صد
 دروازے سے نکلی نکلی کر چاروں سمتوں میں فوجیں اکٹھا کرنے کے لئے بھاگے
 جا رہے تھے۔ اور میدان میں دستے جمع ہوتے جا رہے تھے۔ انقادوس نے
 بتایا کہ اس وقت لو میں تیس سے پینتیس ہزار سپاہی ایسے تھے جو ٹوال سے
 ٹوٹ کر شاید ہم سے مل جائیں مگر یہ سوچنا قبل از وقت تھا اور اس کا کچھ زیادہ
 امکان بھی نہیں تھا۔ حفاظتی تدبیر کے طور پر ہم نے چند دستوں کو حکم دیا کہ
 وہ باری باری پہاڑی کے چاروں طرف گشت کرتے رہیں اور کوئی غیر معمولی
 بات ہو تو ہمیں فوراً اطلاع دیں۔ ہمارے کیمپ میں بڑے زور و شور سے
 تیاریاں ہونے لگیں۔

انقادوس اور چند سرداروں کا خیال تھا کہ ٹوال چونکہ ہمارے جادو
 سے خوفزدہ ہے اس لئے شاید دو روز تک وہ پیش قدمی نہ کرے اور
 ان کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا۔

اس عرصہ میں ہمیں بھی تیاری کا موقع مل گیا۔ وہ راستے جو نیچے ہلالی
 پہاڑ کی چوٹی تک پہنچے تھے۔ بڑے بڑے پتھروں کے ذریعہ بند کر دیئے
 گئے۔ جگہ جگہ پر پتھروں کے انبار اس طرح سے لگائے گئے کہ اگر ٹوال کی
 فوجیں اوپر چڑھنے کی کوشش کریں تو ان پتھروں کو بڑی آسانی سے ان پر

لڑھکایا جاسکے۔

ایک شام جبکہ ہم ایک جگہ بیٹھے مستار ہے تھے۔ چند سیپاہیوں سے مل کر ہمارے طرف آنے نظر آئے۔ ان میں سب سے آگے دو سیپاہی تھے وہ اپنے ہاتھ میں ایک ہری ٹہنی اٹھائے تھے اور یہ نشانی تھی اس بات کی کہ وہ ٹوالہ کے سفیر تھے۔

آگے آتا ہوا شخص جس کے ہاتھ میں ٹہنی تھی آگے بڑھ کر پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہو گیا۔ فوراً اگنوسی اور انقادز میں اس کے استقبال کو پہنچے اور اسے اوپر لے آئے۔

”ہمانہ اباد شاہ ان لوگوں کو سلام کہتا ہے جو اس کے خلاف ناپاک راولے سے جنگ میں شریک ہو رہے ہیں۔“ سفیر نے کہا۔ ”شیران لوڑلوں کو سلام کہتا ہے جو حماقت کرتے ہوئے اس سے بچہ لڑانا چاہتے ہیں۔“

”کہو تم کیا پیغام لائے ہو؟“ میں نے پوچھا۔
 ”بادشاہ کا پیغام یہ ہے کہ وہ تمہیں خبردار کرتے ہیں کہ اگر تم نے کوتاہ ندیشی سے کام لیتے ہوئے ٹوالہ کا مقابلہ کیا تو پھر تمہارا انجام برا ہو گا۔ میں تمہارے لئے تنگ ہو جائے گا اور آسمان دور ہو گا لیکن ہمارا بادشاہ خون خرابہ پسند نہیں کرتا۔ اس کی طبیعت بڑی صلح کن واقع ہوئی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ صلح ہو جائے۔“

”کن شرائط پر؟“ میں نے پوچھا۔

”ٹوالہ کی شرائط بڑی رحیمانہ ہیں۔ ٹوالہ کے الفاظ یہ ہیں ٹوالہ جس نے ایک آنکھ عقاب کی مانند تیز ہے۔ ٹوالہ جو مجسم قہر ہے اور جو ہزاروں بیویوں کا خاوند اور کو کو آنہ کا خدا ہے جو دیوتاؤں کا منظور طریقہ اور

گنج سلیمان

جسے نگرل ایسی لافانی اور زینک ہستی کی مدد حاصل ہے اور بڑا بچہ اجلا کے تخت پر جلوہ افروز ہے تم سے کہتا ہے کہ میں تم سے چند معمولی شرائط صلح کرنے کے لئے تیار ہوں اور وہ شرائط یہ ہیں۔

۱۔ میں تم لوگوں پر رجم کرتے ہوئے محض چند لوگوں کو قتل کروں گا۔
۲۔ ہر دس آدمی میں سے ایک قتل کیا جائے گا اور بقایا کی جان بخشی کا جائے گی۔

۳۔ سفید فام انکو بوسا نے بادشاہ کے لڑکے سکاکا کی جان لی ہے اور اس کا غلام اگنوسی جی نے لڑالہ کے خلاف سپاہیوں کو بھڑکایا ہے۔ تکلیفیں دے دے کہ یہی طرح سے مارنے جائیں گے۔

۴۔ انفا دوس بادشاہ کے بھائی کا بھی حشر انکو بوسا اور اگنوسی کے جیسا ہی ہو گا کیونکہ اس نے اپنے ولی نعمت سے بغاوت کی ہے اور لڑالہ رح ہے کریم ہے کہ وہ ان لوگوں کے ہی خون پراکتفا کرتا ہے۔ تو یہ بھئیوں کی معمولی اور رعبانہ شرائط۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ملنا آواز میں کہا تاکہ سپاہی بھی سن لیں۔

”تم واپس جا کر لڑالہ سے کہدو کہ ہم اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک کہ لڑالہ زندہ ہے اور جب تک اگنوسی اپنے باپ کے تخت پر نہیں بیٹھتا، لڑالہ سے کہو کہ اگنوسی انفا دوس۔ معزز سرداروں اور ستاروں سے آئے ہوئے سفید انسانوں کا جو چاند کو بچھا سکتے ہیں فیہ اٹل ہے اور لڑالہ سے کہو کہ اسے ہمارے جادو سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اسے خاک و خون میں لٹا دیں گے۔“

سفیر نسا: تمہارے ان کھوکھلے الفاظ سے ہم خوفزدہ نہیں ہو سکتے تمہاری بہادری اور جادو کا امتحان کلی ہو گا اور اس وقت جب کہ کوئے اونچا پونچوں میں تمہاری ہڈیاں لٹے کو کو آندہ پیر پر واڑ کریں گے تب تمام یہ خدارہ عبرت حاصل کریں گے۔ کل میدان جنگ میں ہماری ملاقات ہو گی اور دیکھو ستاروں ستاروں کی طرف واپس بھاگ مت جانا؟“

سفیر نے قہقہہ بلند کرنا چلا گیا۔

وہ رات بڑی بے چینی میں بسر ہوئی ہم از حد تھکے ہوئے تھے لیکن نیند کا کوئی سونہ نہیں تھا۔ آدھی رات تک تمام انتظامات کلی ہو گئے۔ اور پھر ہم پیارٹ سے پیچھے آکر گھومنے لگے۔ چاروں طرف گہرا سکوت سناؤں ہوئی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہماری آخری رات ہے۔ ایک نامعلوم خوف فضا میں منڈلا رہا تھا اور ہم یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی اندھے کنوینٹ کا گمراہیوں میں دوہتا چلا جا رہا ہے۔ ہم آگے بڑھے اور اردگرد کی چٹانوں کے پیچھے سے سکھت بہت سے نیرے بلند ہوئے۔ یہ ہمارا گشتی دستہ تھا اور ہمیں اطمینان ہو گیا کہ ہر شخص اپنا فرض بخوبی انجام دے رہا ہے۔ لوٹنے وقت ہم سوتے ہوئے سپاہیوں کے پیچ میں سے گزرے۔ ان سپاہیوں میں سے کسی کتے ہوں گے جو موت کی نیند سو رہے ہوں گے؟“ ہنری نے گہری نیند سوتے ہوئے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے نیند میں مدہوش سپاہیوں کی طرف اشارہ دیکھا اور ان پر مجھے موت سا یہ فلگن نظر آئی۔ میرے حلق میں کوئی چیز اٹک سی گئی اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ یہ سپاہی خون میں لٹھڑے ہوئے موت کی نیند سو رہے ہیں اور ان میں میں بھی بے جان پڑا ہوا ہوں۔ ٹھنڈک کی ایک لہری میری

ریڑھ کی ہڈی میں رینگ گئی۔ کئی تک ہزاروں بچے یقیم اور ہزاروں عورتیں
 بیوہ ہو چکی ہوں گی۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہو گا صرف ایک چاند ہو گا
 جو کئی رات طلوع ہو کر مادر وطن پر جان دینے والے بہادروں کو اپنی نورانی
 کرفوں سے غسل دے رہا ہو گا۔ ایسے ہی اگلے طرید سے خیالات نے میرے دماغ
 میں بلچل مپادی۔

”سنہری“ میں نے کہا: اس وقت میں بہت خوفزدہ ہوں۔
 سنہری نے اپنی بھوسلی ڈاڑھی پر لٹکتے پھیرتے ہوئے ہنس کر جواب دیا۔
 ”تم چلے ہی کہہ چکے ہو کہ تم بزدل ہو۔“

”سنہری کیا پتہ کئی ہم میں سے کون وطن اور عزیزوں سے دور بیکیسی
 کی موت مارا جائے۔ نوالہ پوری قوت سے تلمک کرے گا اور شاید فتح آگئی ہو۔“
 ”کو اٹھ سین با بومی کھر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی گھسان کارن
 بڑے گا اور ہم بلاو یہ اس کی لپیٹ میں آگے آئی نیکن اب جیکہ اوکھلی میں سر
 دے ہی چکے ہیں تو پھر دھوا کوں سے ڈرنا کیسا؟ میں بہ نسبت بستر پر مرنے
 کے جنگ میں لڑتے ہوئے بہادری سے مرنا پسند کرتا ہوں اور اب جب کہ
 مجھ اپنے بھائی کے ملنے کی امید بھی نہیں۔ موت میرے لئے بہت آسان ہو گئی
 ہے۔ ہمت رکھو میرے بھائی قدرت بہادروں کا ساتھ دیتی ہے اور یقیناً
 ہمارا ساتھ بھی دیگی۔ یہ جنگ بہت ہی خوفناک ہوگی اور بہر صورت ہمیں اس
 سے گزرننا ہے۔“

سنہری کا آنکھیں چمکنے لگیں اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ سنہری جنگ
 کو بہت پسند کرتا ہے
 ہم نے کچھ دیر آرام کیا۔

پو پھٹتے ہی الفادوس نے ہمیں آکر جھنجھوڑ کر بگا دیا۔ اٹھو میرے آقا۔
 ”لو“ میں اچلی مچی ہوئی ہے اور ٹوالہ کی فوجیں ہماری طرف بڑھ رہی ہیں۔
 ہم نے جلدی جلدی اٹھ کر مسلح ہونا شروع کیا۔

ہنری کو کوآن کے سپاہیوں کی طرح مسلح ہوا۔ اس نے اپنے جسم پر سیاہ کھال
 لپیٹی (یہ پتھر ہونے کی دلیل تھی) سر پر شتر مرغ کے پر لگانے کے لئے گروہیل
 کی دم لپیٹی ایک ہاتھ میں جھکی کلہاڑا لیا اور دوسرے میں ڈھال اٹھائی۔ گھر
 کے گروہیلوں کے ساتھ ساتھ کو کوآن کے چاقو لٹلا س بھی پیٹی میں اس
 لئے انگوٹھی بھی ملے ہو کر آ گیا اور جب وہ اور ہنری ایک ساتھ کھڑے ہوئے
 تو دونوں کے وہ ٹولے کو کوآن کے سپاہیوں کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

اب اسے میں اور گڈ گڈ نے نیکون پن۔ ایک ہاتھ میں کلہاڑا اور دوسرے
 میں نیزہ اٹھایا اور ٹوالہ کی غنایت کردہ زرد جسم پر چڑھائی اور اس میں وہ
 عجیب معلوم اور پختہ پستہ قد اور ضرورت سے زیادہ وزنی کلہاڑا اٹھانے
 کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں ہنستے ہنستے لوٹ گیا ہوتا۔

میرے لئے زردہ بہت ڈھیلی تھی۔ چنانچہ کئی کپڑوں کے اوپر میں نے اسے
 پہنا۔ ہیٹ میں نیک شگون کے لئے شتر مرغ کا ایک پر لگایا۔ ہاتھ میں نیزہ اور
 لٹلا س لئے جن کا استعمال میں نہیں جانتا۔ ہماری بند وقتیں چند سپاہی
 اٹھائے ہوئے تھے جنہیں ہمارے مساعدر ہنے کی ہدایت کر دی گئی تھی۔

اس طرح سے مسلح ہو کر ہم نے کچھ کھانا زہر مار کیا۔ میری بھوک تو غائب
 تھی لقمہ سٹھ میں پاؤ ڈر ہو کر رہ جاتا لیکن قوت برقرار رکھنے کیلئے کھانا ضروری تھا۔
 کھا چکنے کے بعد ہم فوج کے معائنہ کو چلے۔ ایک طرف قلعوں کے برج جیسا گنبد
 تھا۔ یہاں الفادوس اپنے دمنے کے ساتھ مستعد کھڑا تھا۔ یہ دستہ کو کوآن کا

گنچ سلیمان

۱۷۶

نخا صی اور بہادر ترین دستہ تھا اور اسے "گریز" کہتے تھے۔ اس دستہ کے سپاہی انگلستان کے نائٹو اور لکھنؤ کے بانکوں کی طرح صرف مارنا اور مرنا جانتے تھے۔ گریز کے سپرد یہ خدمت تھی کہ وہ میدان جنگ میں گشت کرتا رہے اور جس طرف بھی ٹوالہ کے سپاہیوں کا پتہ بھاری ہوا اور ہمارے سپاہی اہمیت مار چکے ہوں اس طرف حملہ کر دے یا پھر اس وقت پوری شدت سے نہبردست حملہ کرنے جبکہ ٹوالہ کی فوج تھک جائے۔

"لوگ کے صدر دروازے سے ٹوالہ کی فوجیں چیونٹوں کی طرح ابل پڑیں۔ اس قدر لشکر دیکھ کر میرے تو اوصان خطا ہو گئے۔ ٹوالہ کا لشکر بارہ ہزار سے کسی طرح کم نہ ہو گا۔

ٹوالہ کی فوجیں لو سے باہر آ کر تین حصوں میں تقسیم ہو گئیں۔ ایک حصہ بائیں طرف دو مہر ا حصہ دائیں طرف اور تیسرا ہماری طرف بڑھنے لگا۔ "یہ لوگ ہم پر تین اطراف سے حملہ کرنا چاہتے ہیں۔" انقادوس نے کہا۔ یہ خبر واقعی حوصلہ شکن تھی۔ پہاڑ کی چوٹی دو ڈھائی میل ہی چوڑی تھی۔ اور اگر یہاں تین اطراف سے حملہ ہوا تو ہمارا بیچ میں گھر کر پس جانا یقینی تھا اور یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ٹوالہ کے دستے کس طرف سے حملہ کریں گے بہر حال جیسے بھی ممکن ہو لشکر کی طرف آدمی دوڑا کر افسروں کو کہلا دیا کہ فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور جس طرف سے بھی ٹوالہ کی فوج آئی نظر آئے۔ اس طرف ایک دستہ اس کے مقابلے کیلئے چل دے۔

آہستہ آہستہ بغیر کسی خوف و اندیشہ کے باقی کے تینوں دستے آگے بڑھتے گئے۔
 دائیں اور بائیں طرف جاتے ہوئے دستے پارٹیوں کے نیچے ٹامب ہو گئے۔ وہ
 دستے جو ہماری طرف آ رہے تھے بلا کہ پارٹیوں کے دستوں میں کھڑا ہو گیا اور وہ
 خدا کی قسم میں اس دستے کو ہمیں منٹ میں ہاتھ کر سکتا ہوں گڈنے کہا
 "کواٹر میں ابتدا کرتا کرو"۔ میری نے کہا "ہمارے سامنے ٹوٹا کی فوجوں کا
 نشانہ بناؤ۔ امید ہے کہ شگون نیک ہوگا۔"

میں نے ہندوق اٹھائی اور موقع کا منتظر رہا۔ افسر نے حکم دیا اور سپاہی
 تیزی سے آگے۔ افسر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اکیلا نظر آ رہا میں نے شدت
 باز بھکر بلبلی دیا دیا۔ پت نہیں ہو اکی وجہ سے یا گھبراہٹ کی وجہ سے نشانہ
 میں گرڈ بڑ ہو گئی۔ ہندوق کی آواز کے بعد جب میرے سامنے سے دھواں چھٹا
 تو میں نے دیکھا کہ افسر حیران و پریشان کھڑا ہوا تھا اور اس کا ساتھی زمین پر
 لوٹ رہا تھا۔ ایک دم سے وہ افسر پٹا اور بے توجہ اپنے فوجوں کی طرف بھاگا
 "بیو کواٹر میں بیو" گڈ چلایا "تم نے افسر کو تو فرزدہ کر دیا ہے۔"

مجھے اپنے نشانہ کے خطا ہونے پر بڑا افسوس آیا۔ آپ جانئے جب کوئی
 شخص کسی بات کا ماہر ہو اور عام مجمع میں ہی اس کی تمام استادی دھری رہ
 جائے تو مارے غصہ اور رنج کے وہ دیوانہ ہو جائے گا یا نہیں؟ بس یہی
 حالت میری بھی ہوئی اور یہ سوچے سمجھے بغیر کہ میں کیا کر رہا ہوں بھاگتے ہوئے

افسر کو شفت میں لے کر لیلی دیادی بھاگتے ہوئے افسر نے اپنے دونوں ہاتھ ہوا
 تیز بلند کئے اور لڑکھڑا کر اوند سے منہ گرا اور میں خوشی سے چلا اٹھا۔ ان کا کتنا
 خود غرض ہوتا ہے کہ اپنی بڑائی جتانے کے لئے لوگوں کی جانوں کی پروا نہیں کرتا۔
 ہماری فوج افسر کی موت کو نفع کا پیش بھو سمجھ کر عرصت سے اپنے گلے پر
 افسر کے دستے خوف سے کئی قدم پیچھے ہٹ گئے اور گڑ اور ہنری نے اپنے اپنے بندوں
 اٹھا کر گولیاں چلائی شروع کیں۔ میں نے گولیاں چلائی دیا اور تیجہ میں دشمن
 کے کاسپا ہتھیار ان میں مردوں پڑنے لگے۔

دفعہ پہلے بائیں طرف سے پھردا میں افسر کے شور بلند ہوا۔ ٹوالہ کی فوجوں
 نے ہمارے دائیں اور بائیں دستوں پر حملہ کر دیا تھا۔ شور و غل میں کہ ہمارے
 سامنے پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہوا دستہ بھی آہستہ آہستہ ہمارے طرف بڑھنے لگا
 وہ لوگ کوئی جنگی گیت گاتے آگے بڑھ رہے تھے۔ لیکن وقتاً فوقتاً بندوں کے
 دھماکوں کی وجہ سے ان کا گیت لڑکھڑا کر خاموش ہو جاتا۔ لیکن ہمارے جی بندوق
 بازی سے ان میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی۔ جتنے سپاہی ہمارے جاتے فوراً
 ان کا جگہ نئے سپاہی لے لیتے۔ انکو صی دوڑتا ہوا آکر ہمارے قریب کھڑا ہو گیا
 ٹوالہ کی فوج نیزے ہلاتی اس جگہ تک آگئی جہاں ہم نے راستہ بند کرنے
 کے لئے پتھر رکھے تھے۔ یہاں آکر ان کی رفتار کچھ سست ہو گئی اور ہم نے
 ان کی کوئی خاص مزاحمت نہیں کی۔ وقتاً فوقتاً بندوں چلا دیتے تھے اور بس۔
 ہمارے لشکر کی پہلی صف، جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے اس سے نیچے چوٹی
 اور میدان کے نیچوں بیچ کھڑی ہوئی تھی۔ دوسری ان سے پچاس گزا پر اور
 تیسری چوٹی اور ہمارے بالکل قریب مستعدی سے کھڑی ہوئی تھی۔
 ہمارے پہلی صف کے قریب آکر ٹوالہ کی فوج نے "ٹوالہ ٹوالہ۔ چکی چکی"

(ٹوالہ کی جے) کا نعرہ بلند کیا۔ اور اس کے جواب میں ہماری فوج نے اگتویا چکی چکی کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں فوجیں آپس میں ٹکرائیں ٹولہ اس سورج کی شعاعیں میں چمکتے ہوئے انسانی سمندر کی طرف چلے اور یوں جنگ کی ابتدا ہوئی۔

پانڈیا نے سپاہی بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے اور انسان خنزاں میں جھڑتے ہوئے پتوں کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ٹوالہ کے سپاہیوں نے سمٹ کر پر جوش حملہ کیا اور ہماری پہلی صف دبتے دبتے دوسری صف سے جا ٹکرائی اور اس جنگ جنگ نے بہت ہی بھیانک مسورت اختیار کر لی۔ کچھ دیر بعد ہماری دوسری صف کے قدم اکھڑنے اور وہ سیلاب میں پھنسے ہوئے ایک تنکے کی طرح بہتے بہاتے ہماری تیسری صف سے آملے۔ بیس منٹ کے بعد تیسری صف میں بھی پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے۔

ہماری کچھ دیر تک جنگ کا رنگ ڈھنگ دیکھتا رہا اور پھر وہ شیر کی طرح غراتا ہوا چلا گیا اس کے پیچھے ہولیا اور دونوں ایک ساتھ جنگ کی آگ میں کود پڑے۔ لیکن میں جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

سپاہیوں نے ہماری طرف دیکھا اور اسے پہچان کر چلائے۔ ”انکو لو آگیا ہماری کی موجودگی نے ہمارے سپاہیوں کے دل بڑھا دیئے اور انہوں نے ایسے شدت سے حملہ کیا کہ ٹوالہ کے سپاہی کچھ دور تک ٹھٹے چلے گئے۔ اس وقت ایک سپاہی نے آکر اطلاع دی کہ دائیں طرف سے بھی ٹوالہ کی فوجیں سپاہی رہی ہیں۔ میں اپنے آپ کو مبارکباد دینے لگی والا تھا کہ بائیں طرف سے ایک عظیم شور بلند ہوا۔ ہماری فوجیں شکست کھا کر بے تحاشہ میری طرف بھاگیں۔ آ رہی تھیں اور ان کے پیچھے ٹوالہ کے سپاہی فیزے اور ٹولہ اس بلند کئے خود سے چلاتے بھاگے چلے آ رہے تھے۔

گنجن سلیمان

۱۸۰

انگنوسی نے جو میرے قریب ہی کھڑا ہوا تھا کچھ احکام جاری کئے۔ گریڈ کے دستے کو جیتش ہوئی۔ انگنوسی نے پھر کچھ کہا اور میں نے تو فزودہ ہو کر دیکھا کہ میں بھی جنگ میں گھرا ہوا تھا۔ انگنوسی کے پیچھے ہی پیچھے رہ کر میں نے اپنی بزدلی کا بدترہن ثبوت دیا۔ ایک ہی دو منٹ میں پتہ نہیں کیا ہوا بس اتنا یاد ہے کہ سیزول اولڈ ٹولاس کی ٹکروں کی وجہ سے ہتھکڑا بلند ہوئی اور سپاہی میری آنکھوں کے سامنے کٹا کٹ کر گرنے لگے۔ ابھی تک میں نے کسی پر حملہ کیا بھی نہیں تھا کہ ایک گرانڈ ڈیٹا شخص اپنا تیز ٹولاس ہرا میں لہرا تا میری طرف بڑھا اور اپنی پوری قوت سے مجھ پر وار کیا۔ پتہ نہیں چک کر یا ایک طرف کود کر میں نے اس کا وار خالی دیا۔ ابھی میں اپنے جو اس درست کرنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ نالائق دانت پلینتا ہوا میری طرف بڑھا پہلا وار نکالی جانے کی وجہ سے وہ دلیوان ہو رہا تھا اور بھوکے کتے کی طرح زانا ہوا بڑھی تیزی سے میری طرف لپکا میں نے لپتوں کی نالی اس کی طرف کی اور نساء ہن دو گولیاں چلا دیں میرا حرف میرے سامنے مردہ پڑا تھا۔ ابھی میں اپنی ہادری کی داد دینے آیا والا تھا کہ کون بھاری چیز میرے سر پر مار گئی اور میں غور کر گیا۔

پتہ نہیں چھ کیا ہوا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک پتھر پر لٹے ہوئے پایا۔ گڈ ایک ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کچھ پر جھکا ہوا تھا۔

”کیا حال ہیں؟“ گڈ نے پوچھا۔

”شکریہ۔ بہر پانی ہے آپ کی۔“ میں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم چل گئے۔ روزہ میں نے جب دیکھا کہ سپاہی تمہیں ٹھانے لگے جا رہے ہیں تو میں تو فاتحہ پڑھ چکا تھا۔“

اور میرے مرنے میں کس بھی کیا رہ گئی تھی۔ وہ تو زندگی تھی جو بچ گیا کون جانے

کسی نے میرے سر پر ضرب لگائی تھی۔ ہاں گد جنگ کا فیصلہ کیا ہوا۔ ”
 ”ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ کافی جانی نقصان ہوا ہے۔ ہمارے دو ہزار
 سپاہی مارے گئے اور زخمی ہوئے ہیں اور ٹوڑے تین ہزار۔ ادھر دیکھو۔ اور
 اس نے ایک طرف اشارہ کیا سپاہیوں کے گروہ ہماری طرف آرہے تھے۔
 ہر چار سپاہیوں کے بیچ میں ایک زخمی سپاہی تکلیف سے کرا رہا ہوا آ
 رہا تھا۔ جب زخمی سپاہی ایک جگہ جمع ہونے تو مقامی لوگوں نے ان کا معاملہ
 شروع کیا۔ اگر کوئی سپاہی بہت زیادہ زخمی نہ ہوتا تو اس کا علاج پوری
 توجہ سے ہوتا۔ لیکن اگر کوئی سپاہی اتنا زخمی ہوتا کہ اس کے بچنے کی امید
 کم ہوتی تو مقامی ڈاکٹر اس کی شرک کاٹ دیتے اور خون بہہ جانے کی وجہ
 سے چند منٹوں میں ہی وہ سپاہی مر جاتا۔ یہ ایک بہت ہی بے رحمانہ فعل
 تھا لیکن کوکو آند کے سپاہیوں کے نزدیک اس کی اشد ضرورت تھی اور وہ
 اس لئے کہ وہ زخمیوں کی طرف سے بے فکر ہو کر میسوں سے جنگ کر سکیں۔
 کوکو آند کے نیزے کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس لئے بہت کم سپاہی اس
 بے دروازہ فعل سے بچ سکے۔ زخموں کو چشم زدن میں موت سے ہلکنار کر دینا
 ان کے نزدیک معمولی سی بات تھی لیکن میں اپنے ہم میں جھر جھری سی عوس
 کے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ میں اس طرف سے بھاگا اور اس جگہ پہنچا جہاں
 ہنری اپنے ہاتھ میں خون آلود کلباڑا لے اگنوسی۔ انقادوس اور چند سرداروں
 کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

”اچھا ہوا تم آگے کو اٹھیں“ ہنری نے کہا۔ پتہ نہیں اگنوسی کیا کرنا

چاہتا ہے۔ بظاہر میدان ہمارے ہاتھ رہا لیکن ٹوڑا اب اس فکر میں ہے
 کہ ہمیں بھوکا پیاسا مار دے۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ بقول انفرادوں اب ہمارے پاس پانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے“

”جی ہاں میرے آقا! انفرادوں نے کہا: پانی کی مقدار دم بدم گھٹتی جا رہی ہے“

اور رات سے چلے ہمارا تمام لشکر پیاس سے مر رہا ہے۔ گا۔ میگومینز آپ عقلمند اور ہوشیار

آدمی ہیں۔ بتا دوں میں صد ایسی جنگوں سے آپ کا واسطہ پڑا ہے۔ گا۔ چنانچہ اب

ہیں شورہ دو کہ یہی کیا کرنا چاہئے۔ ٹوالہ نے بہت سے تازہ دم سپاہی جمع کر لئے

ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹوالہ ہم سے مرعوب ہو چکا ہے۔ لیکن وہ ایک

ایسے عقاب کی مانند ہے جو کسی حالت میں بھی اپنے شکار کو ہاتھ سے جانے

نہیں دیتا۔ ٹوالہ ہمارے زخمیوں کے مرنے کا انتظار کرنے کا اور پھر وہ گوریل

جنگ لڑے گا۔ بہت چالاک ہے وہ۔“

”اچھا تو پھر؟“ میں نے پوچھا۔

”اب تین صورتیں ہیں میگومینز: انفرادوں نے کہا: ایک تو یہ کہ نہیں پڑے

پڑے بیمار تیر کی طرح ہم بھوک اور پیاس سے مرے رہیں۔ دوسری صورت یہ

ہے کہ ٹوالہ کے لشکر پر حملہ کریں اور لڑتے بھڑتے اس کے بیچ میں سے گز

کر لو کی طرف چلے جائیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ شمال کی طرف پسپا ہو جائیں

انکو بونے (اس نے ہنسی کی طرف اشارہ کیا) آج غضب کی جنگ لڑی ہے۔

اس کا کلہاڑا انسان کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کرتا جاتا تھا بالکل ایسے ہی جیسے

درانتی غلہ کاٹ کاٹ کر کھلیاں بھر دیتا ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ انکو

کہتے ہیں کہ ٹوالہ کے لشکر پر حملہ کیا جائے لیکن ہم آپ سے شورہ چاہتے ہیں

کہ اب کیا کیا جائے؟

”اگنوسی تمہارا خیال کیسے ہے؟ میں نے پوچھا۔“

”میکو مینر میں تو آپ کی ہوشیاری کے سامنے طفل مکتب ہوں میں تو

بس آپ کے مشورے پر عمل کروں گا۔“

گٹھ اور بھری سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے کہا کہ میں فوراً ٹوالہ کے
شکر پر حملہ کر دینا چاہئے۔ دیر کرنے میں ایرا نہ ہو کہ بھوک پیاس اور ٹوالہ
کے شکر کی افراط کا وجہ سے ہماری فوج میں بد دل ہو کر ٹوالہ سے جا ملیں۔“

معلوم ہوتا ہے کہ گوآنہ کے تمام لوگ بیری ہوشیاری کے قائل تھے چنانچہ میں
کے سب نے میرا مشورہ پسند کیا۔ لیکن آخری فیصلہ اگنوسی کے ہاتھ میں تھا۔
کچھ دیر سوچنے کے بعد سردار اگنوسی نے کہا: ”انکو پو میکو مینر اور باگول
میرے عزیز دوستوں میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج ہی ٹوالہ کے لشکر پر حملہ
کروں گا اور یا تو اپنا جائز تخت حاصل کروں گا یا پھر اسی جہد و جہد میں جان
دے دوں گا۔ تم پہاڑ کے اس حصہ کو دیکھ رہے ہو جو جبل کی زبان کی طرح
آگے بڑھا ہوا ہے۔“

”ہاں۔ دیکھ رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”ابھی بات ہے۔ اس وقت دوپہر ہو چکی ہے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد
انفاد میں تم اپنے دستے کو لے کر اس زبان کی طرح بڑھے ہوئے حصہ کی
طرف جانا۔ اس طرف کی گھاٹی بڑی تنگ ہے۔ گھاٹی میں پہنچ کر تم رک جانا
ٹوالہ اپنا تمام لشکر سمیٹ کر تمہارے مقابلے کے لئے آئے گا اور چونکہ گھاٹی تنگ
ہے اس لئے ایک وقت میں ایک ہی لڑاکا تمہارے مقابلہ میں آئے گا اور تم
بڑی آسانی سے ان کا صفایا کر سکو گے۔ انکو پو تمہارے ساتھ جائیں گے۔ میں
تمہارے پیچھے میکو مینر کو لے کر آؤں گا اور اگر شوئی قسمت سے تمہیں کامیابی
نہ ہوئی تو میں تمہاری جگہ لے لوں گا۔“

”بہت اچھا ایسا ہی ہوگا“ انفرادوں نے کہا۔

”ہمارا لشکر کچھ ایسا جگہ رہے گا، اور جب ٹوٹالہ کی تمام تر توجہ تمہاری

طرف ہوگی انفرادوں سے تیری تازہ دم لشکر تین اطراف سے ٹوٹالہ کی فوج پر

حملہ کرنے کا اور اگر قسمت نے یاوری کی تو میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔

ہاں ہاگرن اس آفری دست کے ساتھ ہیں گئے تاکہ ان کی جادوئی آنکھ ہمارے

سپاہیوں کے دل بڑھاتی رہے۔ اچھا اب کھانا وغیرہ کھا کر کچھ دیر سستا لو۔

انفرادوں میں جلد از جلد اپنے دست کو تیار کرنا۔

ایک گھنٹہ میں ہمارے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے افسروں کو نبرد میں

ہدایت دی گئیں۔ ہمارے لشکر کا تعداد اٹھارہ سو تھی اور اس میں سے

بھی کچھ سپاہی زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے وہیں چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

کچھ دیر بعد گڈ اور ہنری مجھ سے ملنے آئے۔

”اچھا دوستو! خدا حافظ! گڈ نے کہا“ میں اس دستہ کے ساتھ جا رہا

ہوں جو ٹوٹالہ کے لشکر کے میچمنڈ پر حملہ کرنے والا ہے شاید ہم پھر نہ مل سکیں

اس لئے الوداع۔“

”اور ہم ایک دوسرے کے گلے گلے گئے اور ہماری آنکھیں ڈبڈبائیں۔

”آج کی جنگ فیصلہ کن اور بڑی شدت کی ہوگی“ ہنری نے کہا۔ اور مجھے

یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں کل کا سورج نہیں دیکھ سکوں گا میں گریز

کے دستہ کے ساتھ جا رہا ہوں اور جب تک ان کا ایک بھی سپاہی زندہ ہوگا

وہ پیچھے ہٹنے کے نہیں۔ بہر حال میرے دل سے دعا نکل رہی ہے کہ خدا کو اتر میں

کو صبح و سلامت اس ہنگامے میں سے نکال لائے اور خدا کرے کہ تم گراٹر میں

گنج سلیمان کو پا لو۔ اچھا گڈ خدا حافظ۔ جاؤ خدا تمہیں کامیاب کرے۔“

گڈ پرنیم آنکھیں لئے ہم سے رخصت ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد انفا دوسرا آیا اور
 ہنرتا بھی مجھ سے رخصت ہو کر اس کے ساتھ چلا آیا اور اس وقت میرا جی
 پاپا کہ میں پیٹ پیٹ کر دوں۔ میں تم واندوہ سے کھڑا ہوا۔ اگنوسی کے ساتھ
 اس سے دستے کی طرف چل دیا۔

چند ہی منٹ بعد وہ دونوں دستے لڑنے لگے۔ پیٹ پیٹ چھپاتے اپنے
 اپنے محاذ کی طرف بڑھے لگے۔ گورنر کا دست تیرا بے تک جنگ میں شریک نہ
 ہونے کی وجہ سے بالکل تازہ دم تھا۔ آدھ گھنٹے تک کارا تاکہ دونوں دستے
 اپنے اپنے محاذ پر پہنچ جائیں۔

انفا دوسرا جو ایک ماہر جرنیل اور اپنے سپاہیوں کے دل و دماغ سے
 واقف تھا ایک چٹان پر کھڑا ہو گیا اور ایک مشعلہ باز تقریر کر کے سپاہیوں
 کو گرما دیا اور آخر میں اس نے کہا: "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ستاروں
 کی دنیا کا قوی ترین انسان انکو لوہا ہمارے ساتھ ہیں۔ اس کی قوت بازو
 اور جادو کی وجہ سے اڑالہ کا لشکر جلد بڑھا لے پھیر کر بھاگے گا۔ یاد رکھو اگنوسی
 کی قسمت کا دار و مدار تم پر ہے اور اگر وہ کامیاب ہو گیا تو پھر کو کو آنہ کی منہ
 سے ظلم و جبر کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔"

میں نے گریز کے مطنین چہروں کی طرف دیکھا جن سے اتنی شجاعت ٹپک
 رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیوروں کو بھی خاطر میں نہیں لائیں گے لیکن ان
 کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اور میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ ٹوالہ کے

یہ پناہ لشکر کے سامنے گریز کا ایک سپاہی بھی زندہ نہیں بچے گا اور شاید گریز کو بھی اس بات کا یقین تھا لیکن ان کے چہروں سے کسی قسم کا خوف و ہراس ظاہر نہیں تھا۔ جنگ ان کے لئے ایک دلچسپ کھیل اور موت ایک معمولی سی چیز تھی اور اس وقت میں گریز کی بہادری پر رشک کئے بغیر نہ رہ سکا۔

”دیکھو یہ تمہارا بادشاہ ہے“ انقادوس نے اگنوسی کی طرف اشارہ کیا ”جاؤ اس کے لئے اپنی جان تک لڑاؤ۔ دنیا کو بتا دو کہ بہادر کس طرح سے جنگ کرتے ہیں اگر تم نے جنگ سے منع ہوڑا تو یاد رکھو قیامت تک کو کوآنہ کا بچہ بچہ تم پر لعنت بھیجتا رہے گا۔ آگے بڑھو اور ٹوالہ کے سپاہیوں کے دانت کھٹے کر دو۔ میں اور انکو بوجہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ ایسی جنگ لڑو کہ کو کوآنہ کو مائیں اپنے بچوں کو تمہاری بہادری کے گیت سنائیں۔ آگے بڑھو اور ٹوالہ کو تادو کہ حق کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔“

ایک دم سے سپاہیوں کے گروہ سے ایسی کھینچناٹ بلند ہوئی جیسے کہیں دور سے گند کے مدد و جزر کا آواز آرہی ہو۔ بہت سے نیزے بلند ہوئے۔ ڈھالوں کی گھڑ گھڑاٹ ابھری اور سناری سلام کی آواز سے اردگرد کی پہاڑیاں لرز اٹھیں۔

اگنوسی میں نے سوچا۔ تم اپنی خوش قسمتی پر جتنا بھی ناز کر دکم ہے۔ دنیا کے کئی بادشاہ کو ایسے سپاہی نہ ملے ہوں گے جو اپنے بادشاہ کے ادنیٰ اشارے پر موت کی آغواہ تارکیوں میں سمجھانڈ پڑیں۔

اگنوسی نے اپنا نیزہ بلند کیا اور گریز تین صفیں بنائے ہمارے سامنے سے گزرنے لگے جب ان کی آخری صف ہم سے کوئی پانچ سو گز دور چلی گئی تو اگنوسی مجھے اور اپنے دستہ کو ساتھ لئے ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

امیدی اور خوف نے اپنے بیچ بڑی طرح سے میرے دل میں گاڑ دیئے تھے خیالات
بگھوڑے لگا میں تڑپ کر سر میٹ بھاگے جا رہے تھے۔ اور میرا دل موت کے
دُف سے اندر ہی اندر خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

جب ہم میدان کے کنارے پہنچے تو گریز کے دستے بیل کی زبان ایسی چٹان
بصاف لٹ کر چکے تھے۔ ٹوالہ کے لشکر میں ایک تلامم آگیا اور سپاہی بے تھما
گریز کے مقابلے کے لئے ان کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔

گریز کا دستہ مقرر گھائی پر پہنچ کر رک گیا۔ یہ گھائی کھرائی میں تین سو گز
پر چڑھائی میں صرف چار یا پانچ سو فٹ ہی تھی۔ یہاں پہنچ کر گریز نے اپنے دستے
پانچ تین سفیس مرتب کیں اور خاموشی سے کھڑے ٹوالہ کے لشکر کی آمد کا انتظار
رہنے لگے۔

ہم گریز کی آخری صف سے کوئی ایک گز دور اپنا جگہ پر تھم گئے اور یہاں
میں نے دیکھا کہ ٹوالہ کی فوج جس کی تعداد چالیس ہزار سے کم نہ ہوگی بھندری
لونانی لہروں کی طرح سے گریز کی طرف بڑھ رہی ہے اور ایسے جوش و خروش سے
رہی کہ معلوم ہوتا تھا وہ ہماری معطلی بھر فوج کو اپنے ریلے میں خس و خاشاک
کی طرح بہا لے جائے گی۔

لیکن یہ دیکھ کر کہ گھائی تنگ ہے اور ان کا مقابلہ کو کو آرد کی قوی ترین فوج
گریز سے ہے۔ ٹوالہ کے لشکر کا سیلاب تھم گیا کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی
ناگہانی ٹوالہ کی فوج سے ایک گراٹیل شخص شتر مرغ کے پیروں کا تاج پہنے باہر
آیا۔ یہ ٹوالہ تھا۔ اس نے اشارہ کیا اور پہلی صف کے کاروں کے نعرے لگاتی گریز
پر جا پڑی۔ ہتھیاروں کی جھنکار اور نعروں کی وجہ سے ارد گرد کی پہاڑیاں گونج
اٹھیں اور ڈھالوں پر ہتھیار پڑنے کی آواز یوں سنائی دی جیسے زور سے

بادل کرٹ کا ہوا۔ ہزاروں نیزے بلند ہو کر انسانی سمندروں میں غوطہ زین ہوئے اور جب وہ ابھرے تو کئی ایک خون اگلی رہے تھے۔

جنگ بڑے زور شور سے جاری تھی۔

دفتر آگریز نے اگنوسی کی جے کانفرہ بلند کیا اور ٹوالہ کی صف پر یوں جا پڑے جیسے عقاب اپنے شکار پر جا پڑتا ہے اور شیشم زون میں ٹوالہ کی پہلی صف کا ٹکڑا کر ڈال دیا۔

گریز پھر اپنی جگہ آ کر خاموش کھڑے ہو گئے اور میں نے ہنری کی بھوسلی ڈاڑھی ان کے بچ میں لہرائی دیکھی وہ دوڑ دوڑ کر صفیں ترتیب دے رہا تھا۔ اگنوسی نے فوراً حکم دیا کہ دشمن کے زخمی سپاہیوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور فوراً یہ حکم ہر افسر تک پہنچا دیا گیا۔

ٹوالہ کی دوسری صف اپنے نیزے اور ٹوالہ لہرائی گریز کی طرف بڑھی گریز کھڑے ہوئے ان کی پیش قدمی دیکھتے رہے۔ اور جب وہ لوگ ان سے چالیس گز دور رہ گئے تو گریز کی پہلی صف کو جنبش ہوئی انہوں نے نفرہ بلند کیا اور دشمن کی صف پر جھوٹے تیروں کی طرح جا پڑے۔ ایک بار پھر فضا ہتھیاروں کی جھنکار اور بہادرروں کی چیخ و پکار سے مٹا گئی۔ ٹوالہ کا ہر سپاہی غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے بڑا سخت حملہ کیا لیکن گریز مضبوطی سے جھے رہے۔

دشمن کا ہر سپاہی آگے بڑھ بڑھ کر اپنی پوری قوت سے گریز پر وار کر رہا تھا۔ صفیں دسم دسم ہو گئیں۔ اپنے پرانے کی کسی کو خبر نہ رہی۔ ہر سپاہی اپنے سامنے والے سپاہی سے الجھا ہوا تھا۔

جنگ بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔

ایک ایک منٹ میں ہزاروں سپاہی کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور موت کا فرشتہ
 اس سرعت سے اپنے کام انجام دے رہا تھا۔ ٹوالہ کی فوج نے سمٹ کر حملہ کیا
 مگر یہ قدم بہ قدم پیچھے ہٹنے لگا اور یہ سمجھا کہ اب جنگ کا فیصلہ ہوا یا نہیں ہے۔
 گریز نے بڑی تیزی سے پیچھے ہٹنا شروع کیا اور ٹوالہ کے سپاہی بہ درجہ قتل
 نے لگے۔ دفعتاً ہنری کی گوریج دار اور سنائی دی۔ اس کا اظہار بلند ہوا گریز کے
 سے اٹھو قدم جم گئے۔ اب گریز نے بڑھنا اور دشمنوں سے پیچھے ہٹنا شروع
 کیا۔ "دیوتاؤں کی قسم گریز کی جیسا کہ تمہاری کہانی ہے کہ ایک مرتبہ پھر سلیمان ہمارے
 رہے گا۔"

گریز اس قدر بہادری سے لڑے کہ انکی کالی تیرا دکٹ مری اور اب وہ انکلیوں
 لیز جا سکتے تھے۔ ان گنتی کے گریز نے پوری شدت سے حملہ کیا اور دوسرے
 صلح ٹوالہ کی فوج منہ موڑ کر بہت خاشہ بھاگی اور میں نے دیکھا کہ ہنری صحیح در
 ات ایک چٹان پر کھڑا ہوا تھا اور اس کے قریب ہمارا بوڑھا دوست اتحادوں
 ایک مرتبہ پھر جنگ رک گیا۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں خنورٹا سا بندل ہوں اور جنگ وغیرہ سے
 ہٹا ہوں لیکن اسی وقت پہلی مرتبہ میرے دل میں جنگ کی خواہش ابھری۔
 رے دل میں انسانوں کے قتل کرنے کی دشمنی ولولے نے اپنا پھن پھیلا یا پین
 پنے پیچھے کھڑے ہوئے سپاہیوں پر اچھتی سی نظر ڈالی۔ وہ بے چینی سے
 بدل رہے تھے اور مارے غصے کے دانت پیس رہے تھے اور ان کی
 اس کتے کی طرح چک رہی تھیں جس نے شکار دیکھ لیا ہو لیکن زنجیر سے
 ہونے کی وجہ سے اس تک نہ پہنچ سکتا ہو۔

کاش کہ میں بھی اتنا بہادر ہوتا۔" میں نے سوچا

مگر ٹوالہ اسی ٹوالہ کی آواز بلند ہوئی اور دوسرے ہی لمحے ایک آنکھ والے گرائڈیل ٹوالہ اپنے لشکر سے نکل کر ہمارے سامنے آکھڑا ہوا۔

”کہاں ہے وہ ذلیل انکرہ جس نے میرے لڑکے کی بیان لی تھی۔“

ٹوالہ نے کہا، اور اب میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ سیرا تھا بلکہ کرسنتا ہے یا نہیں اور اس نے اپنا ٹولہ اس گھما کر ہنری کی طرف پھینکا، ہنری نے بلدی سے ڈھال سامنے کر دی اور ٹولہ اس گھما کر زمین پر گر پڑا، ٹوالہ مارے غصے کے دیوانہ ہو گیا اور آگے بڑھ کر کھارٹے سے ہنری پر مار کیا، ہنری نے ڈھال سے گریز کیا، ٹوالہ نے وار اتنی سختی سے کیا تھا کہ اس کے پھٹکے سے ہنری ایسا گرا گیا کہ کھنکھن بھی ڈنگا کر گھٹنوں کے بل زمین پر گرا، ٹوالہ خوشی سے چلاتا ہوا ہنری کی طرف دروازے کی طرف بڑھنے کے لئے بڑھا، میں نے مارے خوف کے اپنی آنکھیں بند کر لیں، رفتاً ٹوالہ کے لشکر کے دائیں اور بائیں حصہ سے ایک شور بلند ہوا، ہمارے ان دستوں نے جین کے ساتھ گڑا تھا، دونوں طرف سے ٹوالہ کی فوجوں پر تلے کر دیا تھا، اس ناگہانی حملہ نے ٹوالہ کے سپاہیوں کے قدم اکھاڑ دیئے اور وہ شکست کھا کر بے ترتیبی سے لو کی طرف بھاگے، ٹوالہ بھی ہنری کو چھوڑ کر بھاگا، میدان خالی تھا اور ہمارے گرد خاک و خون میں لٹھڑیا ہونے لگیں، پڑی ہوئی تھیں، گریز میں سے صرف نوائے سپاہی بچے تھے، باقی تمام بادشاہ پر سے قربان ہو گئے تھے۔

”دوستو! فتح کا سہرا تمہارے سر ہے، انقادوس نے اپنے زخمی ہاتھ پر پٹی باندھتے ہوئے اپنے بچے کھینچے گریز سے کہا، ”قیامت تک مائیں اپنے بچوں کو تمہاری بہادری کی کہانی سناتی رہیں گی،“ پھر اس نے بڑے اعتقاد سے ہنری کے ہاتھ کو بوسہ دیا، ”انکو بوسہ تم ایسا بہادر شخص روئے زمین پر اور کوئی نہیں“

انگوسہی مع اپنے دستے کے ٹوالہ کے تعاقب میں "ٹوالہ" کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں سے اس نے پیغام بھیجا کہ میں اور مہزی اور انفا دوس فوراً اس کے پاس پہنچیں۔ تاکہ ٹوالہ کو گرفتار کر کے قلع کی تکمیل کی جائے۔"

جاننے کے لئے اچھا ہم نے ایک ہی قدم آگے بڑھایا تھا کہ دو سپاہی گڈ کو نیم سے ہوشی کے عالم میں اٹھائے ہماری طرف آتے نظر آئے۔ گڈ بانس کے بنے ہوئے ایک اسٹریچر پر لیٹا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک اور سپاہی کی لاش می رکھی ہوئی تھی۔

"مسلیم ہوتا ہے گڈ زخمی ہو گیا۔ مہزی نے کہا۔

دفعاً کچھ ہلا۔ گڈ کے ساتھ ایٹا اور اسپاہی جسے ہم مرہ سمجھے ہوئے تھے اٹھا اور گڈ پر اپنے نیزے سے وار کرنے لگا۔ میں اور مہزی چلاتے ہوئے اس کی طرف بھاگے۔ اس سپاہی نے گڈ پر وار کیا اور لے جاؤ اپنے اس مفید بارو کو کھتا ہوا ایک طرف بھاگا۔ ہم سمجھے ہمارا عزیز دوست چلی بسا لیکن وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ مسکرا رہا تھا اور ایک چستی عینک بدستور اس کی آنکھ سے چھکی ہوئی تھی۔

"ٹوالہ کی دی ہوئی زرہ سے بچا لیا ورنہ اس نالائق نے میرا کام تمام کر دیا تھا۔ گڈ نے اتنا کہا اور بے ہوش ہو گیا۔ گڈ کے ایک پیر پر گہرا زخم موجود تھا اس وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ ہم نے دو سپاہیوں سے کہا کہ وہ گڈ کو لے لے ہمارے ساتھ چلیں۔

ہم انگوسہی سے جا ملے اور لوکی طرف بڑھنے لگے۔ لو کے صدر دروازے پر ہمارے سپاہیوں کا پہرہ تھا انھوں نے بتایا کہ ٹوالہ کی تمام فوجیں لو میں پناہ گزیں ہیں۔

اگنوسی نے فوراً اپنے بادشاہ ہونے کے اعلان کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو سپاہی ہتھیار ڈال دے گا اس کی جان بخش کر دی جائے گی۔ اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا فوراً خندق پر پل گر آیا گیا اور ہم لوہیں داخل ہوئے۔

مفرو سپاہی راستہ کے دونوں طرف ہاتھ بندھے کھڑے تھے اور ان کے ہتھیار ان کے قدموں پر ڈھیر تھے۔ ان کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے ہم اس میدان میں پہنچے جہاں ہم نے چہیلیوں کا رقص دیکھا تھا۔ میدان بالکل نکالی پڑا ہوا تھا اور اس کے انتہائی سرے پر ٹوالہ گنگول کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پیروں کے پاس اس کی ڈھال اور جنگی کھارٹا پڑے ہوئے تھے۔

یہ منظر بڑا عبرتناک تھا۔ وہ ٹوالہ میں سے ایک عالم نر زتا تھا اور جو ہزاروں بیولیوں کا خاوند کہلاتا تھا اس وقت بے یار و مددگار بیٹھا ہوا تھا اسکے ہتھیار پیروں کے پاس پڑے ہوئے تھے اور سپاہی اگنوسی کے ساتھ ہو گئے تھے اور اس وقت اگر کوئی اس کے ساتھ تھا تو وہ بوزھی گنگول تھا۔

اس سے چپاس گز دور ہمارا دستہ رک گیا اور ہم چند سپاہیوں کے ساتھ ٹوالہ کی طرف بڑھے۔ گنگول نے کھا جانے والی نظروں سے ہمیں دیکھا اور ٹوالہ نے خشکیں نظریں اپنے کامیاب دشمن اگنوسی پر گاڑ دیں۔

”سلام اے بادشاہ“ ٹوالہ نے کہا ”تم میرے ٹکڑوں پر پلے ہو۔ تم وہی ہو جو کسی زمانے میں میرے رحم و کرم پر تھے۔ آج ان سفید جادوگروں کی مدد سے کوکوآنہ کے بادشاہ بنے پھر رہے ہو۔ تباؤ تم کس بات کا بدلہ مجھ سے لینا چاہتے ہو؟“

”اپنے والد کا جس کا تو نے دھوکے سے قتل کیا اور جس کے ملک پر تو آج تک حکومت کرتا رہا۔“ اگنوسی نے کہا۔

”بہت اچھا... میں تمہیں تباہوں گا کہ بہادر انسان کس طرح سے اپنی جان

دیتے ہیں تاکہ جب کبھی تم پر بھی ایسا وقت آئے تو تم بھی اسی طرح بہادری سے جان دو۔ دیکھو سورج غروب ہو رہا ہے۔ اس نے ڈوبتے سورج کی طرف اشارہ کیا۔
 ”اور میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی کا سورج بھی اسی سورج کے ساتھ غروب ہو۔
 میں مرنے کے لئے تیار ہوں لیکن کو کو آنہ کے شاہی خاندان کی روایت کو برقرار رکھنے
 ہوئے لڑتے ہوئے ایک بہادر کی موت مرنا چاہتا ہوں، بکری ایسی موت مرنا نہیں چاہتا
 جو بے چون و چرا ذبح ہو جاتی ہے تم میری خواہش کو ٹھکرا نہیں سکتے۔ ورنہ وہ بزدل
 جو آج میدان جنگ سے بھاگے ہیں تم پر لعنت بھیجتے رہیں گے اور تمہاری بزدلی
 کی داستان سنائی جائیں گی۔“

”مجھے منظور ہے تم کس سے لڑنا چاہتے ہو؟ مجھ سے؟ لیکن میں تم سے لڑنا
 نہیں چاہتا۔ کیونکہ بادشاہ نہ صرف میدان جنگ ہی میں اپنی بہادری کے جوہر
 دکھا سکتا ہے۔ اور اس سے تم واقف ہو۔“

ٹوالہ نے ایک آنکھ بہاری طرف گھائی اور میں ڈرا کہ کہیں مجھے ہی اپنے
 مقابلے کے لئے نہ بلائے۔

”انکو بو جس جنگ کی ابتداء میں نے اور تم نے کی آؤ اس کا فیصلہ بھی نہیں
 کر دیں یا پھر تم بھی بزدل ہو؟“ ٹوالہ نے کہا۔

”نہیں تم انکو بو سے نہیں لڑ سکتے۔“ اگنوسی نے کہا۔

لہ۔ کو کو آنہ میں دستور ہے کہ شاہی خاندان کا کوئی بھی فرد گرفتار کر کے قتل نہیں
 کیا جاسکتا اسے اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ کسی کو مقابلے کے لئے بلائے اور
 یکے بعد دیگرے ایک وقت میں ایک شخص سے اس وقت تک لڑتا رہے جب تک وہ
 سپاہی کے ہاتھ سے مارا نہ جائے۔ (کو اٹرمین)

گنج سلیمان

۱۹۵

”ہاں اگر وہ اس بات کا اقرار کریں کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہیں تو میں کسی اور بہادر

کو جن لوں گا۔“

بد قسمتی سے ہنری نے ٹوالہ کی بات سمجھ لی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

”میں اس سے لڑوں گا۔“ ہنری نے کہا۔ یہ مجھے ہزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتا۔

ہنری نے آگے بڑھ کر اپنا کلہاڑا بلند کیا۔

”یہ بھائی تم آج بہت تھک گئے ہو۔ اس وقت تم اپنے ارادے سے باز

آؤ۔ اگر تم مارنے گئے تو مجھے زندگی بھر تزار نہیں آئے۔“ اگنوسی نے کہا۔

”نہیں اب کچھ نہ کہو اگنوسی۔“

”بہت اچھا یہ ہے بہادر دوست۔ ٹوالہ اٹھو ہمارا ساتھی تیار ہے۔“

ٹوالہ خوفناک ہنسی ہنستا ہوا اٹھا۔ ایک دوسرے نے اپنے قوی دشمن کا نظروں ہی

نظروں میں جائزہ لیا۔ دھمکے ہنری نے اچھل کر اپنے کلہاڑے سے ٹوالہ پر وار کیا تو

اچھل کر ایک طرف ہوا اور ہنری کا وار خالی گیا۔ کلہاڑا زمین پر پڑا اور ہنری اڑکھڑا

کر آگے کی طرف جھکا۔ ٹوالہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا کلہاڑا بلند کیا

زور کی آواز آئی اور کلہاڑا پوری تیزی سے ہنری کی گردن کی طرف چلا۔ میرا دل

اچھل کر حلق میں آچھنسا اور میری آنکھیں بھٹک گئیں۔ ہنری نے ڈھال سامنے کر دی۔

ایک تڑاخ کی آواز بلند ہوئی اور ڈھال کا ایک کنارہ صاف ہو گیا اور ٹوالہ کا کلہاڑا

پھسلتا ہوا ہنری کے کاندھے پر پڑا لیکن اس کا تمام تر زور ڈھال پر ختم ہو چکا تھا

اس لئے ہنری کو کوئی زخم نہ آیا۔ ہنری کو سنبھلنے کا موقع نہ دیتے ہوئے ٹوالہ نے دوسرا

وار کیا۔ اس وار کو بھی ہنری نے اپنی ڈھال پر لیا۔ اب تو ٹوالہ گویا پاگل ہو گیا۔

اور وار پر وار کرنے لگا۔

ہمارا یہ دستہ جو دور کھڑا ہوا تھا جنگ کا تماشہ دیکھنے کیلئے آگے بڑھ آیا اور

ہر سپاہی اونچی آواز میں چلانے لگا۔ گڈ میرے قریب بیہوش پڑا ہوا تھا اسے ہوش آیا تو اس نے صراٹھا کر دیکھا کہ یہ گڑ بڑ کیسی ہے اور جب معاملہ اس کی سمجھ میں آیا تو وہ اٹھا اور اپنی ننگی ٹانگ گھسیٹتا ہوا ادھر ادھر گھوم پھر کر ہنری کو ہدایت دینے لگا۔

”یوں نہیں۔ پیچھے سے آؤ۔ اچھل کر وار کر دو۔ اونچے یوں نہیں۔ دو قدم آگے بڑھو۔ ہاں یوں۔ ارے یہ کیا سستی دکھا رہے ہو۔“ گڈ چلانے جا رہا تھا اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

ہنری نے پینتر ابدل کر پوری قوت سے وار کیا۔ ٹوالہ نے ڈھال سامنے کر دی۔ ہنری کا کلہاڑا ڈھال پھاڑتا ہوا ٹوالہ کے بائیں کندھے پر پڑا اور لڑاؤ کا آہٹا ہوا ہڈی توڑ گیا۔ تکلیف کی وجہ سے ٹوالہ چیخ اٹھا۔ اس نے پلٹ کر ہنری پر وار کیا اور اس کا کلہاڑا ہنری کے پہرے کو بری طرح سے زخمی کرتا ہوا نیچے پھلا اور ہنری کے کلہاڑے کا دستہ اڑا گیا۔ ارد گرد دکھڑے ہوئے سپاہیوں کے دہننے سے شور بلند ہوا اور میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں کہ ہنری کو مرتا ہوا نہ دیکھ سکوں۔ ترخان کی آواز سن کر میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اور دیکھا کہ ہنری کا ڈھال بھی اس سے کئی سو فٹ دور پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ ہنستا ہوا ٹوالہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ ٹوالہ خوشی سے چلاتا اور اپنا کلہاڑا پلاتا ہوا ہنری کی طرف بڑھا۔ ہنری جھک کر ٹوالہ کی کمر سے لپٹ گیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو کر زمین پر لڑھکنے لگے۔ دونوں اپنے اپنے حریف کو ختم کر دینے کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ ٹوالہ اپنے کلہاڑے سے ہنری کی گردن اڑانا چاہتا تھا اور ہنری اپنا ٹولاس ٹوالہ کے سینے میں اتارنا چاہتا تھا۔

”ہنری اس سے کلہاڑا چھین لو۔“ گڈ چلایا۔

ہنری نے ٹولاس پھینک دیا اور کلہاڑا پکڑ لیا۔ لیکن وہ چمڑے کی پٹی سے ٹوالہ کی کلافی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ دونوں پہرہ بستی بلیوں کی طرح گتھم گتھا ہو گئے۔ وہ دونوں کلہاڑے کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ چمڑے کی پٹی ٹوٹ گئی اور کلہاڑا ہنری کے قبضے میں تھا۔ ہنری اپنے آپ کو ٹوالہ کی گرفت سے بچا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹوالہ نے اپنی گرفت سے ٹولاس کھینچ کر دبا کر لیا لیکن وہ زرہ پر پڑ کر اچٹ گیا۔ ٹوالہ نے وحشیانہ طور پر چیختے ہوئے پھر ہنری پر دبا کر لیا۔ ٹولاس ہنری کے سینے پر پڑا اور اس کے دھکے سے لڑکھڑا کر ہنری کی قدم پیچھے ہٹا۔ ٹوالہ پھر اسکی طرف لپکا۔ اس عرصہ میں ہنری سنبھل چکا تھا۔ ہنری نے ایک طرف ہٹ کر کلہاڑا بلند کیا اور تھیم زون میں ٹوالہ کا سر دھڑ سے جدا کیا۔ ٹوالہ کا سر لڑکھڑاتا ہوا اگنوسی کے قدموں پر جا پڑا۔ دھڑ کچھ دیر تک کھڑا رہا اور پھر تناہ روخت کی طرح دھڑام سے گرا اور کٹی ہوئی گردن سے خون کے نوار نے چھوٹنے لگے۔ ہنری کے چہرے کے زخم سے خون زیادہ بہہ گیا تھا۔ چنانچہ اس پر نشی طاری ہوئی اور وہ بھی ٹوالہ کے بے جان پڑنے دھڑ کے قریب بے ہوش ہو کر گرا۔

سپاہیوں نے ہنری کے قریب جمع ہو کر اس کے منہ پر پانی کے تھینے دیئے۔ کچھ دیر ہی بعد ہنری نے آنکھیں کھول دیں وہ زندہ تھا۔

میں نے بڑھ کر ٹوالہ کی پیشانی پر چپکتا ہوا ہیرا گھسیٹ لیا۔

”لو اگنوسی۔ اسے اپنی پیشانی پر باندھ لو۔“ میں نے ہیرا اگنوسی کو دیتے ہوئے کہا: ”آج سے تم کو کوآرہ کے بادشاہ ہو۔“

”اگنوسی نے ہیرا لے کر پیشانی پر باندھ لیا اور آگے بڑھ کر اس نے اپنا ایک پیروٹلا کی چوڑی چکی چھاتی پر رکھا۔ کچھ دیر تک سر جھکائے کھڑا رہا اور پھر بلند آواز میں یوں کہنا شروع کیا۔

”لوگو! سنو۔ اب میرا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ کو کو آنہ کی سرزمین سے ظلم و جبر کے، قائم اکھڑ گئے، حق کی فتح ہوئی اور باطل نے منہ کی کھائی۔ اور باطل کے لئے ہمیشہ شکست ہے۔“

صبح اٹھ کر بہادروں نے اپنے آپ کو تھنچھوڑا اور ہتھیار لے کر حق کی حمایت پر آمادہ ہو گئے۔

باطل اٹھا اور اس کے پرستار چیونٹیوں کی طرح زمین سے ابل پڑے اور اپنے نیزے ہلاتے اور مفرد رائے باتیں کہتے میرے مقابلے میں آئے لیکن وہ ظالم تھے اور ظلم دیر پا نہیں ہوتا۔ ظالم میرے مقابلے میں آئے لیکن میری ایک معمولی پھونک نے ان کے تمام دلولوں اور غرور کو چراغ کی طرح بجھا دیا۔ میرے نیزے کی برق ان کے سروں پر چمکی اور ظالم خاک و خون میں لوٹنے لگے۔ اور ان کی بھیڑ میرے سامنے سے کالی کی طرح پھٹنے لگی۔ میرے بہادر دوستوں نے اپنے ہتھیاروں کی آب دشمنوں پر آزمائی اور ظلم منہ کے بل زمین پر آ رہا اور سمجھ لو کہ باطل کے لئے ہمیشہ شکست ہے۔“

کہاں ہیں وہ مغرور اور ظالم انسان جو انسانی خون سے ہو لی کھیلے تھے اور اور انسانی کھوپڑیوں کے مینار بناتے تھے؟ کہاں ہیں وہ بواہوس جن کی کئی ہزار بیویاں تھیں؟ کہاں ہیں وہ مغرور جن کی گردن اکڑی رہتی تھی؟ کہاں ہیں وہ عیش پرست جو ہر صبح اپنی ہوس رایتوں کی تکمیل کے لئے ایک نیا شکار تلاش کرتے تھے؟“

ان کی لاشیں بے گور و کلن پڑی ہوئی ہیں اور سمجھ لو کہ ظالموں اور مغروروں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ کہاں ہے وہ ٹوالہ؟ جو قہار اور جبار کہلاتا ہے؟ جو اپنی بے شمار بیویوں پر ناز کرتا تھا جس کی ایک آنکھ تھی جس کا دل بھی اس کی جلد کی طرح

سیاہ تھا۔ کہاں ہے وہ لٹوالہ جو آج صبح تک کوکوآنہ کا خداوند تھا؟ دیکھو اس کا سر میرے قدموں پر پڑا ہوا ہے۔ اور آج سے میں تمہارا بادشاہ ہوں۔
 اگنوسی خاموش ہو گیا تو کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ ”اگنوسی“
 شاہ کوکوآنہ زندہ باد۔“

گڈ اور ہنزی کو اٹھا کر لٹوالہ کے جھونپڑے میں لٹا دیا گیا۔
 تھکن اور زخموں سے خون بہہ جانے کی وجہ سے دونوں نڈھال ہو رہے
 تھے بیری حالت کچھ بہتر تھی۔ مجھے کوئی زخم نہیں آیا تھا اور نہ ہی میں نے جنگ
 لڑی تھی لیکن تمام دن کھڑے رہنے کی وجہ سے میرا وہ پیرنی طرح سے چمک رہا
 تھا۔ جسے شیر نے چبا لیا تھا اور جس کا ذکر میں پہلے کسی باب میں کر چکا ہوں۔
 آپ کو یاد ہو گا کہ میدان جنگ میں کسی نالائق نے میرے سر پر ضرب لگائی
 تھی چنانچہ اس کی وجہ سے دماغ اب تک بھنایا ہوا تھا اور ہم تینوں میں سے ہر ایک
 کسی نہ کسی درد میں مبتلا تھا لیکن جب یہ خیال آتا کہ ہم اس خوفناک جنگ سے صحیح و
 سلامت نکل آئے ہیں تو یہ تکالیف معمولی لگتی۔

فلاوٹیا بڑے انہماک سے ہماری اور خاص طور پر گڈ کی تیمارداری میں
 مصروف تھی میں نے اور فلاوٹیا نے مل کر گڈ اور ہنزی کی زرہیں اتاریں بظاہر
 جلد پر کوئی زخم نہیں تھا لیکن گوشت بری طرح سے کچل گیا تھا اور آپ جانے
 یہ اندرونی چوٹیں کافی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں فلاوٹیا دوڑ کر کسی درخت
 کی ہری پتیاں لے آئی جن کی بو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا ان پتیوں کا پانی ابال کر

فلاوینا نے اس کا پلستر ہمارے جسموں پر کر دیا اور میں ایک طرح کا روحانی آرام اور سکون محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

لیکن گڈ اور مہتری کے زخم گہرے تھے۔ گڈ کی ران پر غار ایسا گہرا زخم ہو گیا تھا اور اس سے ڈھیر سا خون بہہ گیا تھا اور مہتری کے چہرے پر ٹوالہ کے کھارڑے سے گہرا زخم آیا تھا۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ گڈ ڈاکٹر کی جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی مہارت اور چابکدستی سے اپنا اور مہتری کا زخم دھو دھا کر صاف کیا۔ اپنے چرمی بیگ سے کوئی سفید سفوف سا نکال کر زخموں پر چھڑکا اور میں نے اور فلاوینا نے مل کر ان کے زخموں پر پٹی کس دی۔ کوکو آرنہ میں کپڑا کوئی استعمال نہیں کرتا۔ چنانچہ پٹی کے لئے ہم نے اپنے زرد مال استعمال کئے۔

ٹوالہ کے جھونپڑے میں بڑی نرم بالوں والی کھالیں بچی ہوئی تھیں اور یہ ٹوالہ کا خاص انخاص بستر تھا۔ ہم نے اپنے تھکے ہوئے جسموں کو ان کھالوں پر ڈال دیا اور یہ کھالیں اس وقت مجھے ایرانی قالینوں سے بہتر معلوم ہوئیں۔ لوکی تمام فضا اپنے بیٹے بھائیوں اور شوہروں کا ماتم کرتی ہوئی عورتوں کے نالہ و مٹیوں سے پر تھی۔ شاید لوکا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جہاں سے آہ و بکا کی آواز نہ آرہی ہو۔ آدھی رات کے قریب یہ شور تھا۔ لیکن اس وقت بھی ایک باریک سی آواز تھی جو عین کرتی سنائی دے رہی تھی اور یہ گنگول کی آواز تھی جو اپنے چہیتے ٹوالہ پر رو رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد میری آنکھ کھلی اور خوفناک خواب ہجوم کر آئے جنگ میں مارے گئے لوگوں کے خون آلود اجسام میرے گرد رقص کرتے ہوئے مجھے اپنے نیزوں سے چھوتے۔ پھر کسی سے ٹوالہ کا بے سرو دھڑا اتنا اور اپنا کھارڑا بلند کئے چینٹا چلاتا میری طرف لپکا۔ پٹ سے میری آنکھ جاتی۔ بس یوں ہی تمام رات کٹی۔

صبح اٹھ کر دیکھا تو میرے ساتھیوں کی حالت تشویشناک تھی۔ گدے کو تیز چاروں طرف آیا تھا اور وہ کسی اندر زنی چوٹ کی وجہ سے خون بہتوک رہا تھا۔ ہنری کی حالت گدے سے بہتر تھی۔ چہرے کے انجم کی وجہ سے وہ ہنس بول تو نہیں سکتا تھا لیکن امید تھی کہ جلد ہی اس کا ریم منڈل ہو جائے گا۔

قریباً آٹھ بجے انفادوس آیا۔ اس کی حالت بھی مستہ تھی لیکن یہ بوڑھا سپاہی تمام تکالیف بڑی بہادری سے برداشت کر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ انفادوس ہنری کو یوں مخاطب کرتا تھا جیسے اس کا وجود انسانوں سے کچھ بڑھ کر ہو اور جلد میں بچھ پتہ چلا کہ کوکوآنہ کا ہر فرد ہنری کو فوق البشر سمجھتا تھا اور اس کا بہادری کی داستانیں گھر گھر دہرائی جا رہی تھی۔ کوئی نسانی انسان وہ کہتے تھے۔ دن بھر کی سلا جنگ کے بعد ٹوالہ ایسے زبردست شخص کو از نہیں سکتا۔ دائے انکو ہر جس کے ایک ہی وار نے ٹوالہ کی گردن اڑا دی تھی۔ انکو بوکا والہ "کوکوآنہ میں شامل ہر میت حاصل کر چکا تھا۔

انفادوس نے ہمیں بتایا کہ ٹوالہ کے تمام لشکریوں نے اگنوسی کو بادشاہ تسلیم کر لیا ہے۔ ٹوالہ کے سردار گروہ درگروہ اگنوسی کی خدمت میں آ کر اطاعت و فرمانبرداری کا حلف اٹھاتے ہیں۔ ٹوالہ کا صرف ایک ہی لڑکا مسکارگا تھا اور وہ مارا جا چکا تھا اس لئے بغاوت کا بھی خدشہ نہیں تھا۔

"اگنوسی نے تخت ضرور حاصل کیا لیکن کافی خون خرابہ کے بعد میں نے کہا۔ "کوکوآنہ کے جانناز خون کی دھاریں بہتی دیکھ کر ہی زیر ہو سکتے ہیں میرے آقا۔" انفادوس نے کہا: "جتنے سپاہی مارے گئے ہیں اتنے ہی نئے پیدا ہوں گے اور ملک میں امن و امان چھا جائے گا۔"

اگنوسی ہم سے ملنے آیا۔ اس کی پیشانی پر بادشاہت کا نشان ہیرا چمک رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ چار محافظ سپاہی تھے۔ مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب اگنوسی امپوریا کے فرضی نام سے ہماری ملازمت میں شامل ہوا تھا اور ایک زر خرید غلام کی طرح ہمارا حکم بجالا کرتا تھا۔ "خوش آمدید شاہ کو کوآنہ" میں نے کہا۔

"ہاں۔ میکومین۔ یہ تم تینوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ میں بادشاہ بنا ہوں۔ اگنوسی نے جواب دیا سب لوگوں نے میری اطاعت قبول کر لی ہے۔ میں دو ہفتہ بعد ایک شاندار دعوت کر کے دور دور سے کو کوآنہ کے معزز لوگوں کو بلاؤں گا تاکہ وہ اپنے نئے بادشاہ کو دیکھ لیں۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن تم نے گگول کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" وہ شیطان کی خالہ ہے میں اسے اور اس کی شاگردوں کو قتل کر ادوں گا۔ کوئی نہیں جانتا کہ گگول کی عمر کتنی ہے۔ اس ملک میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جس نے گگول کو جوان دیکھا ہو وہ بوڑھے جن کی عمر اس وقت سو سال کی ہے کہتے ہیں جب وہ بچے تھے تب بھی گگول ایسی ہی بڑھیا تھی لیکن میں اسے قتل کر ادوں گا۔ اسی چڑیل کی وجہ سے کو کوآنہ پر آفتیں نازل ہوتی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن گگول بہت کچھ جانتی ہے اس کے علم میں جتنی باتیں ہیں اتنی کوئی شخص سات پشتوں تک بھی زندہ رہ کر حاصل نہیں کر سکتا۔" یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ گگول ہی ایک ایسی عورت ہے جو ان تینوں پہاڑوں

کے جنہیں ہم تین چڑیلیں کہتے ہیں تمام رازوں سے واقف ہے۔ وہیں ایک فارم میں ہمارے مردے رکھے جاتے ہیں اور اسی جگہ تین خاموش دیوتا بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"اور اسی جگہ خزانہ بھی ہے" میں نے جلدی سے کہا۔ "اگنوسی اپنا وعدہ مت بھولنا جیسے بھی ہو تمہیں ہم کو اس خزانہ تک پہنچانا ہو گا۔ چاہے اس کے لئے تمہیں

گڈ کی زندگی ہی کیوں نہ بخشی پڑے۔

”میکومینز میں اپنا وعدہ نہیں بھولا ہوں۔“

اگنوسی کے جانے کے بعد میں گڈ کی مزاج پر مہی کو گیا۔ اس کی حالت بہت

شراب ہو گئی تھی اور بخار اس قدر تیز تھا کہ اس کی آہ بچھتے تھے آ رہی تھی جسم

کے گرد اگر دسوجن ہو گئی تھی اور بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ پانچ روز تک وہ سوت و

زیست کے درمیان جھولتا رہا۔ فلاوٹیا اسکی پیار داری ایک ہی طرح کر رہی تھی اور

یہی مدد لینے سے یہ کہہ کر لگا کر دیا کہ میری کھڑ بڑ اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے گڈ کی

نیند میں خلل آتا ہے اور ایک حد تک اس کا کہنا ٹھیک ہی تھا۔ گڈ کی علامت

اور فلاوٹیا کی تیمارداری کا پورا نظارہ اس وقت میری نظروں کے سامنے گھوم رہا

ہے۔ آدھی رات کو گڈ کراہتا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا اور اس کے قریب بیٹھی

ہوئی فلاوٹیا پریم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور بس نہیں چلتا تھا

کہ وہ گڈ کی تمام تکالیف خود برداشت کر لے۔ وہ بار بار بڑی محبت سے گڈ کے

باؤں میں انگلیاں پھیرتی اور گڈ بے ہوشی میں اس کا ہاتھ جھٹک دیتا اور کروٹیں

بدلنے لگتا۔ فلاوٹیا ہاتھ جوڑ کر اپنے دیوتائوں سے گڈ کی زندگی کی بھینک مانگتی

دور و زتک ہم بھی کہتے رہے کہ اب گڈ کا خدا حافظ ہے۔ لیکن ایک فلاوٹیا

تھی جسے گڈ کے چم جانے کا پورا پورا یقین تھا۔ ”نہیں یہ زندہ رہیں گے۔“

اور اس نے سختی سے مجھے ڈانٹ دیا کہ میں پھر کبھی کوئی منحوس بات منہ سے نہ نکالوں۔

اگنوسی کے حکم سے ہمارے جھونپڑے کی گرد کی جھونپڑیاں خالی کر کے انکے

مکین اور کسی مقام پر جا بسے تھے تاکہ ان کے شور و غل سے زحمیوں کو تکلیف نہ ہو۔

ایک رات۔ اور یہ گڈ کی علامت کی پانچویں رات تھی۔ میں اسے دیکھنے گیا۔

گڈ جو ہر رات بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہتا اس وقت بے حس و حرکت سست

پڑا ہوا تھا۔

”تو آخر کار مر گیا۔ میرے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور بے ساختہ میرے منہ سے اچکی نکلی گئی۔

”ہشت گڈ کے سر ہانے بیٹھے تو نے سائے نے کہا۔

میں دبے قدموں آگے بڑھا اور جھک کر چراغ کی مریضانہ روشنی میں غور سے گڈ کو دیکھا۔ گڈ زندہ تھا اور اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں فلاویٹا کی انگلیاں پھنائے اسانچے کی طرح جو بہت دیر تک رونے کے بعد تھک کر گہری نیند سو جائے۔ وہ سوزا تھا۔

وہ اٹھارہ گھنٹے تک سوتا رہا اور اس تمام عرصے میں فلاویٹا اسکے سر پر اپنی انگلیاں اس کے ہاتھ میں دئے اس خوف سے بیٹھی رہی کہ مبادا اس کی جینش سے گڈ جاگ نہ جائے۔ فلاویٹا نے کچھ کھایا بھی یا نہیں؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ اور اس طرح اٹھارہ گھنٹے تک ایک ہی حالت سے بیٹھ رہنے کی وجہ سے وہ کس قدر تھک گیا ہوگی۔ یہ بھی کوئی نہیں جانتا لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ جب گڈ کی آنکھ کھلی تو فلاویٹا کے ہاتھ پیر سردی کی وجہ سے اکڑ کر جس حالت میں وہ بیٹھی تھی اسی حالت میں رہ گئے۔ چنانچہ دو آدمیوں نے اسے اٹھا کر آگ کے قریب بٹھا دیا۔

اس گہری نیند کے بعد گڈ کی حالت سدھرنے لگی اور دن بدن بہتر ہوتی چلی گئی۔ جب وہ قریب قریب ٹھیک ہو گیا تو ہنری نے فلاویٹا کی خدمتوں کا ذکر کیا اور جب ہنری نے یہ بتایا کہ وہ اٹھارہ گھنٹے تک تمہاری انگلیوں میں انگلیاں دئے بیٹھی رہی اور اس وجہ سے اس کے ہاتھ پیر اکڑ گئے۔ تو گڈ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ وہ اٹھا اور مترجم کی خدمت انجام دینے کے لئے مجھے

ساتھ لیتا ہوا اس جھونپڑی کی طرف چلا جہاں فلاؤ ٹیٹا ہمارے لئے دوپہر کا کھانا تیار کر رہی تھی۔ گڈ کو دیکھ کر فلاؤ ٹیٹا کا چہرہ کھل اٹھا۔

”کو اڑ میں اس سے کہہ دو کہ یہ زندگی اس کی بخشی ہوئی ہے اور میں زندگی بھر

اس کا احسان مند رہوں گا۔“

جب میں نے گڈ کو کہا کہ کیا تو فلاؤ ٹیٹا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور اس

نے اپنی آنکھیں جو کبھی کبھار نہ مٹتی تھیں، میرے آقا پر پھول جانے میں کہہ کر

زندگی آپ ہی کی عطا کرے۔ بدلتی آواز سے کہہ دینی گئیں ہوں۔“

اس وقت فلاؤ ٹیٹا یہ نہیں سمجھی کہ اس کو جان بچانے میں میرا اور سبزی کا

حصہ تھا لیکن میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے گڈ کے لئے یہ پناہ بہت نالکی

پڑتی تھی اور اسی سختی کی وجہ سے وہ گڈ کو ہی اپنا نجات دہندہ سمجھتی تھی۔

چند ہفتوں کے بعد اگنوسی نے دوبارہ کیا جس میں کوئراہنہ کے تمام بھروسہ دار

حاضر تھے۔ اگنوسی نے بڑی خزانہ ملی۔ بے گزینہ کے بچے کچے مہیا بیوں کو انعام و اکرام

سے نوازا۔ اس نے ہماری کافی خاطر خواہ تواضع کی اور سب کے سامنے اس بات

کا وعدہ کیا کہ اب کوئی شخص بے گناہ قتل نہیں کیا جائے گا نہ ہی چڑیلوں

کا رقص ہو گا۔

جب دوبارہ برخواست ہوا اور تمام لوگ چلے گئے تو میں نے اگنوسی سے

کہا کہ اب ہم خزانہ حاصل کرنے کے لئے بے چین ہیں۔“

”دوستو!“ اگنوسی نے کہا۔ ”مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ خزانہ اس جگہ ہے جہاں

یقین خاموش ویلونا بیٹھے ہوئے ہیں جن پر ٹوالہ فلاؤ ٹیٹا کو بھینٹ چڑھا رہا

تھا۔ اسی جگہ وہ غار ہے جہاں ہمارے مردے رکھے جاتے ہیں یہی آپ ٹوالہ

گنج ملیمان

۲۰۶

کی لاش پائی گئی۔ اس غار کو موت کا کمرہ کہتے ہیں۔ موت کے کمرے سے ایک اور کمرہ ملا ہوا ہے یعنی خفیہ کمرہ اور اس خفیہ کمرہ کا راستہ یا دروازہ کوئی نہیں جانتا سوائے گنگول اور ٹوالہ کے۔ ٹوالہ تو مرچکا ہے۔ میں اس خفیہ کمرہ کا راستہ نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کمرہ میں کیا ہے لیکن مدت ہوئی ایک سفید انسان ایک عورت کی مدد سے اس خفیہ کمرے میں پہنچ گیا تھا لیکن اس کی ساتھی عورت نے وہاں پہنچ کر اس کو دغا دیا۔ بادشاہ نے اسے گرفتار کر کے کمرہ سبکی طرف لانک دیا اور تب سے اب تک کوئی سفید انسان اس طرف نہیں آیا۔

انگنوسی یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ میں نے کہا: "اس سفید انسان کو ہم پہاڑ کے ارد گرد میں دیکھ چکے ہیں۔"

"اچھا نواب میں اپنا وعدہ وفا کرنے کے لئے تم کو خزانہ تک بھیجنے کا بندوبست کرتا ہوں اور اگر وہاں ہیرے ہوئے تو۔"

"وہاں ہیرے ہیں انگنوسی اور اس کا ثبوت تمہاری پیشانی پر چمکتا ہوا ہیرا ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر واقعی وہاں ہیرے ہیں تو آپ جس قدر چاہیں لے سکتے ہیں لیکن دوستو! مجھے اس خیال سے خوف آتا ہے کہ خزانہ حاصل کرنے کے بعد تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔"

"یہ بعد میں دیکھا جائے گا کافی الحال ہمیں خفیہ کمرے میں پہنچنا ہے۔"

"تو صرف ایک گنگول ہے جو راستہ سے واقف ہے۔"

"لیکن اس نے اگر ہماری راہبری سے انکار کر دیا تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو پھر میں اسے قتل کر دوں گا اسی وقت کے لئے میں نے اب تک اسے

زندہ رکھا ہے۔ ٹھہر فیصلہ ابھی ہوا جاتا ہے۔ " اگنوسی نے سپاہیوں کو کچھ اشارہ کیا وہ ایک طرف چلے اور چند ہی منٹوں میں گنگول کو پکڑنے حاضر ہوئے۔ " اسے پھوڑ دو " اگنوسی نے کہا۔

اور گنگول جو اس وقت ایک گھری سی معلوم ہو رہی تھی اسیٹے سانپ ایسی آنکھیں ہم پر گاڑ دیں۔

" اگنوسی تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ " گنگول نے کہا۔ " مجھے قتل کرنے کا ارادہ ہے کیا؟ اچھا تو کوشش کر دیکھو میں تمہیں جلا کر خاک و سیاہ کر دوں گی۔ میرا علم بہت عظیم ہے تمہیں مجھ سے اور میرے جادو سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ "

" تمہارا جادو لوال کی جان نہ بچا سکتا تو مجھے کیا جلا سکے گا گنگول، دیکھو گنگول میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیں غصیہ کرے تک پہنچا دو۔ "

" ہی ہی ہی " وہ ہنسی " سوائے میرے اس کا راستہ کوئی نہیں جانتا اور میں تمہاری راہبری نہیں کروں گی۔ یہ سفید شیطان خالی ہاتھ جائیں گے ہی ہی ہی۔ بابا بابا۔ یہ راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔ "

" لیکن یہ راز میں تم سے اگلا کر رہوں گا۔ "

" اور وہ کس طرح؟ "

" اگر تم نے نہ بتایا تو تمہیں اذیتیں دے دے کر ماروں گا۔ "

" مجھے مارو گے؟ میں مجھے؟ تم کیا سمجھتے ہو کہ میری عمر کتنی ہے؟ میں تمہارے

باپ کو، اس کے باپ کے باپ کو اور تمہارے پردادا کے دادا کو جانتی ہوں۔ جب یہ ملک بسا ہے میں موجود تھی اور جب یہ ملک اجڑ جائے گا اس وقت بھی موجود ہوں گی۔ مجھے کوئی مار نہیں سکتا۔ سوائے ایک حادثے کے۔ "

" لیکن میں تمہیں قتل کر سکتا ہوں شیطان کی خالہ تیری عمر بہت ہوگی۔ "

گنج سلیمان

تیرے سر پر بال اور منہ میں دانت نہیں اور نہ ہی تیرے جسم میں خون ہے تو شاید اپنے جادو کی وجہ سے زندہ ہے لیکن میں تیرے جادو کا بھرم کھول دوں گا۔ تجھے مارنا بہت بڑا ثواب ہوگا۔“

”بیوقوف، پتہ بھی ہے کہ تو کیا ایک رہا ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ زندگی صرف نوجوانوں کو ہی عزیز ہوتی ہے؟ ہی ہی ہی بسکین بوڑھوں کی بہ نسبت نوجوانوں کو موت سے ڈر زیادہ لگتا ہے اور بوڑھے نوجوانوں کو مرنا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ میں بھی اپنے آپ کو جانے کے لئے تجھے مار ڈالوں گی۔ تجھے جلا کر راکھ کر دوں گی اور اس وقت تجھے روحانی مسرت حاصل ہوگی ہی ہی ہی۔“

”اپنی اس شیطانی بکواس کو بند کر۔ میں پوچھتا ہوں کہ تو خفیہ کمرے تک رہی کرنے گی یا نہیں؟“ اور اگنوسی نے اپنا نیزہ بلند کیا۔

”نہیں کسی قیمت پر بھی نہیں۔“

”بہت اچھا۔“ اگنوسی نے اپنا ہاتھ آہستہ آہستہ گنگول کی طرف بڑھایا۔ یہاں تک کہ نیزے کا نوک گنگول کے جسم پر لپٹے ہوئے چھٹروں کو چھو گئی۔ گنگول ایک خوفناک چیخ کے ساتھ اٹھلی اور زمین پر گر کر دور تک لڑھکتی ہوئی چلی گئی اور اس کی آنکھیں مارے خوف کے جھٹ گئیں۔

”ٹھہرو، ٹھہرو۔ میں تمہیں خزانے تک لے جاؤں گی میں مرنا نہیں چاہتی۔“

”ہاں۔ اب تمراہ راست پر آئی کل صبح انفادوس اور میرے سفید دوستوں کو خزانے تک پہنچانا اور یاد رکھو اگر تم نے کوئی چال چلی تو انجام برا ہوگا۔“

”نہیں اگنوسی میں انہیں دھوکا نہیں دوں گی۔ ہا ہا ہا۔ ہی ہی ہی۔ ایک مرتبہ ایک عورت ایک سفید انسان کو اس خزانے تک لے گئی تھی۔ تو جانتے ہو کیا ہوا تھا اس پر دیوتاؤں کا غضب نازل ہوا تھا اور جانتے ہو وہ عورت کون تھی...؟“

وہ لنگول تھی۔ وہ ہیں ہی تھی : اور لنگول کی آنکھیں شیطنیت سے چمکنے لگیں۔
"کیا کہتی ہے : اس واقعہ کو تین سو سال ہو گئے : میں نے کہا۔

تو کیا ہوا۔ جب کسی کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ کچھلے واقعات بھول جاتا ہے۔
پھر وادی کے یہ واقعہ مجھے یاد دلایا۔ اور یقیناً اس عورت کا نام لنگول ہی تھا۔
وہ اس مفید انسان کو نصیب کرے تاکہ لنگول اور وہ میں ہی تھی۔ جب تم غصہ
کرتے تھے پھر پھر لنگول کے لڑتے تھے چمکتے پتھروں سے بھری ہوئی آیتیں ملے گی۔
وہ آیتیں مجھے ہیں مگر اس مفید انسان نے اپنے لئے پتھر بھرے۔ یہ لیکن وہ آیتیں
اپنے ساتھ لے جا سکا۔ اس پر لنگول کا غضب نازا رہا۔ یہ سب بڑا سردار و کا
کے اس جگہ کو کورانہ کے انشاہ شاہوں سے ملوں گی جو مرچکے ہیں۔ وہاں
پھر پتھر لنگول کی آنکھیں جا چکی ہوں گی اور لنگول کھو گئی ہوں گی ہی ہیں۔

گذشتہ باب میں لنگول کی جو گفتگو بیان کی گئی ہے۔ اس کے چند روز
بعد ہمارا اقیام ان تین پہاڑوں کے راس میں تھا جہاں شاہراہ سلیمان ختم ہوتی ہے
ہم قینوں کے ساتھ فلاں پٹا، انفرادی اور اس کے چند سپاہی بطور محافظ تھے۔ لنگول
راہبری کی خدمت انجام دے رہی تھی۔ وہ دن بھر اور رات گئے تک بڑھتی اور
ہنستی رہتی۔

اس پہاڑ کی تین چوٹیاں تھیں۔ ایک ہمارے دائیں طرف۔ ایک بائیں
طرف اور ایک ہماری ناک کے بالکل سیدھے ہیں۔ شاہراہ سلیمان اس درمیانی
چوٹی تک جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ بلند چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی اور نیچے

کی طرف جہاں برف ختم ہوتی تھی بسرخ چٹانوں کے کنارے خورد و جھاڑیوں کا سلسلہ سیرتجے تک چلا آیا تھا۔

وہ آخر وہ دن آگیا تھا جو شاید ہماری زندگی کا سب سے زیادہ پرستار دن تھا۔ ہم اس خزانہ کو حاصل کرنے والے تھے جس کی درجہ سے کئی ایک شخصوں نے (اور شاید ہنری کے بھائی نے بھی) اپنا جانیں دی تھیں اور قبول گلوں ان پر دلیرانہ طور کا غضب نازل ہوا تھا۔ تو کیا ہم پر بھی غضب نازل ہو گا؟ ” کئی طرح بھی اس خیال سے پیچھا نہ چھڑا سکا اور شاید ہنری اور گڈ بھی اس خیال میں منہمک تھے ہم اپنے خیال سے روانہ ہو کر ایک ڈیڑھ گھنٹے تک چلتے رہے۔ مارے خوشی اور خزانہ حاصل کرنے کی آرزو نے ہماری رفتار اس قدر تیز کر دی تھی کہ وہ لوگ جو گلوں کی پالکی اٹھائے تھے ہم سے کئی قدم پیچھے رہ گئے۔

” آہستہ چلو۔ مفید انسانوں! ” پالکی میں سے گلوں کی آواز آئی: ” معلوم ہوتا ہے تم موت کے منہ میں جانے کے لئے بہت بے چین ہو۔ ” اور گلوں وہ ہنسی ہنسی جس کی وجہ سے میری اور ہنری کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ گلوں کی اس شیطانی ہنسی نے ہماری رفتار کچھ کم کر دی۔

ہم چلتے رہے۔ آہستہ آہستہ نامعلوم خوف میرے دل پر چھاتا جا رہا تھا۔ رفتار بہت کم ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں ہم کب تک چلتے رہے اور جب میں اپنے خیالات سے چونکا تو ہم ایک غار کے دلانے پر کھڑے ہوئے تھے۔ غار کے کنارے ڈھلوان تھا اور وہ تین سو فٹ گہرا اور نصف میل گہرائی میں پھیلا ہوا تھا۔

” جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ” میں نے غار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

سرمہزی اور گڈ سے پوچھا۔

دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”علوم ہوتا ہے تم نے ہیروں کی کانیں نہیں دیکھیں یہاں سے ہیرے کھود کر نکالے گئے ہوں گے۔ اس طرف دیکھو“ اور میں نے غار کے ارد گرد جی ہوئی چکنی مٹی کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔ ”جس طرح سے آج کل ہم کانیں کھودتے ہیں اسی طرح صدیوں پہلے جو کھوری جاتی ہوں گی۔“ اس غار سے راستہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر غار کے گرد دونوں طرف گھوم جاتا تھا اور راستہ کی یہ دونوں شاخیں مضبوط چھوڑنا سے بنی ہوئی تھیں تاکہ یہ پتھر غار کے کنارے کو گرنے سے روک سکیں۔

ہم اسی غار میں داخل ہوئے اور یہاں داد تین بت تھے جنکو کوکوآنہ میں خاموش دیوتا ”کہتے تھے۔ تینوں بت ایک بڑی سی چٹان پر ایک دوسرے سے بیس بیس قدم کی زوری پر نصب تھے اور وہ کچھ ایسے رشتے سے نصب تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن جھکائے شامہراہ سلیمان کو دیکھ رہے ہیں ان تین شخصوں کی اور بچائی اٹھارہ فٹ ہوگی۔ ایک مجسمہ عورت کا تھا۔ ”عورت کا مجسمہ بالکل برہنہ بنایا گیا تھا جسے اس قدر سڈول اور خوبصورت تھا کہ مصور کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے۔ چہرے کے نقوش وقت سے مٹا دیئے تھے لیکن وہ بھی یقیناً خوبصورت بنایا گیا ہوگا۔ مجسمے کے کندھوں پر دولال بنے ہوئے تھے۔“

مردوں کے مجسموں کے چہرے انتہائی بھیانک تھے خصوصاً اس مجسمے کا جو ہماری طرف تھا۔ اس کا چہرہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شیطان کا چہرہ ہے جو منہ پھاڑے دنیا کو نگل لینے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ دائیں طرف کا مجسمہ تہرکا مجسمہ تھا اور اس کے چہرے سے ایسے سکوت اور اطمینان کے آثار ہو رہے تھے جنہیں دیکھ کر دل دہلتا تھا۔

ہم ان دیوتاؤں کو دیکھ رہے تھے کہ الفادوس آیا۔ اس نے نیزہ بلند کر کے دیوتاؤں کو سلام کیا اور پھر کہا: "آپ موت کے کمرے میں اسی وقت چلے گا۔ یا پھر کھانا وغیرہ کھا چکنے کے بعد؟"

"نہیں الفادوس۔ اب زیادہ انتظار کی تاب نہیں۔ ہم اسی وقت جائیں گے۔ کھانا ہم ساتھ لے چلتے ہیں اندر کسی جگہ بیٹھ کر کھائیں گے۔" میں نے جواب دیا چنانچہ گنگول پالکی میں سوار ہمارے سامنے آئی اور وہ ہنستی ہوئی پالکی میں سے کود کر باہر نکلی آئی۔ فلاوٹیا نے گوشت درہیزی ساتھ لے چلنے کے لئے ایک ٹوکری میں رکھ لی اور حقوڑا اما پانی بھی ساتھ لے لیا۔

جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے اس سے چند قدم دور چٹان کی ایک دیوار اسی انشرفٹ کی بلندی تک اٹھتی چلی گئی تھی۔ انشرفٹ کی بلندی کے بعد سے ہی ایک پہاڑ کی چوٹی اسی دیوار پر بنی ہوئی تھی۔ جوزمین سے تین ہزار فٹ بلند ہوگی اور جب اسی تین ہزار فٹ کی برف پوش چوٹی پر سے کبر کی چادر ہٹی تو گنگول لکڑی کوٹیکٹیا اسی چٹانی دیوار کی طرف بڑھی۔ ہم اس کے پیچھے چلے۔ یہاں تک کہ چٹانی دیوار میں بنے ہوئے ایک مہرابی دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔

دروازے کے قریب پہنچ کر گنگول رک گئی۔

"اچھا اے سفید انسانو اور بہادر سپاہیوں! گنگول نے اپنے شیطانی تاثرات سے پھر چہرے کو بلند کرتے ہوئے کہا: "تیار ہو جاؤ میں اپنے بادشاہ کا حکم بجالاتے ہوئے تمہیں خفیہ کمرے میں لے چلتی ہوں۔ ہی ہی ہی۔"

"چلو۔ بہت باتیں نہ بناؤ۔" میں نے کہا۔

"بہت اچھا۔ بہت اچھا۔ اب تم جو نظارہ دیکھنے والے ہو اس کے لئے اپنے

دن ضبط کر لو ایسا نہ ہو کہ اس منظر کو دیکھتے ہی تمہارے دلوں کا دھڑکنے لگے
نہیں جائیں۔ انقادوس تم بھی آؤ تم نے اپنے جس زمانہ نعمت سے ملک ترائی کا
ہے اس کے دیدار کر لو۔

”نہیں میں یہیں ٹھہروں گا۔“ انقادوس نے گھبرا کر کہا: ”لیکن گول بار
رکھ اگر تو نے میرے ان عزیز آقاؤں پر اپنی شیطانی چال آزمائی تو پھر تیرا
انجام برا ہوگا۔“

”میں نے یہی بیعتیں سن لی ہیں انقادوس اور جانتی ہوں کہ تو بڑا
صدی ہے اور اسی وجہ سے تو چین میں اپنی شفیق ماں سے ہلکے پڑتا
تھا تو کسی قسم کا خوف نہ کر میں تو اپنے بادشاہ کی ادنیٰ خادم ہونا اور
اسی کے حکم کی تعمیل کرتی ہوں گی۔ میں نے کئی بادشاہوں کے حکم کی تعمیل کی
ہے اور اب میں ان بادشاہوں اور بڑوں کی زیارت کروں گی۔ بابا بڑے ہوں
چلو چلو مشغل کہاں ہے؟ اور اس نے اپنے تہم پر سے لپٹے ہوئے چھتروں
میں سے ایک مشغل برآمد کی۔

”فلاوٹیا تم بھی ہمارے ساتھ آرہی ہو نہ؟“ گڈ نے پوچھا۔

”میرے آقا مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔“ فلاوٹیا نے لرزاں آواز میں کہا۔

”اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ لادکھانے کی ٹوکری مجھے دے دو۔“

”نہیں آقا جس جگہ آپ جائیں گے میں بھی جاؤں گی۔“

گول مشغل لئے دروازے میں داخل ہوئی۔ ہم اس کے پیچھے تھے۔ اندر ایک

مرنگ سی بنی ہوئی تھی جو اتنی چوڑی تھی کہ دو آدمی ساتھ ساتھ چل سکیں۔

مرنگ میں تاریکی اس قدر بھیلی ہوئی تھی کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی

کچھ نظر نہ آتا تھا۔ چنانچہ ہم گول کے قدموں کی چاپ سے اندازاً اس کے پیچھے

چل رہے تھے۔ میرے ہاتھ پاؤں سرد ہو رہے تھے اور جسم پر لرزہ سا طاری تھا۔
تاریکی میں پروں کی چھڑا چھڑا ہٹ سے سنائی دی۔

”کون ہے؟“ گڈ چلایا۔ یار کسی نے میرے سر پر دھول جمانی۔

”چمکا ڈر ہے گھبراؤ نہیں۔ چلے چلو۔“ میں نے کہا۔

کوئی پچاس گز چلنے کے بعد رنگ میں روشنی پھیلنے لگا اور ہم جیسے جیسے آگے
بڑھتے گئے روشنی بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک ہم ایک کمرے میں کھڑے تھے۔

جس غار یا کمرے میں ہم اس وقت کھڑے تھے وہ کافی فراخ تھا۔ چھت کی
سورٹ بلند تھی اور کمرے میں چاروں طرف سفید سفید سون قطار اندر قطار
چلے گئے تھے۔ پہلی نظر میں بہتوں برف کے ٹکٹے تھے۔ لیکن غور سے دیکھنے پر ہم
حیرت زدہ رہ گئے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پانی بھرے پرانے ٹکوں کی باہری سطح
پر سفید سفید کھار کی نشیمن جاتی ہے۔ تو بس یہ میٹار اسی کھار کے بنے ہوئے
تھے اور قدرت کی صنائی کا عجیب نمونہ تھے۔

کمرے کی چھت پر جگہ جگہ سوراخ بنے ہوئے تھے جن کے دہانوں پر برف جی
ہوتی تھی۔ ان سوراخوں سے بوند بوند پانی ٹپکتا رہتا تھا۔ فرش پر گرنے
کے بعد پانی کی بوند پتہ نہیں غار کی آب و ہوا ایسا کسی اور وجہ سے کھار کی صورت
اختیار کر لیتی تھیں پھر اس پر پانی کی دوسری بوند ٹپکتی اور کھار بن جاتی اور
اسی طرح صدیوں سے پانی ٹپک رہا ہو گا۔ اور یہ میٹار بنے ہوں گے بعض
میٹار چھوٹے تھے اور ان پر بوندیں ٹپک رہی تھیں سالہا سال بعد یہ میٹار بھی
سافنی بلند ہو جائیں گے۔

کئی جگہ پانی کی بوندیں ایک ہی جگہ نہیں گر رہی تھیں۔ ایک بوند گرتی تو دوسری
اس سے ہٹ کر اور تیسری پھر اس سے ہٹ کر۔ چنانچہ اس جگہ بجائے میٹار کے

گنج سلیمان

فرشتہ پر کھار کی سیہانی لکیر میں بن گئی تھیں۔ اس کمرے کی خوبصورتی کو الفاظ میں
 میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ کمرے کے چاروں طرف کی دیواروں میں چٹانیں
 کلاٹ کلاٹ کر گرہ یا کے گھرائیے چھوٹے چھوٹے غار بنے ہوئے تھے۔ جیسے کسی
 عبادت خانے کے حجرہ۔ یہاں پہلے ایسا یہ کس مقصد کے تحت بنائے گئے تھے۔
 بہر حال یہ حجرہ تین ہزار سال پرانے معلوم ہوتے تھے۔

پہر اس کمرے میں زیادہ دیر تک نہ ٹھہریے کیونکہ گنگول جلد از جلد اپنے غرض
 سے سبکدوش ہو رہا ہوتا تھی میں یہ جاننے کے لئے بے چینی تھا کہ اس
 کمرے میں روشنی کہاں سے آرہی ہے؟ آیا اس کا انتظام قدرت نے کیا ہے۔
 یا انسان نے؟ لیکن میں نے یہ سوچ کر کہ یہ تحقیق واپسی میں بخوبی ہونے لگی
 اپنی خواہش کو دبا دیا۔

ہم اپنی بوڑھی راہبر کی معیت میں چلتے رہے یہاں تک کہ ہم ایک اور
 دروازے پر پہنچے جو مہر کے پورا اٹنے مندروں کے صدر دروازے کے ڈھب
 پر بنا ہوا تھا۔

”سفید انسانوں کیوں کو مضبوط کر لو اب ہم موت کے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں
 گنگول نے دروازے کے قریب تک کہا۔

”چلو آگے بڑھو“ گڈ غرایا۔ ہمارے دل بری طرح دھڑک رہے تھے
 اور فلاوٹیا گڈ کا بازو مضبوط پکڑے پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

”معلوم ہوتا ہے اس غار میں کوئی خوفناک چیز ہوگی“ ہنری نے کہا۔

”بہر حال ہمیں گھبرانا نہیں چاہئے۔ چلو کو اٹریں“

اور میں آگے ہولیا۔ کھٹ، کھٹ، کھٹ۔ گنگول اپنی لکڑی ٹیکتی ٹھ سے
 چند قدم آگے چل رہی تھی اور بلند آواز میں کچھ پر اسرار الفاظ بڑبڑا رہی تھی

گنگول کے بڑے بڑا نے کی وجہ سے میرا دل توڑ دہ ہو گیا اور میں آگے بڑھے سے
نہیں لگا۔

”ارے یار گڈ نے تھوڑے ٹھیکے چلو ورنہ ہم اپنی چالاک راہ پر کھودیں گے۔
میں دل کڑا کر کے آگے بڑھا اور دس گز چلنے کے بعد ایک پھانسی فٹ پھول
معرض کرنے میں کھڑا تھا۔ کرنے کے نتیجے میں پتھر کی ایک بڑی سی میز رکھی ہوئی
تھی اس کرنے میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ تار کی تھی۔ چنانچہ جب میری آنکھیں
اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوئیں اور میں نے میز پر سٹیٹھی ہوئی بھوری شبلیہ
اور اس کے گرد بیٹھے ہوئے سفید سفید کھمبوں کو دیکھا تو مارے خوف کے
میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں اپنے قدموں پوری قوت سے بھاگا۔

یقین ماننے میں اتنے کچے دل کا نہیں ہوں جیانا تک سے جیانا تک نظارہ
مجھ ایسا جو اس بانہ نہ نہیں کر سکتا لیکن میز کے گرد بیٹھے ہوئے جسے نے مجھے
اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ اگر سہری کچھ بیکران لیتا تو میں انقادوس کے
پاس کھڑا ہوتا اور پھر گنج سلیمان کی لاپٹ بھی دوبارہ مجھے اس کرنے میں نہ
لا سکتی۔

مہزی نے مجھے مضبوطی سے پکڑنے لگا اور جب اس کی آنکھیں بھی اندھیرے
میں دیکھنے لگیں تو وہ بھونچکا رہ گیا گڈ پر بھی سکتے سا طاری ہو گیا اور لرزتی
ہوئی نلا دیا پیچ کر گڈ سے چپٹ گئی۔

ایک گنگول تھی جو اس وقت خوشی سے چلا رہی تھی۔

اس جیانا تک منتظر کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔ میز کے
سرے پر اپنے ایک ہاتھ میں نیزہ لئے موت بنات خود مبیٹھی ہوئی تھی۔ یہ
چونے کا بنا ہوا ایک سفید مجسمہ تھا۔ ہو ہوا انسانی ڈھانچہ۔ قریباً پندرہ فٹ بلند

ڈھانچے کا ایک ہاتھ بانہ تھا جو اس کی انگلیوں میں نیزہ اٹکا ہوا تھا۔ اس کا دوسرا
اٹھوانی ہاتھ نیزہ رکھا ہوا تھا اور گریٹ جھکا ہوا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے
وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آنکھوں کے کھلے سوراخ جیسے ہم نے کوزے سے
اس کا نچلا بھرا نیچے کی طرف غوراً... سائڈکا ہوا تھا جیسے وہ نہیں رہا ہے۔

”اے خیرازم کیجیو میں نے کہا۔“

”لیکن وہ کیا چیزیں ہیں؟“ گگہ نے میز کے گرد بیٹھے ہوئے گگول کی طرف

اشارہ کیا۔

”وہی اجانے وہ کیا بلا ہے؟ ہنری نے میز کے گرد بیٹھے ہوئے گگول کی

طرف اشارہ کیا۔

”ہی ہی ہی۔ گریے کی جھانک جھانک میں گگول نے ہنسی کر سچی۔“ جو نوک لوگ

کے کمرے میں داخل ہوئے ہیں وہ دیوتاؤں کے غضب کی وجہ سے اپنے تئیں

کو بیٹھے ہیں اور گگول نے نچاٹہ نہیں لگی۔

”انگولہ۔ گگول نے ہنسی روک کر کہا: ”آؤ اور اب اپنے اس دشمن سے

ملو جس کو تمہارے کلہاڑے نے خاک و خون میں لٹا دیا تھا۔“

گگول نے اپنی سوکھی سوکھی انگلیوں سے ہنری کا کرٹ پکڑ لیا اور اسے میرا

طرف لے چلی۔ ہم بھی تہیجے ہو گئے۔

”دیکھو انگولہ غور سے دیکھو۔“ گگول نے میز پر بیٹھے ہوئے گگول سے

بشم کی طرف اشارہ کیا۔

ہنری نے جھک کر دیکھا، اور پھر لڑا کھڑا کر گئی قدم پیچھے ہٹا۔ میز پر اس کی

برہنہ حالت میں کو کو آنہ کا آخری تاجدار ٹوالہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا لٹکا ہوا

سراسر کے قدموں کے قریب رکھا ہوا تھا اور اس کا دھڑا اپنی تمام بصورتی

کنج سلیمان

۱۱۸

کے ساتھ پالتی مارے اکر کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دھڑ پر کسی سفید سفید چیز کا خول چڑھا ہوا تھا۔

ٹپ ٹپ ٹپ سے بوند بوند پانی ٹوالہ کے جسم پر ٹپک رہا تھا۔ اور اس پانی کا بوندوں سے ٹوالہ کے جسم پر کھار کی ہلکی ہلکی لکیریں سی بنتی جا رہی تھیں۔ ٹوالہ کے جسم کو کھار کے مجھ میں تبدیل کیا جا رہا تھا تاکہ وہ کھنے سڑنے نہ پائے۔

میز کے گرد بیٹھے ہوئے دوسرے مجھے بھی انسانی اجسام خفیا کھی ہوں گے اس وقت تو وہ کھار کے مجھے بن کر رہ گئے تھے تو یہ تھا وہ طلیقہ جس کے ذریعہ کو کوآنہ کے شاہوں کے اجسام محفوظ رکھے جاتے تھے۔ مردہ جسم کو کئی سال تک شہتی ہوتا بوندوں کے نیچے رکھا جاتا ہو گا اور تب جا کر وہ جسم کھار کے مجھے کی صورت اختیار کرتا ہو گا۔

ان ہی شاہ لاشوں کی تعداد سوار تھی اور آخری لاش ابویا یا اگزیسی کے باپ کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لاشیں مہمان اور موت کا مجسمہ ان کا میربان ہو کر کوآنہ کا ہر ایک بادشاہ اس جگہ موجود تھا جن میں سے ایک دو تو تقریباً چار سو سال پہلے کے تھے۔

موت کا مجسمہ سے زیادہ پرانا تھا اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یہ مجھ بھی اسی تصور کا تراشا ہوا تھا جس نے تین خاموش دیوتاؤں کے بت تراشے تھے لگنے بتایا کہ اس مجسمے میں ہڈیوں کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی کہ کسی زندہ انسان میں ہوتی ہیں۔ اور چھوٹی سے چھوٹی ہڈی بھی اس مجسمہ میں موجود تھی معلوم ہوتا تھا کہ موت کے مجسمے کو دیکھ کر ہی کو کوآنہ کے لوگوں کو اپنے بادشاہوں کے اجسام محفوظ رکھنے کا خیال آیا ہو گا۔ تو یہ تھا موت کا کمرہ اور یہ تھی سفید موت۔

جب کہ ہم اپنے دلوں سے خوف مٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ گنگولی اپنے کام انجام دے رہی تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے نرالیہ کی طرح اچھل کر میز پر جا چڑھی اور ٹوالہ کے سامنے سر جھکانے کچھ بڑبڑانے لگی۔ اس کے بعد وہ موت کے جھبے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور کسی ادق زبان میں جو میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ دعا مانگنے یا خدا جانے ہمارے حق میں بد دعا کرنے لگی۔

”گنگولی چلو۔ ہمیں خفیہ خزانے تک لے چلو یہاں چمکتے پتھر ہیں۔ میں نے کہا وہ میز پر سے کود کر نیچے آئی۔

”کیوں۔ ڈر گئے؟“ وہ ہنسی۔

”بکومت“

”بہت اچھا۔“ اور وہ موت کے جھبے کے پیچھے ہمیں لے گئی۔

”یہاں خفیہ کمرہ ہے سفید اتا نو! مشعل جلاؤ!“ اور مشعل زرش پر رکھ

کر ایک طرف جا کھڑی ہوئی۔

گفتی کی دیاسلائیوں میں سے ایک میں نے جلائی مشعل جلا کر ہم دروازہ

تلاش کرنے لگے۔ سامنے چٹان کی دیوار تھی۔ دروازہ کہیں نظر نہ آیا۔

”یہی خفیہ دروازہ ہے۔ یہی سی سی۔“

”کہاں ہے دروازہ۔ ہمیں بتاتی ہے چڑیل!“ میں غصہ سے چلایا۔

”اطمینان رکھو میرے آقا۔ دیکھو!“ گنگولی نے چٹان کی طرف اشارہ کیا۔

گنج سلیمان

۱۰

گڑ گڑا ہنٹ کی آواز سنائی دی اور دیکھتے ہی دیکھتے چٹان اوپر اٹھنے لگی ہم حیرت سے دیکھنے لگے چٹان آہستہ آہستہ اوپر سے اٹھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ چٹان اوپر جا کر کہیں غائب ہو گئی اور ایک دروازہ ظاہر ہوا۔

”گنج سلیمان کا دروازہ“ میں چلایا اور مارے خوشی کے میری آنکھیں پر نہ

ہو گئیں

ستارہ ان کے سفید انسانوں اور ”گنگول“ نے کہا: ”کیسی پٹیلیری باتیں سن لو۔ اس کمرے میں تم جن چمکتے پتھروں کو دیکھو گے وہ اس جگہ سے کھود کر نکالے گئے ہیں جہاں کہ خاموش دیوتا بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ میں نہیں جانتی کہ ان پتھروں کو کن لوگوں نے کھود کر نکالا اور یہاں لاکر جمع کر دیے لیکن اس جانتی ہوں کہ وہ لوگ کبھی وجہ سے بڑی اذالہ فری میں اس خزانے کو پھوڑ کر کبھی طرف چلے گئے اور کمرے کا اور اس کے دروازے کا راز بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ کسی کو اس کمرے کا پتہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک سفید انسان جو اتفاقاً ستاروں کی دنیا سے آیا تھا۔ اسی جگہ آیا اور کوآنہ کے اس بادشاہ نے اس کا استقبال کیا۔ اور گنگول نے مینر کی گرد بیٹھے ہوئے میٹوں میں سے پانچویں می کی طرف اشارہ کیا۔ ”چنانچہ یوں ہوا کہ ایک عورت نے اس کمرے کا اور سفید دروازے کا راز کسی طرح سے حاصل کر لیا اور وہ سفید انسان اس عورت کو ساتھ لے کر اس کمرے میں داخل ہوا۔ اسے چمکتے پتھر مل گئے ان پتھروں کو اس نے ایک چمڑے کی تھیلی میں بھر لیا۔ اس تھیلی میں وہ عورت کھانا لے کر آئی تھی۔ جب تھیلی بالکل بھر گئی تو اس سفید انسان نے بڑا سا پتھر اپنے ہاتھ میں اٹھایا۔ گنگول سانس لینے کے لئے رکی۔

”اچھا تو پھر غریب سلوا سٹاپا پر کیا گذری“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

گنگول اچھل پڑی۔ "ہیں تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟" اسے میرے توڑ پھوٹوں
 اگڑ گئی، "اور پھر وہ اب کا انتظار کے بغیر کہنے لگی توئی نہیں ہرانا کہ
 کیا ہوا وہ سفید انسان کسی چیز سے خوفزدہ ہو گیا اس نے تھیلی کو وہاں چھینکا
 اور جان بچا کر باہر نکل آیا۔ جب وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں وہ پتھر تھا جسے اس
 نے آخر میں اٹھایا تھا۔ اس پتھر کو بادشاہ وقت نے سفید انسان سے چھین لیا اور
 یہی وہ پتھر ہے جو اس وقت اگنوسی کی پیشانی پر چمک رہا ہے۔"
 "تو کیا اس کے بس کوئی شخص اس کو مرنے میں داخل نہیں ہوا؟" میں نے

اندھیرے کرنے میں بھاگتے ہوئے کہا۔

"ہیں کوئی بھی نہیں۔ بادشاہ دروازہ کھولنے کی ترکیب جانتے تھے لیکن
 خفیہ کرنے میں کبھی داخل نہیں ہوئے کہتے ہیں جو بھی اس کو مرنے میں داخل ہوتا
 ہے ایک ہی رات میں مر جاتا ہے جیسے کہ وہ سفید انسان مر گیا جس کی آڑی
 ہوئی لاش کو تم نے پہاڑ میں دیکھا ہے۔ یہی میری ہر بات سچ آ رہی ہے۔"
 میں چڑیل کو اس بات کا کیسے پتہ چلا؟" میں نے حیرانی سے سوچا۔

"چلنے پرے آقا۔ میری باتیں سچ ہوتی ہیں۔ آپ اس کو مرنے میں پتھروں سے
 بھری ایک عقلی فرسٹا پر پڑی پائیں گے اور میری یہ بات بھی سچ ثابت ہوگی کہ
 جو بھی اس کو مرنے میں داخل ہوتا ہے موت اسے اپنے آہنی پنجوں میں دبوچ لیتی
 ہے۔ اچھی ہی"

وہ اپنے ہاتھ میں مشعل اٹھائے دروازے میں گھسی گئی اور میں یہ کہنے میں
 ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ ایک بار پھر میں آگے بڑھنے سے بھجکے نکلا۔
 "اور منہ میں اس چڑیل کی دھمکیوں میں آنے والا نہیں" گڈ نے کہا۔ اور فلاوٹیا
 کو ساتھ لے کر دروازے میں داخل ہو گیا۔ میں نے اور ہنری نے اس کی تقلید کی۔

ہم بہت ہی تنگ و تاریک سرنگ سے گزر رہے تھے گنگول ہم سے بہت آگے
 تھا چنانچہ وہ ایک جگہ رک کر ہمارا انتظار کرنے لگی ہم گنگول کے قریب پہنچے
 اور یہاں سرنگ کے کناروں پر بڑے بڑے پتھر اس طرح سے رکھے ہوئے تھے
 کہ اگر کوئی اس کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو بڑی آسانی سے پتھروں
 کو اس پر بٹھکایا جاسکے یہاں پہنچ کر فلاوٹیا نے کہا: "اب مجھ میں آگے جانے
 کی ہمت نہیں ہے۔" چنانچہ ہم نے اسے وہیں ایک پتھر پر بٹھا کر کھانے کی لٹری
 اس کے قریب رکھ دی۔

کوئی پندرہ گز چلنے کے بعد ہم لنگڑی کے بنے ہوئے ایک ایسے دروازے
 کے سامنے پہنچے جس پر ایک نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ یہ دروازہ بالکل چوڑے
 کھلا ہوا تھا جیسے کوئی اسے کھلا ہوا چھوڑ کر بڑی اور آفری میں بھاگا ہو۔
 دروازے کی دہلیز پر کھال کی ایک تھیلی پڑی ہوئی تھی جس میں
 سفوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز ٹھونس ٹھونس کر بھری گئی ہے۔
 "ہی ہا ہی۔ ابا ابا۔" گنگول نے مشعل کی روشنی تھیلی پر ڈالتے ہوئے
 بھانک کر تہقہ بلند کیا۔ "میں نے کیا کہا تھا۔ دیکھو پہلے آنے والا سفید لٹا
 اس تھیلی کو چھینک بھاگا تھا۔"

"خدا کی قسم یہ تھیلی ضرور میریوں سے بھری ہوئی ہے۔" گڈ نے کہا۔
 "پلو بھئی آگے۔" ہنری نے کہا۔ "بڑھیا لاؤ مشعل مجھے دو۔" ہنری نے
 گنگول سے مشعل لی اور آگے بڑھ گیا اور ہم خزانہ کے خفیہ کمرے میں تھے۔
 مشعل کی اندھی روشنی میں میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ دوسرے کمرے کی
 طرح یہ کمرہ بھی چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ اس کا طول و عرض دس فٹ تھا۔
 میری نظر چھت کی طرف اٹھ گئی اور وہاں تھارڈر قطار ہاتھیوں کی سونڈیں

مع باعنی دانت لٹک رہی تھیں۔ ان کی تعداد بتانا تو مشکل تھا۔ یعنی سوئڈش
 ہم دیکھ رہے تھے ان کی تعداد انہیں سو سے کسی صورت سے گم نہ تھی اور اتنے ہی
 باعنی دانت ایک شخص کو زندگی بھر کے لئے امیر ترین شخص بنانے کے لئے کافی ہے۔
 دواؤں کے بالکل سامنے دیوار سے لگے ہوئے چنچر پر سندھو
 ترتیب سے تلے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

ہنری مشعل یہاں لاؤ۔ یہ سندھو ہیرونا سے پر ہوں گے۔ میں
 چلایا۔

ہنری مشعل نے آیا سب سے اوپر ہی سندھو کا ڈھکی لٹانے کا دست
 برد سے خدمت ہو گیا تھا۔ ڈھکی کے اوپر ہے کا ایک حلقہ سے براہ راست
 حلقہ میں ہاتھ ڈال کر سندھو کھولا۔ سندھو ہیرونا سے تیار ہو گیا
 سونے کے ٹکڑوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ جن پر جسوں زبان میں کوئی
 عبارت کدہ تھی۔

”بہر حال ہم غالی ہاتھ نہیں جائیں گے۔“ میں نے ایک ٹکڑا اٹھا کر
 ایک سندھو میں ہزار سے ہوں گے اور سندھو کی تعداد اٹھارہ تھی۔
 ”بس یہی خزانہ ہے؟ معلوم ہوتا ہے ہیرے تمام کے تمام ہلو اٹلانے
 نے اپنی تھیلی میں بھر لے ہیں۔“ گڈ نے کہا۔

”میرے آقا اس کو نے میں دیکھیں۔“ گگول نے ایک طرف اشارہ کیا
 ”ادھر تین پتھر کے سندھو اور میں شاید وہاں آپ کی مراد بر آئے۔ دو
 سندھووں پر ہرگی ہوئی ہے۔ لیکن ایک سندھو کھلا ہے۔“
 ”میں گگول سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ جب کوئی شخص آج تک
 اس کمرے میں داخل نہیں ہوا تو پھر اسے ان تفصیلات کا پتہ کیسے چلا؟“

”میکومیزین“ گگول نے کہا: ”بعض آنکھوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ
سوئے ہوئے پتھروں کے آریار بھی دیکھ سکتی ہیں۔“

”ہنری ذرا دیکھنا تو اس کو نے میں کیا ہے؟“ میں نے گگول کی بتائی

ہوئی تھی کہ اس طرف اشارہ کیا۔

”ادھے یہاں آؤ۔“ ہنری نے کہا۔

پتھر اور گگول اس جگہ پہنچے تو آدم پتھر دیکھ کر ایک لمحہ نے گوبڑے کرے
سے الگ کر دیا تھا اور اس پتھر سے کرے میں تین تین فٹ لمبے تین پتھر
کے صندوق رکھے ہوئے تھے۔ دو صندوقوں پر سیسہ کی مہر لگی ہوئی تھی
تیسرے صندوق کا۔ اس کے قریب ٹوٹی پڑی تھی اور وہ کھلا ہوا تھا۔

”دیکھو۔“ ہنری نے کھلے ہوئے صندوق پر مشعل جھکا لی اور میری آنکھیں
پوند سے اٹکیں۔ صندوق پر تراشیدہ ہیروں سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے کسی
صورت یقین نہیں آتا تھا کہ یہ میرے ہیں۔ میں نے مٹھا بھر میرے
دلکائے۔ جی ہاں وہ میرے تھے۔ اصلی اور قیمتی۔

”خدا کی قسم ہم دنیا کے امیر ترین انسان ہیں۔“ اور میں دیوانہ وار
تہقیر لگانے لگا۔ ”تمام بازار میں ہماری وجہ سے ہیروں کا سیلاب آجائے
گا۔“ گگول نے کہا۔

”بائیں پھر ہوں گی۔ پہلے ہیروں کو کسی چیز میں بھراؤ۔“ ہنری نے کہا۔
لیکن ہم ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم بہت
ہی بڑا گناہ کر رہے تھے۔ جیسے مقدس عبادت خانے سے ہم کوئی چیز چرا
رہے ہوں۔ ہیروں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے دل لرز رہا تھا۔
”ہی ہی ہی۔“ ہماری پشت سے گگول کی ہنسی سنائی دی۔ ”جتنے لے سکتے ہو

لے لو۔ انھیں کھاؤ انھیں پیو۔

ہیرے کو کھانے اور پینے کی بات اتنی مضحکہ خیز نہیں تھی بلکہ میں ہنستے ہنستے نوٹ گیا۔ مہزی اور گڈ نے بھی میرا ساتھ دیا اور یہ خوشنما اس بات کی تھی کہ ہم نے اس خزانے کو پایا تھا جس کے لئے کئی آدمیوں کی جانیں گئی تھیں۔
صند وقوں پر وہ نہ تو حضرت سلیمان کی تھی نہ حضرت داؤد کی۔ ان بلیوں سے پہلے کسی بادشاہ نے خزانہ کو یہاں رکھا ہو گا اور اس خزانہ کو جسے نہ تو حضرت داؤد پاسکے اور نہ حضرت سلیمان اس کو ہم نے پایا تھا۔

کچھ دیر بعد ہنسی کا دور گزر گیا۔

”سفید افسانہ؟ دوسرے صندوق کھولو اس میں بھی چمکتے پتھر ہوں گے“ گگول نے کہا۔

ہم نے دوسرے صندوق کی مہری توڑ دی۔ دوسرا صندوق بھی ہیروں سے لبا لب بھرا ہوا تھا۔ تیسرے صندوق میں ہیرے نسبتاً کم تھے بلکہ یہ سب ہیروں سے بڑے اور مہزی مائل تھے۔ خزانہ کے پیچھے ہم گگول کو بھول گئے۔ وہ آہستہ آہستہ کھسکتی ہوئی خفیہ کمرے سے باہر نکل گئی اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔

دفترا فلاوٹیا کی سسل چینی سنائی دیں۔

”باگون، باگون، دوڑو، جلدی آؤ خفیہ دروازہ بند ہو رہا ہے۔“
”ارے چھوڑ دے مجھے، میں کہتی ہوں ہٹ جا لڑکی۔ گگول کی آواز سنائی دی۔“ ارے چھوڑ مجھے، نہیں چھوڑتی، تو یہ لے“ اور فلاوٹیا کی

گنج سلیمان

۲۲۹

چینے نے ہمارے دل دہلا دیے۔

”باگون جلدی آؤ۔ آہ باگون۔ گنگول نے ہمارے سینے میں خون

بھونک دیا۔ آہ۔“

ہم سب کچھ چھوڑ بیٹھ کر بے تھامشہ خفیہ دروازے کی طرف بھاگے اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ خفیہ دروازہ آہستہ آہستہ بند ہو رہا ہے۔

یوں کہنے کو بند ہونے کے قریب تھا۔ دروازہ زمین سے تین فٹ اونچے اور اونچے تھا۔ اور اس کے قریب گنگول اور فلاوٹیا گتھم گتھم ہونے لگی تھیں۔

فلاوٹیا کے سینے سے خون بہ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ بہادر لڑکی گنگول کے مضبوطی سے پکڑے تھی اور گنگول جنگلی بلی کی طرح اس کا منہ نوچنے لگا تھا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو فلاوٹیا کو ہلاکت جو اس پر چکی تھی۔ نہ دھڑکا سے گری۔ گنگول اپنے آپ کو چھپڑا کر بند ہوتے ہوئے دروازے کے نیچے

رینگ گئی۔ لیکن اب کافی دیر ہو چکی تھی۔ ابھی گنگول کا نصف حصہ دروازے ہی کے نیچے تھا کہ بھاری چٹان نے اسے دبا کر شروع کیا۔ تیس ٹن کی

بھاری چٹان گنگول کی سوکھی ہڈیوں کو روندتی ہوئی نیچے سرکنے لگی۔ نیچے۔ اور نیچے۔ کچر ررر۔“ کی آواز کے ساتھ گنگول کے منہ سے آخری

بار چیخ نکلی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ گنگول اس کے نیچے دبا کر رہ گئی اور یہ سب کچھ چار سکنڈ میں ہوا۔

اب ہم فلاوٹیا کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک خنجر دیتے تک اس کے سینے میں پیوست تھا اور وہ آخری سانسیں لے رہی تھی۔ ”آہ۔ باگون۔ میں

مر رہی ہوں۔“ فلاوٹیا نے کہا۔ ”گنگول چپکے سے خفیہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ اس وقت میری آنکھ لگ گئی تھی۔ اس لئے مجھے پتہ بھی نہ چلا۔“

گنج سلیمان

۲۲۷

بند ہوتے ہوئے دروازے کی گڑا گڑا ہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت گنگول واپس اندر آ کر جانے کیا تلاش کرنے لگی میں نے اسکو دبوچ لیا اور اس نے میرے سینے میں خنجر اتار دیا۔ آہ میں زرد ہی ہوں۔“

”فلاوٹیا میری پیاری“ گڈ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے جھک کر نمون آلود فلاوٹیا کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور بے تماشہ اس کا منہ پر منے لگا۔

”باگون“ فلاوٹیا نے کہا: ”میکومیزن کہاں ہیں؟ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔“

میں تمہارے قریب ہی ہوں فلاوٹیا“ میں نے کہا۔

”میکومیزن۔ آپ میری باتوں کا مطلب باگون کو سمجھاتے جائیں۔ وہ میری زبان سمجھ نہیں سکتے۔ اور میں مرنے سے پہلے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“

”کہو فلاوٹیا“

”میرے آقا۔ باگون سے کہو کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ بے پناہ محبت میں آج تک اس محبت کو چھپاتی رہی ہوں لیکن اب جب کہ مر رہی ہوں تو میں چاہتی ہوں کہ وہ میری محبت سے آگاہ ہو جائیں۔ موت کا مجھے کوئی غم نہیں۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ باگون کبھی مجھے اپنی بیوی بنانا پسند نہ کرتے۔ روشنی اور تاریکی، سفید و سیاہ کا کبھی ملاپ نہیں ہوا۔“

”آہ فلاوٹیا۔ خدا کی قسم ضرور تجھے اپنی بیوی بناتا۔ آہ تو نے پہلے مجھ سے کیوں نہ کہا۔“ گڈ اپنے بال نوچنے لگا۔

”بس بس باگون اب میں بڑے اطمینان سے مروں گی۔ میرا جسم چاہے فنا ہو جائے لیکن میری روح ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ میرا دل جو

تمہاری محبت سے بربز ہے وہ۔ کبھی فنا نہیں ہوگا۔ اگر مجھے دوبارہ زندگی نصیب ہوئی تو میں ستاروں کی دنیا میں تمہیں پالوں گی۔ میکرو میزن باگون سے کہو کہ اسی کی محبت دل میں لئے زندہ تھی اور اور اسی کی محبت نے دنیا سے جا رہی ہوں۔ آہ، آہ۔“

فلادوٹیا نے اچلی لی اور اس کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔ گڈ بچوں کی طرح بے تحاشہ رونے لگا۔

”گڈ۔ اس لڑکی کی موت کا بہت زیادہ ونوس نہ کرو۔“ ہنری نے کہا۔
”کیا مطلب؟“ گڈ غصہ سے ہنری کی طرف گھوم گیا۔

”تم جلد ہی اسی سے جا ملو گے دیکھتے نہیں ہو میرے بھائی ہم لوگ زندہ دفن کئے جا چکے ہیں۔“

”فلادوٹیا کی موت کی وجہ سے ہم اپنی حالت کو فراموش کر گئے تھے۔ لیکن جب ہنری نے یہ الفاظ کہے تو میں اور گڈ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بے مقصد ہوا بھاگنے لگے۔ اور اب ہمیں پتہ چلا کہ گول نے یہ اسکیم پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ شروع ہی سے وہ ہم تینوں سے شدید نفرت کرتی تھی اور موقع کی منتظر تھی۔ اور ہم نے اپنی حماقت سے اسے بڑا ہی زریں موقع دیا۔ اس کی شیطانی خواہش کے مطابق اب ہم بھوک اور پیاس سے ترپ ترپ کر جان دیں گے۔ کبھی خود تو مری۔ ساتھ میں ہمیں بھی لے ڈوبی اور اب اس کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔“ سفید انسانو! چلتے پتھر کھاؤ۔ انھیں پیو۔“

شاید ساوا سٹا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہوگا۔

جس کی وجہ سے وہ اپنی جان بچا کر بھاگا ہوگا۔

”یوں بے کار کی بھاگ دوڑ سے کچھ نہیں ہوگا۔“ مہزی نے کہا۔
 قُب تک مشعل جل رہی ہے ہمیں وہ کل لاش کرنی چاہیے جس سے کہ
 خفیہ دروازہ کھلتا ہے۔“

ہم نے دھواں پھیلاتی مشعل کی روشنی میں فرش اور چٹائی دیواروں
 کو ٹھوننا شروع کیا۔ کافی وقت گزر گیا لیکن کوئی کل نہ ملی۔
 ”مہزی مجھے یقین ہے کہ دروازہ صرف باہر ہی سے کھولا اور بند کیا
 جاسکتا ہے۔ اگر اس کی کوئی کل یہاں اندر بھی ہوتی تو گنگول دروازے
 کے نیچے کبھی نہ گھستی۔“ میں نے مایوسی سے کہا۔

بہر حال مہزی ہلکی ہنسی ہنسا۔ ”بدلہ برابر کا رہا۔ گنگول کی موت بھی
 اتنی ہی تکلیف دہ ہوئی جتنی کہ شاید ہمارے ہوگی۔ ان موٹی موٹی
 چٹانوں سے سر ہٹ کر انا بیچارہ ہے۔ آئیہ واپس خزانہ کے کمرے میں چلیں۔“
 فلاوٹیا کے قریب رکھی ہوئی کھانے کی ٹوکری لے کر ہم خفیہ کمرے میں
 آگے کچھ دیر بعد گڈا اٹھا اور فلاوٹیا کی لاش اٹھالایا۔ اس
 نے لاش کو صند و قوں کی طرف کر دیا اور ہم تینوں اس لاش کے پاس
 پیروں سے لبالب بھرے ہوئے صند و قوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

”میرا خیال ہے ہم کھانا آپس میں تقسیم کر لیں۔ تاکہ قھوڑا قھوڑا کھا کر
 جتنے دن ممکن ہو چلا سکیں۔“ مہزی نے کہا۔

کھانا تقسیم کیا گیا۔ ہر ایک کے حصے میں صرف چار وقت کا کھانا آیا
 جو اگر قھوڑا قھوڑا کر کے بھی کھایا جاتا تو ہم اس کے سہارے زیادہ سے
 زیادہ چار دن زندہ رہ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ قھوڑا سا

پانی بھی ساتھ تھا۔

”کل نہیں تو پریموں ہمیں مرنا تو ہے ہی۔ اس لئے آج زندہ رہنے کے لئے غھوڑا سا کھالیں“ ہنری نے کہا۔

ہم نے دو ایک لقمے کھا کر ایک ایک گھونٹ پانی پیا۔۔۔ بدن میں کچھ طاقت آتی محسوس ہوئی تو ہم اٹھ کر اپنی اس چٹانی کمرے کی دیواروں کو غور دیکھنے لگے اس امید میں کہ شاید کوئی راستہ یا خفیہ دروازہ مل جائے۔۔۔ بار بار دیواروں اور فرش کو بجاتے کہہیں گھو کھلا بھتا ہے یا نہیں!

لیکن یہ کوششیں بے کار ثابت ہوئی۔۔۔ مشعل کی روشنی کم ہونے لگی۔۔۔ اور ساتھ ہی ہماری ہمت کو چر کر گئی اور مایوسی نے اپنے بچے ہمارے دلوں میں گارڈ دیئے۔

”کو اڑ میں کیا بجائے اس وقت“ ہنری نے پوچھا۔

میں نے جیسی گھڑی نکالی چھ بچے چکے تھے اور ہم گیارہ بجے غار میں داخل ہوئے تھے۔

”انفادوس ہمارا منتظر ہوگا“ میں نے تنکے کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ ہم صبح تک اس کے پاس نہ پہنچے تو وہ ہماری تلاش ضرور کرے گا اور۔۔۔“

”اور اس کی تلاش بے نتیجہ رہے گی۔ انفادوس اور انفادوس

ہی کیا۔ کو کو آن کا کوئی بھی فرد خفیہ دروازے کا راستہ نہیں جانتا۔

ایک گگول جانتی تھی۔ سو اس کی ہڈیاں اسی دروازے کے نیچے سرسہ ہوئی پڑی ہیں۔ اور فرض کرو کہ انفادوس کسی طرح سے خفیہ

دروازے تک پہنچ بھی گیا تو اسے دروازہ کھولنے کی ترکیب معلوم نہیں اور یہ چٹان اس قدر موٹی ہے کہ کو کو آواز کی تمام فوج مل کر بھی اسے توڑ نہیں سکتے گی۔ بہتر یہی ہے کہ خدا پر بھروسہ کیا جائے۔ — دوستو! اس خزانے کے پیچھے بہت سی جانیں گئی ہیں اور ہم ان کی تعداد میں تین کا اور اضافہ کر دیں گے، بڑی نے بڑی مایوس کن باتیں کہیں۔

مشعل کی روشنی کم ہو گئی اور پھر وہ بھڑکی اور مشعل نے آنکھیں سوندنے سے پہلے آخری بار اپنی شعلہ بار آنکھ سے فلاویٹا کی لاش خزانے کے کمرے کی چھت سے اٹکتی ہوئی سونڈوں بیروں سے بھرے صندوقوں اور تین زندہ درگور انسانوں کو دیکھا۔ اور پھر اس نے ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھ بند کر لی۔ کمرے میں گھوراندھیرا بچا گیا۔ اور اس اندھیرے میں کچھ موت کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔

کہتے ہیں نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ چنانچہ اس رات بھی مجھے گھڑی بھر کے لئے نیند آگئی اور اس نیند نے گھڑی بھر کے لئے خوف و ہراس سے مجھے آزاد کر دیا لیکن زیادہ دیر تک سونا دشتوار تھا۔ چنانچہ کچھ ہی دیر بعد میری آنکھ کھل گئی۔ گدا اور ہنری بدستور جاگ رہے تھے اور غصیہ کمرے میں ہم نے وہ جیسا تک رات کس حالت میں گزاری؟ یہ میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

اس وقت ہم جس حالت میں تھے اس حالت میں بڑے بڑے سورما کا بھی پتہ پانی ہو جاتا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا موت کا بے رحم سرد ہاتھ ہماری طرف بڑھتا محسوس ہوتا اور ان سب پر منتزاد وہ مکمل خاموشی تھی جو موت سے بھی زیادہ دشمنناک ہوتی ہے۔ اس خاموشی کا اندازہ جو خفیہ کمرے میں چھائی ہوئی تھی کوئی مشکل ہی سے لگا سکتا ہے۔

باہر کی دنیا میں بھی رات کو خاموشی طاری ہوتی ہے لیکن وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی آواز اس خاموشی کی چادر کو چاک کر دیتی ہے۔ وہ آواز کتنی ہی کمزور اور غیر اہم کیوں نہ ہو پھر بھی وہ زندگی کا احساس دلاتی ہے لیکن یہاں اس قبر میں ایسی کوئی آواز نہ تھی۔ ہم دنیا سے بالکل الگ تھلگ ایک قبر میں دفن تھے اور ہمارے سروں پر، ہزاروں فٹ کی بلندی پر پہاڑ کی برف پوش چوٹی پر ٹھنڈی حیات بخش ہوا اٹکھیلیاں کر رہی ہو گی لیکن ہم اس سے محروم تھے۔ یہاں تک کہ ایک پانچ فٹ لمبی چٹان نے ہمیں موت کے کمرے سے بھی جدا کر دیا تھا اور اگر ہم اس کمرے میں بھی ہوتے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ان موٹی موٹی چٹانوں کی وجہ سے باہر کی دنیا کی آواز ہم تک نہیں پہنچ سکتی تھی اگر زمین آسمان آپس میں ٹکرا جاتے اور دنیا میں آوازوں کا طوفان آجاتا تب بھی ہمیں پتہ نہ چلتا۔ اگر اس وقت واقعی قیامت آجاتی اور اس فریال اپنا صورت چھونکے تو شاید ہم صورت کی آواز بھی نہ سن سکتے ہم ہر طرح کی دنیاوی آوازوں سے بہرے ہو گئے تھے یا بہرے بنا دیئے گئے تھے اور اس وقت حقیقت میں ہم مردوں کے مثل تھے۔

اور پھر حالات کا بھرپور طنز بھی دلوں پر نشتر زنی کر رہا تھا۔ ہمارے پاس اس وقت اتنا بڑا خزانہ تھا کہ ہم اس کے ذریعہ ایک دنیا کے افلاس کو

دور کر سکتے تھے یا دینا کا عظیم ترین جنگی بیڑہ تیار کر سکتے تھے لیکن اب یہ دولت ہمارے کسی کام نہیں آسکتی۔ رہائی کی سوہوم میں امید پر ہم اس آواز سے دست بردار ہونے کو تیار تھے۔ ہمیں یقین تھا کہ قحطی کے سے وقفہ کے بعد ایسا وقت آئے گا جبکہ ہم ایک ٹکڑا روٹی اور چند گھونٹ پانی کے لیے اسی خزانہ کو بخوشی کسی کو بخشنے کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ وہ آکر ہماری تمام تکالیف کا خاتمہ کر دے۔

انہیں خیالات میں رات بیت گئی۔

”کو اڑھین“ ہنری کی آواز اس خاموشی میں شیبب معلوم ہوئی۔

”ہیامیں دیا سلائی کی کتنی نیلیاں باقی ہیں“

”صرف آٹھ“ میں نے گن کر کہا۔

”اچھا ایک جلا کر دیکھو تو کتنے بچے ہیں اس وقت“

میں نے دیا سلائی جلائی اور اس کی کمزور سی روشنی نے اس تاریکی میں

ہماری آنکھیں چوندھیادیں۔ میری گھڑی پانچ بج رہی تھی۔ ہمارے سر پہ

بہت اونچے اس وقت پہاڑ کی برف پوش چوٹیوں پر سہانی پوہیٹ رہی ہوگی

اور تاریکی اپنا دامن سمیٹ رہی ہوگی۔

”قوت برقرار رکھنے کے لئے میرا خیال ہے ہم قحطی کا کھانا کھالیں۔ میں نے کہا

”کیا فائدہ؟“ گڈ نے کہا۔ ”جتنی جلدی موت آکر ہمیں اس مصیبت

سے بچھکارا دلائے۔“

”جب تک سانس، تب تک آس“ ہنری نے کہا۔

قحطی کا کھانا کھایا اور چند گھونٹ پانی پی کر ہم خاموشی سے بیٹھ گئے۔

ہندو دوازے کے قریب جا کر ہمیں آواز میں دینی چاہئیں۔ ہنری نے رائے دیا۔

” ممکن ہے ہماری آواز یا ہرٹمک پہنچ جائے۔“

گڈ اٹھا۔ دروازے کے قریب جا کر اس نے انفادوس، انفادوس پکارنا شروع کیا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ مردے بھی قبر سے ہٹ بڑا کر نکل آئیں مگر گڈ کی آواز کا یہاں پتھر کی جنبھناہٹ جتنا بھی اثر نہ ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ پیاس سے نڈھال ہو کر واپس لوٹ آیا۔ آواز میں دینے کا عمل ہم نے بند کر دیا۔ اس طرح سے ہمارے پانی کے چھوٹے سے ذخیرہ پر بہت اثر ہوتا تھا۔

ہم پھر بے مہف میروں کی صندوقوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اتنے بہت سے میرے لیکن ہمارے لئے بالکل ہی بیکار قسمت نے ہم پر کاری ضرب لگائی تھی میری تمام امیدوں کے عملی رٹ ڈھم سے آ رہے تھے۔ ہنری کے چوڑے چکلے نشانے پر سر رکھ کر دفعتاً میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ گڈ کی جھلیوں کی بھی آواز سنائی دے رہی تھی۔

لیکن وہ تو مندرجہ ذیل نہیں ہنری کتنی مستقل طبیعت کا مالک تھا۔ اس وقت ہم دو فرزندہ بچوں کی لڑائی تھے اور وہ ایک شفیق ماں کی طرح ہمیں دلاسا دے رہا تھا۔ ہنری ہمیں مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا جس میں کہ ہم تھے مگر اپنی تمام مصیبتوں کو بھول کر وہ ہمیں ڈھارس بندھا رہا تھا۔ وہ ہمیں ان لوگوں کے قصص سناتا رہا تھا جو ہم سے بھی زیادہ مصیبتوں میں گرفتار تھے۔ ان لوگوں نے ہمت کا دامن نہیں چھوڑا اور پھر ان کی تمام مصیبتیں کچے تاکے کی طرح ٹوٹ گئیں۔ لیکن ان قصوں کا ہم پر کچھ اثر نہ ہوا تو ہنری نے کہا کہ بہت بلدیوت ہماری تمام تکالیف کا خاتمہ کر دے گی اور پھر اس نے ایک جداگانہ بات کہی جسے وہ پہلے بھی کئی مرتبہ دہرا چکا تھا یعنی ہم اپنے آپ کو خدا کی مرضی

پر چھوڑ دیں۔

اور جس طرح سے رات گزری تھی اسی طرح سے دن بھی گزر گیا۔
میں نے دیا سلائی جلائی سات بج چکے تھے اور اس جگہ اس قدر تاریکی
چھائی رہتی تھی کہ رات اور دن میں تمیز کرنا ناممکن تھا۔ ہم نے ایک مرتبہ پھر
کھانا کھا کر پانی پیا اور اچانک مجھے ایک خیال آیا۔

”کیا وجہ ہے کہ اس کمرے کی ہوا ہمیشہ تازہ رہتی ہے؟“ میں نے کہا۔
”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہوا بخاری ضرور ہے لیکن تازہ ہے۔“
”ادخلنا!“ گڈ نے چونک کر کہا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو کواٹر میں۔ ان بخاری
پتھروں کو چیر کر تو ہوا اندر آ نہیں سکتی اگر اس جگہ ہوا کی آمد و رفت نہ ہوتی
تو جب ہم یہاں داخل ہوئے ہیں اسی وقت ہمارا دم گھٹ گیا ہوتا۔ آؤ
ملاش کریں کہ ہوا کہاں سے آتی ہے ممکن ہے کوئی راہ نکل آئے۔“
ہم چوپالیوں کی طرح ہاتھوں اور پیروں پر رہینگے ہوئے ہوا کی آمد و
رفت کی جگہ تلاش کرنے لگے۔ ٹٹولتے ٹٹولتے میرا ہاتھ کسی ٹھنڈی چیز پہ
جا پڑا۔ میں ہڑ ہڑا کر پیچھے ہٹا۔ یہ غریب فلاڈیٹا کا چہرہ تھا۔
ایک گھنٹے کے بعد میں اور مہتری تو تھک مار کر بیٹھ گئے مگر گڈ یہ کہتے
ہوئے کہ بیکار بیٹھے رہنے سے کچھ کرتے رہنا بہتر ہے بڑی سرگرمی سے
کام میں جٹا رہا۔

”ذرا یہاں تو آنا!“ گڈ نے پر امید آواز میں کہا۔

ہم بجلی کی سی تیزی سے اس کے پاس پہنچے۔
”کواٹر میں اپنا ہاتھ لاؤ۔ یہاں رکھو۔ ہاں اب تم کو کچھ عسوس ہوتا ہے؟“
”ہاں۔ ہوا اوپر آرہی ہے۔“ میں نے کہا۔

گھنچ سلیمان

۲۳۶

”اچھا سنو“ اور گڈ نے کھڑے ہو کر اپنا پیر زور سے فرش پر ٹپخا۔
ہمارے دلوں میں امید کا چراغ جل اٹھا۔ اس جگہ کھوکھلے پن کی آواز آ رہی تھی۔
کانپتے ہاتھوں سے میں نے بھی ہوائی تین دیا سلائیوں میں سے ایک
چلائی۔ ہم کمرے کے ایک کونے میں کھڑے ہوئے تھے۔ دیا سلائی کی روشنی میں
ہم نے اس جگہ کا معائنہ کیا۔ چٹان کے مضبوط اور پتھریلے فرش پر ایک جگہ
جوڑ تھا اور وہاں پتھر کا ایک کڑا لگا ہوا تھا۔ ہمارے دل رہائی کی امید سے
دھمکنے لگے۔ گڈ نے اپنی جیب سے ایک چھری نکالی جس کے ایک طرف وہ
اوزالہ لگا ہوا تھا جس کے ذریعہ گھوڑے کے گھروں سے پتھر نکالے جاتے
تھے۔ گڈ چھری کھول کر اکرٹوں بیٹھ گیا اور کڑے کے ارد گرد دھرو نچنے لگا۔ کچھ
ہی دیر بعد کڑا چھٹ گیا۔ کڑا چونکہ پتھر کا تھا اس لئے ہم یقین سے نہیں کہہ
سکتے تھے کہ وہ لوہے کے کڑے کی مضبوطی سے کنڈی میں لگا ہوا ہو گا یا
نہیں۔ گڈ نے کڑا اونچا کر کے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا اور پوری قوت سے
اپنی طرف کھینچا۔ لیکن کچھ نہ ہوا۔ ہنری نے زور آزمائی کی۔ لیکن پھر بھی
کچھ نہ ہوا۔

گڈ چھری لے کر پھر بیٹھ گیا اور وہ جگہ کھرج ڈالی جہاں سے ہوا آتی معلوم
ہوتی تھی۔

”اور اب ہنری مستعد ہو جاؤ۔ آستینیں چرٹھا کر کڑے کو کھینچو۔ ہاں
ٹھہرو“ گڈ نے ایک بار رومال نکالا جو وضع داری کو نبھاتے ہوئے اس کی
گردن میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے رومال کپٹنے پر لپیٹ لیا۔ ”کو اٹر میں۔
تم ہنری کی کمر پکڑ لو۔ جب میں ہاں کہوں تو دونوں دشتہ کہ زور لگانا۔“
ہنری نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ میں ہنری کو کھینچ رہا تھا اور

گدڑ مجھے ”

” ہم کامیاب ہو رہے ہیں گھینچو، زور سے، اور! ” ہنری نے کہا، انہم نے اپنی طاقت سے زیادہ زور لگایا۔

دفعاً ایک زبردست دھماکا ہوا، پتھر اپنی جگہ سے اکھڑا، کمرے میں تازہ ہوا کا سیلاب آگیا۔ ہم تینوں اپنے زور میں آ رہے اور فرش پر اوپر تلے پتے گرے۔

ہم نے جلدی جلدی اٹھ کر سانس درست کیا۔ میں نے ایک ویلڈائی چلائی اور اسکی رشتی میں پتھر کا ایک زینہ نیچے کیٹرن جاتا دکھائی دیا۔ ”اب کیا کرنا چاہئے؟“ گدڑ نے پوچھا۔

”خدا کا نام لے کر نیچے اترو!“ ہنری نے کہا، ”کو اٹر میں اپنا بچا ہوا کھانا اور پانی لے آؤ۔“

میں ٹھوٹتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں پتھروں کے صندوقوں کے قریب ہمارا کھانا اور پانی رکھا ہوا تھا۔ میں یہ چیزیں لے کر پلٹا ہی تھا کہ مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اپنی جیبوں میں کچھ ہیرے بھریوں تو تو کیا برائی ہوگی۔ شاید ہم یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے پہلے صندوق میں ہاتھ ڈالا اور اپنے شکار کوٹ کی جیب میں منہ تک بھر لی اور دو تین ہیرے تیسرے صندوق سے بھی لے کر (یہ ہیرے بڑے بڑے تھے)

”میں نے کہا دوستوں! میں چلایا۔“ کیا تم ہیرے لینا نہیں چاہتے؟ میں

نے تو اپنی کوٹ کی جیبیں پر کر لی ہیں۔“

”اوہ لعنت بھیجو ہیروں پر!“ ہنری نے کہا، ”مجھ ان سے نفرت ہوگئی ہے۔“

گڈ نے کوئی جواب نہیں دیا شاید وہ فلاوٹیا کی لاش کو الوداع کہہ رہا تھا بس نے اس سے بے پناہ محبت کی تھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس منہوس دولت کو حاصل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن میں اپنی فطرت سے مجبور تھا۔

”جلو کو اتر میں“ ہنری نے بیٹے کی پہلی ٹیڑھی پر کھڑا ہوا تھا۔ ”ذرا احتیاط سے چلنا۔ میں آگے چلتا ہوں۔“

”درا ہوشیاری سے چلنا ہنری ممکن ہے آگے کہیں گہرا کھڈ ہو۔“

”یہ بھی تو ممکن ہے کہ آگے بھی کوئی کرہ ہو۔“ ہنری نے کہا۔ اور نیچے اترنے لگا۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا اس کے پیچھے ہولیا۔

پندرہ نے اپنے اترے ہنری رک گیا۔ ”لو یہاں زمینہ ختم ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے ہم اس وقت کسی غلام گردش میں کھڑے ہوئے ہیں۔“

ہنری کے پیچھے گڈ تھا اور سب سے آخر میں میں۔ نیچے پہنچ کر میں نے بائیں دو دیا۔ سلائیوں میں سے ایک جلائی۔ ہم ایک تنگ سرنگ میں کھڑے ہوئے تھے اور یہاں سے سرنگ دو حصوں میں بٹ کر جس زینے سے ہم اترے تھے اس کے دائیں اور بائیں چلی گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ ہم کھڑے اور دیکھ سکیں۔ دیا سلائی میری انگلیوں کو داغتی ہوئی سمجھ گئی۔ اب یہاں یہ سوال درپیش تھا کہ کون سا راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ جاننا واقعی مشکل تھا کہ دائیں بائیں کی دونوں سرنگیں کہاں جا کر ختم ہوتی تھیں۔ ممکن تھا ایک سرنگ میں داخل ہو کر ہم باہر نکل جائیں اور دوسری میں

گینج سلیمان

۲۳۹

داخل ہو کر موت کی اتھاہ تارکیوں میں جا پڑیں ہم چرکنم کی حالت میں کھڑے رہے کیلخت گڈ کو خیاں آیا کہ جب میں نے دیا سلائی جلائی تھی تو اس کی لو بائیں طرف کو سڑ گئی تھی۔

”میں دائیں طرف چلنا چاہتا تھا۔“ گڈ نے کہا۔ اس طرف سے ہوا اندر

آتی ہے۔“

چنانچہ ہم ٹھولتے ہوئے دائیں طرف کی طرف بھاگے۔ ہم رفتہ رفتہ گھومیں تو زمانہ کے کمرے سے دور ہونے لگے۔ اگرچہ کئی کئی شخص نماز کے کمرے میں داخل ہو گا اور اس کا امید کم ہی ہے۔ اس کمرے میں بجاریں نشانیوں پائے گا۔ کھلے ہوئے صندوق بھی ہوتی تھیں اور فریب نماز پڑھنا کا سفید ٹیبلٹ کا پیچہ۔

باؤ گھنٹہ تک چلنے کے بعد رنگ داہم طرف کو سڑ گئی۔ یہاں پر ہی رنگ کو جس پر ہم چل رہے تھے ایک اور رنگ جو دائیں طرف سے آ رہی تھی، اس کا ٹکڑا ہونے لگا۔ بائیں طرف چلی گئی تھی۔ ہم ناک کی سیدھ میں چلنے لگے۔

سلسلے میں گھنٹے چلنے کے باوجود ہم سرنگوں کے اس جال سے باہر نہ نکل سکے۔ اب تک دل میں امید کا چراغ مٹا رہا تھا لیکن اب وہ بجھنے لگا۔ آخر کار انتہائی تھکن اور مایوسی کی وجہ سے ہم ایک جگہ رک گئے۔

یہاں ہم نے سچا ہوا کھانا کھایا اور پانی کا آخری قطرہ پیا۔ یہیں معلوم ہوتا تھا کہ ہم موت کے ہاتھوں سے دامن چھٹا کر غیبیہ کمرے سے بھاگے تو تھے لیکن وہ ہمارے پیچھے لگی ہوئی تھی اور اس جگہ وہ ہمیں دبوچ لے گئی۔

جب ہم اٹھے چلنے کے لئے تو مجھے کچھ مبہم سی آواز سنائی دی۔ پتہ نہیں کہ

گنج سلیمان

۲۴

کسی چیز کا آواز سنی لیکن میں اسے مسلسل سن رہا تھا میں نے اپنے ساتھیوں کی توجہ اس آواز کی طرف مبذول کرائی۔

”نورا کہ تم یہ جتنے ہوئے پانی کی آواز ہے۔ چلو“ گڈ نے کہا۔ اور ہم سولے ہوئے آواز کی سمت ہو لئے۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے آواز تیز ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس نے ایک شور کی صورت اختیار کر لی۔ ہم تیزی سے آگے بڑھے۔ آگے۔ اور آگے۔ یقیناً یہ تیزی سے بہتے ہوئے پانی کی آواز تھی لیکن ہمیں شک تھا۔ آپ جانئے زمین کے نیچے پانی کس طرح سے بہ سکتا ہے۔ گڈ ہمیں کھارہا تھا کہ وہ پانی کی بوسہ لگھ رہا ہے۔

”گڈ ہوشیاری سے آگے بڑھنا۔ ہم پانی کے کہیں قریب ہی ہیں گئی“ ہنری نے کہا۔

نہر اک سے پتھر لڑا ہکنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی گڈ کی دلدوز بیخ سنائی دی۔

گڈ ہم سے آگے ایک بلند جگہ پر چل رہا تھا اور اسی بلندی سے وہ کہیں نیچے گرا تھا۔

گڈ۔ گڈ۔ کہاں ہو؟“ ہم چلائے۔

”سب ٹھیک ہے۔ ایک چٹان میرے ہاتھ میں آگئی ہے اور میں نیچے گرنے سے بچ گیا ہوں۔ جلدی سے دیا سلائی جلاؤ تاکہ مجھے پتہ چلے کہ تم کہاں ہو۔“ گڈ کی آواز سنائی دی۔

میں نے آخری دیا سلائی جلائی۔ پانی ہمارے پیروں کے بالکل قریب بہ رہا تھا۔ میں اور ہنری اس کے کنارے پر کھڑے تھے اور گڈ

گنج سلیمان

۲۴۱

دائیں طرف ایک بلند چٹان سے لٹک رہا تھا۔ دیا سلائی بجھ گئی۔
 ”بس جہاں سو وہیں کھڑے رہو اور اپنے ہاتھ آگے کی طرف
 پھیلا دو۔ میں تم میں سے کسی ایک کا ہاتھ پکڑ لوں گا لیکن ہوشیار
 رہنا ایسا نہ ہو کہ تم بھی میرے ساتھ ساتھ پانی میں لڑھک جاؤ۔“
 گڈ نے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے ہمیں اس کے پانی میں گرنے کا
 دھماکا سنائی دیا۔ درہی منٹ بعد گڈ نے مہزی کا ہاتھ پکڑ لیا اور
 کود کر کنارے پر آ گیا۔

”خدا کی پناہ!“ گڈ نے پھولی سانسوں کے درمیان کہا۔ ”اگر چٹان
 میرے ہاتھ میں نہ آتی اور میں تیرا نہ جانتا تو کبھی کا فرق ہو گیا
 ہوتا۔ پانی بڑی تیزی سے بہ رہا تھا اور اس کی تہہ کا پتہ نہیں۔“
 ”اب ہمیں نالے کے قریب نہیں چلنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے
 کوئی پھر اس میں جا گرے۔“ مہزی نے کہا۔

ہم نے نالے میں منجھ ہاتھ دھوئے اور بوتل پانی سے بھر لی۔ نالے
 کا پانی ٹنڈرا اور میٹھا تھا۔ کچھ دیر سستانے کے بعد ہم پھر سرنگ
 میں چل پڑے۔ اور ایک سرنگ کے دبانے پر پہنچے جو بائیں
 طرف جاتی تھی۔

”معلوم ہوتا ہے تمام سرنگیں ایک ہی طرح کی ہیں۔“ مہزی نے کہا۔
 ”بہر حال دائیں طرف چلا جائے۔ اگر خدا کی مرضی ہوئی تو ہم سرنگوں کے
 اس ہیئت تک جال سے باہر نکل جائیں گے۔“

ہم دائیں طرف کی سرنگ میں داخل ہوئے۔ مہزی راہنمائی
 کر رہا تھا۔ ایک دم سے وہ رک گیا اور ہم اس سے جا ٹکرائے۔

”دیکھنا کو اُتر میں“ ہنری نے کہا۔ ”میرا دماغ جل گیا ہے یا حقیقت میں
 سامنے روشنی نظر آ رہی ہے؟“
 میں نے غور سے دیکھا۔۔۔ کافی دور۔۔۔ ہمارے بالکل سامنے
 روشنی کا ایک داغ سا نظر آ رہا تھا۔ یہ داغ اس قدر دھندلا تھا کہ
 ہماری ہی آنکھیں جو تاریکی کی عادی ہو گئی تھیں اسے دیکھ سکتی تھیں۔
 ہم دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے روشنی کی طرف بڑھے اور
 تازہ ہوا کے جھونکے ہمیں پنکھا چھلنے لگے اور ہمارے دل خوشی
 سے ناچ اٹھے۔

ہم آگے بڑھے اور سرنگ اس قدر تنگ ہو گئی کہ ہم چوہا یوں کی طرح
 چلنے لگے۔ سرنگ اور بھی تنگ ہو گئی۔ اور ہم بیٹھ کر بل دینگے
 لگے اور ہمیں محسوس ہوا کہ ہم نرم نرم مٹی پر دینگے لگے ہیں۔
 پھر بلا راستہ ختم ہو گیا تھا۔

آخری کوشش۔۔۔ ہنری۔۔۔ اس کے بعد گڈ اور پھر میں
 سرنگ سے باہر تھے۔ اوپر شفاف آسمان پر تارے آنکھیں جھپک
 رہے تھے اور ٹھنڈی ہوا ہمیں روحانی سکون پہنچا رہی تھی۔
 ہم کھڑے ہوئے۔۔۔ کہ دفعتاً ہمارے پیروں تلے سے کوئی چیز
 سرک گئی۔۔۔ اور ہم نرم آلود ٹھنڈی گھاس پر لڑھکنیاں کھانے
 لگے۔

جھاڑیاں اور نرم آلود زمین پر سے لڑھکتا ہوا میں کسی جگہ رک گیا
 کسی سخت سیا چیز پر میرا ہاتھ جا پڑا۔ میں اسے مضبوطی سے پکڑ کر
 بیٹھ گیا اور اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا اوریری آوازوں کا

گنج سلیمان

۲۴۳

جواب ہنری نے کہیں نیچے سے دیا۔ اس نے بھی کسی چیز کا سہارا پا کر رٹھکنا بند کر دیا تھا۔ میں رنگتتا ہوا ہنری کے قریب جا بیٹھا ہمیں گدہ کی تلاش ہوئی اور ہم نے دیکھا کہ وہ ایک درخت کی جڑوں میں الجھا ہوا ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔ اپنے آپ کو جڑوں سے چھڑا کر وہ بھی ہمارے قریب آ بیٹھا۔

ہم تینوں بیٹھے خوشی سے مسکرا رہے تھے۔۔۔۔۔ ہم اس ہیبتناک جگہ سے نکل آئے تھے جو ہماری قبر بننے والی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پوچھٹ رہی تھی جسے دیکھنے کی چند ہی منٹ پہلے ہمیں کوئی امید نہ تھی۔

آہستہ آہستہ اجالا پھیلنے لگا اور اب ہم نے دیکھا کہ ہم غار کے دہانے کے سامنے ایک گہرے اور لمبے چوڑے کھد میں بیٹھے ہوئے تھے۔

صبح کی روشنی اور تیز ہوئی۔ اور ہم نے ایک دوسرے کا جائزہ لیا۔ ہر ایک کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں پر پیڑیاں جم گئی تھیں اور بال الجھے ہوئے تھے۔ ہمارے تمام کپڑے اور جسم کچھڑ میں لت پت تھے اور یقین ماننے اس وقت بھی گدہ کی ایک چشمی عینک بدستور اس کی آنکھ سے چپکی ہوئی تھی۔

ہم نے اٹھ کر اوپر چڑھنا شروع کیا۔ ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد ہم گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ سامنے شاہراہ سلیمان پھیلنے چلی گئی تھی۔ اور درپردہ غار نظر آ رہا تھا جہاں یقین خاموش دیوتاؤں کے بت نصب تھے۔ شاہراہ سلیمان سے ایک طرف ہٹ کر غار سے کوئی دو سو گز دور جھونپڑوں کے

۲۴۴

گنج سلیمان

عین سامنے الاور روشن تھے اور آگ کی روشنی میں انسانی سائے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ ہم اسی طرف بڑھے۔ ہمیں دیکھتے ہی ایک شخص اٹھا اور ایک چمچ کے ساتھ ہمارے قدموں پر گر گیا۔

”انفادوس، انفادوس۔ یہ ہم ہیں۔ تمہارے دوست“
میں خوشی سے چلایا۔
انفادوس اٹھا۔

”میرے آقا، میرے آقا، یہ کیا آپ ہی ہیں یا میری آنکھیں اور میرے کان مجھے دھوکا دے رہے ہیں!“ اور بوڑھا جرنیل ہنری کے پیر پکڑا کر رونے لگا۔

دس روز بعد ہم لو میں تھے۔

اور باہر آکر آئینہ دیکھنے سے پتہ چلا کہ جانے کس وجہ سے میرے بال سفید ہو گئے تھے۔ گڈ کا بتاش چہرہ سست ہو گیا تھا اور فلاڈیٹا کی موت کی وجہ سے وہ غمگین رہنے لگا تھا۔

ہم پھر گنج سلیمان کے خفیہ کمرے کا سراغ نہ پاسکے کچھ روز بعد چند آدمیوں کے ساتھ ہم اس جگہ گئے جہاں سے باہر آئے تھے گرٹھے میں اقر کر ہم نے سرنگ کو لاکھ تلاش کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

نو واپس لوٹنے سے ایک روز پہلے ہم نے موت کے کمرے میں گھس کر خفیہ دروازے کو تلاش کیا۔ مسلسل بارہ گھنٹے کی تلاش کے باوجود ہمیں وہ دروازہ نہ ملا اور شاید تیامت تک اب کوئی اس دروازے کو اور خزانہ کو نہ پاسکے گا اور گینج سلیمان اور فلاوٹیا کی ہڈیاں اب تک خفیہ کمرے میں محفوظ رہیں گی۔ اس جگہ کے تمام سر بستہ راز گنگول اپنے سینے میں لٹے چٹائی دروازے کے نیچے تیامت تک دبی پر عمارت رہے گی۔

ماریسی سے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں دوسرے روز لو کی طرف واپس لوٹ گئے۔

یہ ٹھنڈی آہیں واقعی بہت بڑی ناشکری تھی۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ خفیہ کمرے سے چلتے وقت میں نے اپنے کوٹ کی جیبوں کو ہیروں سے بھریا تھا۔ تنگ سرنگ میں رہتے وقت کوئی ایک بڑے بڑے ہیرے میری جیبوں سے نکل گئے تھے۔ لیکن پھر بھی میری جیب میں اتنے ہیرے تھے کہ میرے پوتے تک آرام سے زندگی بسر کر سکتے تھے اور یوں گینج سلیمان کے لئے ہماری بھاگ دوڑ بالکل ہماری اٹلیگاں نہیں گئی تھی۔

لو پونچے تو اگنوسی نے بڑی خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا اور بڑی توجہ سے ہماری داستان مصیبت سنتا رہا اور جب ہم نے گنگول کی عبرتناک موت کا ذکر کیا تو وہ ایک سوچ میں پڑ گیا۔
”یہاں آؤ“ اس نے اپنے درباریوں میں سے ایک بوڑھے کی طرف اشارہ کیا جس کے سر اور جھوٹوں کے بال سفید ہو رہے تھے اور چہرے پر

گہری گہری جھڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔
بوڑھے نے آگے بڑھ کر اگنوسی کو سلام کیا اور مودب کھڑا ہو گیا
”کتنی عمر ہوگی تمہاری؟“ اگنوسی نے پوچھا۔

”آپ کے دادا اور میں ایک ہی روز ایک ہی ساعت میں پیدا
ہوئے تھے“ بوڑھے نے جواب دیا۔

”اچھا یہ تو بتاؤ کہ جب تم بچے تھے کیا اس وقت بھی تم گنگول کو
جانتے تھے؟“

”جی ہاں۔ میرے آقا۔ میں نے بچپن میں گنگول کو دیکھا تھا۔“
”اس وقت وہ کیسی تھی؟ تمہاری طرح ننھی سی یا جوان العمر؟“
”نہیں میرے آقا۔ اس وقت بھی گنگول اتنی ہی بوڑھی تھی۔ اور
میرے دادا کے وقت میں بھی وہ اتنی ہی مکروہ صورت اور چڑیلی تھی
جتنی کہ آج ہے۔“

”گنگول اس دنیا میں نہیں۔ وہ مر چکی ہے۔“
”ہیں تو کیا اس صدیوں پرانی شیطانی عورت کا خاتمہ ہو گیا؟“
”ہاں۔ اچھا اب تم جا سکتے ہو۔“
”کوم، کوم“ بوڑھا اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

”دیکھا میرے عزیز دوستو“ اگنوسی ہم سے مخاطب ہوا۔ ”گنگول
بڑی پراسرار عورت تھی۔ اس کی موت سے مجھے روحانی مسرت
حاصل ہوتی ہے اگر وہ زندہ ہوتی تو پھر خفیہ کمرے میں تمہیں
دفن کرنے کے بعد وہ یقیناً مجھے قتل کرنے کی ترکیب سوچتی۔ اور
پھر اپنے کسی منظور نظر شخص کو تخت پر بٹھا کر اپنی شیطانی قوتوں سے

کو کوآنہ کی سرزمین کو لرزہ دیتی۔ اچھا میکو میزن اپنی داستان مکمل کرو۔

میں نے سب کچھ سنا چکنے کے بعد موقع دیکھ کر کہا: "اور اب اگنوسی ہم اپنے دلش میں جانا چاہتے ہیں۔ تم ایک ملازم کے طور پر ہمارے ساتھ یہاں آئے تھے اور ہم تمہیں کو کوآنہ کا بادشاہ بنا دیکھ کر رخصت ہوتے ہیں۔ تم نے جو وعدہ کیا ہے اسے یاد رکھنا۔ کبھی کسی بے گناہ کو قتل نہ کرنا۔ کل صبح ہم روانہ ہو جائیں گے۔ ایک راہ پر ہمارے ساتھ کر دینا جو ہمیں کوہ سبائی پر لی طرف تک چھوڑ آئے۔"

"تمہارے ان الفاظ نے میرے دل کے ٹکڑے اڑا دیے ہیں۔" اگنوسی نے کہا۔ "انکو میکو میزن۔ باگون۔ مجھ سے کیا غلطی ہوگئی جس کی وجہ سے تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ تم نے جنگ و جدل میں میرا ساتھ دیا اور اب پر امن زمانے میں رخصت ہو رہے ہو۔ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکوں گا۔ عزیز دوستو۔ دیکھو۔ یہ تمام ملک تمہارا ہے میں صرف نام کا بادشاہ رہوں گا اور حکومت تم کرو گے۔ تم یہیں رہ جاؤ۔ تمہیں کس چیز کی خواہش ہے؟ دودھ اور مکھن کی؟ تو ہر صبح تمہیں ایک گائے کا تازہ دودھ اور مکھن ملتا رہے گا۔ تمہارا دل ہاتھیوں کے شکار میں لگا ہوا ہے؟ تو میرے ملک میں بھی ہاتھی ہیں۔ اگر جنگ کرنا چاہتے ہو تو میرا تمام لشکر تمہارا ہے۔ اسے لے کر جس ملک پر چاہو حملہ کر دو۔ میرے دوستو۔ میرے بھائیو۔ میں روئے زمین کی

ہر وہ چیز جو میرے قبضہ قدرت میں ہے تمہارے لئے حاضر کر دوں گا۔
لیکن دیوتاؤں کے لئے یہاں رہ جاؤ۔“

”نہیں اگنوسی ہم جانا چاہتے ہیں“ میں نے کہا۔

”اچھا تو اب میں سمجھا“ اگنوسی کی آنکھیں غصے سے انگارہ ہو گئیں

”تو تم ہیروں کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہو۔ تم نے ان ہیروں کو

حاصل کر لیا۔ اب مجھ سے کیا غرض۔ اچھا۔ جاؤ۔ اور ناٹماں کے

بازاروں میں ان ہیروں کو بیچ کر لکھ پتی بن جاؤ۔ جاؤ۔ دیوتاؤں

کی قسم اب اگر کوئی شخص ان پتھروں کی تلاش میں یہاں آئے گا

تو میں اس کی کھال کھنچ کر بھس بھرا دوں گا۔ سفید اناٹو۔

تم جا سکتے ہو۔“

”اگنوسی“ میں نے اٹھا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہ بات

نہیں سچ کہنا جب تم ہمارے ملک میں تھے اس وقت تمہیں اپنے

وطن کی یاد نہیں ستا رہی تھی؟“

”تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ میکومیزن“

”بس تو اسی طرح سے ہمیں اپنے وطن کی یاد ستا رہی ہے۔“

”تمہاری باتیں عقلمندانہ اور تمہاری دلیلیں بالکل ٹھیک ہیں۔

میکومیزن جو پرند آسمان میں پرواز کر رہا ہو اسے زمین پر لانگنا

بالکل پسند نہیں۔ واقعی تم ہم سیاہ چٹری کے لوگوں میں خوش نہیں رہ

سکتے۔ اچھا میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں زندگی بھر

تمہاری یاد میں بے چین رہوں گا۔ یہاں سے جانے کے بعد تم گویا

میرے لئے مر چکے۔ کیونکہ اب پھر کبھی بھی تم جلتے ہوئے صحران کو عبور

کر کے یہاں تک نہ آسکو گے۔
 "لیکن میکوبیزن۔۔۔ یہاں یہ پیغام، اور سب دنیا تک پہنچا دینا۔ اور
 کوئی بھی شخص کو کوآنہ کا راز نہ کرے۔ میں نہیں چاہتا کہ شکار خانہ
 کی بندو تونوں کا خوف میرے لوگوں کے دلوں پر بٹھ جائے۔ کہ اگر
 مذہبی رہتا اسے دلخیز آنے کی کوشش نہ کرے۔ اور جو اس کا دل
 میرے سپاہیوں کی دلوں میں جاگزیں کر کے اٹھیں۔ تمہاری یاد میں
 اگر اکا دکا لوگ آئے تو میں انہیں کوہ سپا کے طرف بلاؤں گا
 اور اگر کوئی لشکر لے کر چڑھ آیا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔
 اگر چہ کوئی شخص خزانہ کی تلاش میں آیا تو میں اس کا انجام برا بناؤں گا۔
 لیکن تم تقینوں کے لئے کوآنہ کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔
 تم تیب جاہر یہاں آ سکتے ہو۔ تم تقینوں دنیا میں کچھ سب سے
 زیادہ عزیز ہو۔"

"انفادوسی اور یہ بڈھا درباری۔ جس سے تمہارے اچھے لگنے والے
 کے بارے میں پوچھا تھا۔ چند سپاہیوں کے ساتھ صحرا کے کنارے
 تک تمہاری راہبری کریں گے۔ الوداع دو سنتوں۔ میں اٹھاؤں گا
 سے آخری سلام کرتا ہوں۔ میں تمہیں رخصت ہوتے نہیں دیکھوں
 سکوں گا۔ اس لئے اس وقت میں تمہیں رخصت کرنے نہیں
 آؤں گا۔ بس یہ تمہاری آخری ملاقات ہوگی۔ میں کوآنہ کی
 ہر چٹان پر تمہارا نام کندہ کرادوں گا تاکہ ابد تک تمہاری یاد
 کوآنہ میں باقی رہے۔"

"جاؤ۔ میرے عزیز بھائیو! میری آنکھیں تمہاری یاد میں ہمیشہ

آنسو بہا رہی رہی تھی۔ جب تم بوڑھے ہو کر اپنے ماضی کو یاد کرو تو مجھے یاد کر لینا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو کر اپنے وطن جانے والے میرے بھائیوں کو اگنوسی کا سلام قبول ہو۔

اگنوسی نے اسٹار کرکچھ دیر ہمیں غور سے دیکھا۔ پھر اپنا منہ دریں ہاتھوں سے چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اپنے خال بھونپنے کی طرف چلا گیا۔ ہم بھی پر غم آنکھوں سے اپنی جھوٹی مسکراہٹیں دیکھتے۔

دوسرے روز صبح سویرے ہم نے لو کو خیر آباد کہا۔ انفرادی طور پر ہمارا جدائی کے خیال سے دل برداشتہ ہمارے ساتھ تھا۔ اور نگر بڑکا دست ہمارے جلوہ میں سر جھکائے چل رہا تھا۔ لو کے درمیان سے گزر کر گورنمنٹ اور مردقطار بانہ سے کھڑے تھے اور جب ہم ان کے درمیان سے گزرے تو مردوں نے شاہی سلام کے الفاظ کہے اور حوروں نے ہم پر پھول پھینکے۔

جب ہم صدر دروازے کے قریب پہنچے تو ایک خوبصورت لڑکی بھیڑ کو چیرتی ہوئی ہمارے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر جنگلی پھولوں کا ایک گلدستہ گڈ کو پیش کیا۔ جسے گڈ نے قبول کیا۔ لڑکی معلوم ہوتا تھا کچھ کہنا چاہتی تھی۔
"کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟" گڈ نے کہا۔

"میرے آقا۔ آپ اپنی باقی دانت ایسے خوبصورت سفید تیزوں کی زیارت اس کنیز کو کراہیں۔ میں آپ کے پیر دیکھنے کیلئے

روز کا سفر طے کر کے یہاں تک آئی ہوں۔ آپ کے پیروں کی بسبورتی اور سفیدی کے افسانے کو کوآنہ کے طولی و عرض میں پھیلے گئے ہیں۔ دیوتاؤں کے لئے مجھے ان کی زیارت سے محروم نہ کیجئے۔
 ”ہیں۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔ راہ۔۔۔ اگر مجھے چانس ہی پر لٹکا دیا جائے
 یہ بھی یہ نہیں ہو سکتا۔“ گڈ نے کہا۔

”گڈ۔ تمہیں لڑکی کو مایوس نہیں کرنا چاہیے۔“ ہنر نے کہا۔
 ”نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔“ گڈ نے کہا۔

”آخر کار بہت کچھ کہنے سننے کے بعد گڈ نے اپنی پتلون گٹھنوں سے
 پیر تک چڑھائی اور لوگ خوشی سے چٹانے لگے۔ اور اسی طرح
 سے پتلون اٹھائے گڈ چلتا رہا یہاں تک کہ ہم لو سے باہر آگئے۔
 اسنے میں انفا دوس نے بتایا کہ ہم جس راستے سے آئے تھے اس
 کے علاوہ ایک اور راستہ ہے جو اس چٹانی دیوار میں ہے جو کوہ سیا
 کے دائیں اور بائیں پہاڑوں کو ملاتی ہے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ دو
 مال ہوئے کو کوآنہ کے سپاہیوں کا ایک دستہ شتر مرغ کی تلاش
 میں اسی راستے سے صحرا میں داخل ہوا تھا۔ انہیں شتر مرغ تو ملے نہیں
 ملے لیکن وہ یہ خبر لے کر کو کوآنہ میں آئے کہ اس راستے سے جانے
 کی وجہ سے صحرا میں کئی ایک نخلستان ملتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اسی
 راستے سے جانا پسند کیا۔

ہم چار روز بعد چٹانی دیوار پر کھڑے ہو گئے تھے جہاں سے ہمیں دو
 ہزار فٹ نیچے اترنا تھا یہاں ہم نے اپنے وفادار دوست انفا دوس
 کو آخری سلام کیا تو اس کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔

”میرے آنا : اس نے کہا : ”اب میں آپ سے پھر کبھی نہ مل سکوں گا۔
 مرنے دم تک آپ کی یاد میرے دل میں چٹکیاں لیتی رہے گی۔ کبھی
 کبھار خواب میں آپ کا دیدار ہو جائے۔ تو یہ بھی میرے لئے غنیمت ہوگا۔“
 انفرادوں کی باتوں نے ہمیں بہت متاثر کیا۔ گڈ نے اپنی نشانی
 کے طور پر انفرادوں کو ایک چیز دی۔ اور آپ بنا سکتے ہیں وہ
 کیا چیز ہوگی؟ یک چشمی عینک (بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ اس کے
 پاس ایک اور بھی عینک تھی) انفرادوں سے یہ تھکے پا کر پھونکا نہ سمایا۔
 جب ہمارے راہنما کھانا اور پانی لے کر تیار ہو گئے تو ہم نے
 بڑی سی گرجوشتی سے انفرادوں سے ہاتھ ملائے جو یک چشمی عینک کو
 اپنی آنکھ پر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ گریز نے شاہی سلام کے
 الفاظ کہے اور ہم ان لوگوں کی یاد لئے نیچے اترنے لگے اور بغیر کسی
 حادثے کے ہم سلامتی سے نیچے اتر گئے۔

”جانتے ہو کواٹر میں“ ہنری نے کہا : ”اخریقہ میں کو کو آنہ سے بھی
 زیادہ وحشی قومیں موجود ہیں۔ کو کو آنہ ان کے مقابلے میں بہت زیادہ
 تہذیب یافتہ ہیں۔“

”ہنری میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں واپس کو کو آنہ میں لوٹ جاؤں۔“
 گڈ نے کہا۔

لہ : یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اگنوسی کی ماں نے کس طرح سے
 تنہا کوہ سب اور جلتے ہوئے صحرا کو عبور کیا ہوگا۔ ظاہر ہے اسکے پاس کھانے پینے
 کا سامان بھی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی راہبر اس کے ساتھ تھا۔ (کواٹر میں)

اب رہا میرا سوال تو۔ بندہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اس خوفناک سفر کا انجام اچھا ہوا اور بس۔ جنگ کے مناظر اور خفیہ کمرے کی مصیبت بھلائے نہیں بھولتی تھی اور اب تو میں یہی چاہتا تھا کہ اپنے کمرے میں آتش دان کے قریب اطمینان سے بیٹھے بیٹھے زندگی کے دن گزار دوں۔ ہاں اگنوسی اور انفادوس بری طرح یاد آ رہے تھے۔

دوسرے روز ہم نے ایک مرتبہ پھر ریگستان میں قدم رکھا لیکن اس مرتبہ ہمارے پاس کھانا پانی کافی تعداد میں تھا اس لئے راستے میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ تیسرے روز سورج غروب ہوتے وقت ہم ایک غلستان میں یقیم تھے۔ جہاں نرم نرم گھاس ہمارا بستر تھی۔ ٹھنڈی ہوا دلوں کو فرحت پہنچا رہی تھی اور ایک چشمہ اپنی مستانی چال سے بہ رہا تھا۔

اور اب میں ایک ایسا واقعہ بیان کرنے والا ہوں جس کی وجہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب خدا چاہتا ہے تو مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ میں اور گڈ بھڑی سے چند قدم آگے اس چشمہ کے کنارے چل رہے تھے جو غلستان سے باہر پیا سے ریگزار میں جا کر غائب ہو جاتا ہے۔ ایک دم سے میرے پیر جیسے زمین پر گر گئے۔ اور مارے حیرت کے یہی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور مجھے آنکھوں پر سے اعتبار اٹھ چلا۔

مجھ سے کوئی بیس گز دور کھجور کے ایک درخت تلے اور چشمہ کے کنارے پہنچے

ایک جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔
"یہ جھونپڑی یہاں کیسے آگئی۔ کون ہے جو دنیا کے ہنگاموں میں
دور یہاں رہ رہا ہے؟" میں نے سوچا

"جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور ایک انگریز لنگرہٹا ہوا باہر آیا۔ وہ
جسم پر کافروں کی طرح کھالی پیمے ہوئے تھا اور اس کی سیاہ داڑھی او
بال بے تحاشہ بڑھ آئے تھے۔

"کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟" میں نے سوچا کوئی
شکاری شکار کی تلاش میں اس جگہ ہوئے صحرا میں اتنی دور تک نہیں
آسکتا۔

ہنری اور گڈ بچھ سے چند قدم آگے بڑھ کر حیرت سے اس شخص کو
طرف دیکھنے لگے۔ یہ دونوں چند قدم اور آگے بڑھے۔ دفعتاً اس
انگریز نے نعرہ بلند کیا۔ اور اپنی لنگرہٹی ٹانگ کو گھسیٹتا ہوا تیزی سے
ہماری طرف لپکا اور ہمارے قریب پہنچ کر اس نے اپنے آپ کو ہنری
کے قدموں پر ڈال دیا۔ ہنری نے جلدی سے اٹھایا۔

انے خدا۔ یہ تو میرا بھائی جا رہا ہے۔" ہنری نے کہا۔
ایک اور شخص۔ جس کا رنگ سیاہ تھا۔ جھونپڑی سے نکل کر ہماری
طرف آیا اور قریب پہنچ کر خوشی سے ناچنے لگا۔

"میکو مینز" اس نے کہا۔ "مجھے نہیں پہچانتے؟ میں جم ہوں۔ جم۔
رخصت ہوتے وقت آپ نے جو نقشہ بنا کر مجھے دیا تھا۔ وہ خدا جانے
کہاں کھو گیا۔ اور ہم دو سال سے اس ریگستان میں پڑے ہوئے ہیں۔"
ہ اور اس بے اعتیالی کی سزا تمہیں کافی مل گئی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

گنج سلیمان

۲۵۵

جارج ہم تو سمجھے تھے کہ خدا نخواستہ تم مر گئے۔ تمہاری تلاش میں میں نے افریقہ
 مل اور صحرا چھان مارے اور آخر کوہ سبا کی پرلی طرف بھی ہوا آیا اور منہ ہی
 جارج ایک دوسرے سے لپٹ کر رو پڑے اور پرانی لڑائیوں کی آہیں ان
 سوؤں کے ساتھ بہ گئیں۔

دو سال ہوئے گنج سلیمان کی تلاش میں چلا تھا۔ یہاں آ کر ایک چٹان مری
 سا پر گری اور اب میں نہ آگے جاسکتا تھا نہ پیچھے چپا نچہ ہرینہ پڑا۔
 "لو۔ مٹر نیول پہ چاہتے ہو مجھے؟" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔
 "ارے مٹر کو اٹری میں۔ اور گڈ تم بھی؟" جارج خوشی سے چلانے لگا۔
 رات کو الاؤ کے گر رہی تھیں کہ ہم نے جارج سے اس کی کہانی سنی۔ دو سال
 پہلے وہ اسٹانڈاز کرا ال سے گنج سلیمان کی تلاش میں روانہ ہوا تھا جارج کو آج
 ایک پتہ اس بات کا نہیں چلا تھا کہ میں نے جم کو کوئی نقشہ دیا تھا۔ ہم نے کبھی
 اس کا ذکر جارج سے نہیں کیا تھا۔ وہ اور جم دھندلی سی معلومات کے سہارے
 اس طرف بڑھ رہے تھے جس طرف سے کہ ہم واپس آ رہے تھے۔ ایک روز وہ
 اس نخلستان میں پہنچ گئے۔ اسی روز شام کو جارج چشمہ کے کنارے بیٹھا ہوا
 تھا اور اس کے بالکل سر پر جم ایک پتھر پر چڑھا مکھیوں کے چھتے سے شہد
 نکال رہا تھا کہ اس کا پیر پھلا اور وہ بھاری پتھر اکٹھا کر نیچے گرا اور جارج
 ... کی ٹانگ کو چور کر گیا۔ اور جب سے جارج اسی جگہ مقیم تھا۔

"اور میں اور جم دو سال سے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ جم شکار کر لاتا ہے
 اور ہمیں غذا مل جاتی ہے۔" جارج نے کہا۔ "گزشتہ رات ہی میں نے جم
 سے کہا تھا کہ وہ مجھے یہیں چھوڑ کر اسٹانڈاز کرا ال جائے اور وہاں سے چند
 آدمی سولے آئے جو ہمیں اس صحرا سے نکال سکیں جم کل روانہ ہونے والا تھا

اور مجھے امید تو نہیں تھی کہ وہ پھر واپس یہاں آئے گا یہ حال خدا کا شکر ہے کہ آ لوگ آ گئے۔"

اور اب ہنری نے اپنی داستان شروع سے آخر تک جارج کو سنادی۔
 "داعھی یار! جب میں نے پیرے دکھائے تو جارج نے کہا: تمہارا سفر بقیہ نہیں رہا اور میں تو اپنی ٹانگ کھو کر بھی کچھ نہ پاسکا۔"
 "یہ پیرے کواڑے میں اور گڈ کی ملکیت ہیں: ہنری نے کہا۔
 میں ایک سوچ میں پڑ گیا اور گڈ سے مشورہ کرنے کے بعد میں ہنری سے کہا کہ وہ اپنی پیرواں میں سے ایک تہائی حصہ اپنے لئے لے لے اور اگر یہ سب نہیں چاہتا تو یہ حصہ جارج کو دیا جائے۔ چنانچہ ہنری اس بات پر راضی ہو گیا اور اب میرا خیال ہے کہ یہاں میں اس داستان کو ختم کروں۔ چونکہ جارج نے اسے ساتھ لیا اور اس کی ٹانگ بالکل ہی بیکار ہو گئی تھی اس لئے اسٹانڈاز کو ان چھپے میں کافی عرصہ لگا۔ اسٹانڈاز کراں سے روانہ ہونے کے دس روز بعد ہم واپس وہاں پہنچے جہاں پر ہمارا سامان اور بندوقیں اسی بوڑھے کا فر کے یہاں محفوظ رکھے گئے۔ ساہ پیشتر ہم اس کے سردار گئے تھے اور یہاں سے روانہ ہو کر آخر کار وہاں پہنچ گئے۔ کچھ روز میرے مکان پر سستانے کے بعد گڈ، ہنری اور جارج مجھ سے رخصت ہو کر انگلستان چلے گئے اور میں بھی اب اپنے قارئین سے رخصت ہوتا ہوں۔ غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں، گڈ اور ہنری آخر تک گم ہونے دوست رہے اور پیرواں نے ہمیں کافی امیر بنا دیا صرف ایک چھوٹے پیرے کی قیمت اتنا ہزار ایک سو ڈالر وصول ہوئی اور شہرے پیرے کی قیمت ادا کرنے سے افریقہ اور انگلستان کے بومہری قادر تھے۔

تحتہ نشر